انوارِ اقبال

اقبال اکادمی کراچی

جملہ حقوق بحق اقبال اکادمی محفوظ

طبع اول　　مارچ ۱۹۶۷ء

ناشر　　اقبال اکادمی ، کراچی

مطبع　　انجمن پریس ، کراچی

پیش لفظ

اقبال کی تقاریظ، خطوط، مضامین اور نادر کلام کا یہ مجموعہ اقبال اکاڈمی نے مرتب کیا ہے۔ اس وقت تک اقبال کے اردو خطوط کے کئی مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ پروفیسر شیخ عطاء اللہ کا مرتب کردہ "اقبال نامہ" دو حصوں میں ۱۹۴۴ء اور ۱۹۵۱ء میں چھپا، بزم اقبال لاہور "مکاتیب اقبال" بنام خان نیاز الدین خاں ۱۹۵۴ء اور اقبال اکاڈمی کراچی نے "مکتوبات اقبال" بنام نذیر نیازی ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئے۔ ان سے پہلے ۱۹۴۲ء میں اردو خطوط کا ایک اور مجموعہ "شاد اقبال" کے نام سے حیدر آباد دکن سے طبع ہوا تھا، اس کے مرتب ڈاکٹر محی الدین قادری زور تھے۔ اس میں وہ خطوط جمع کر دئے گئے تھے جو اقبال نے وقتاً فوقتاً مہاراجہ کشن پرشاد شاد مدار المہام سلطنتِ آصفیہ حیدر آباد دکن کو تحریر کئے تھے۔

اقبال کے اردو مضامین اور مقالات کے بھی دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

ایک مجموعہ "مضامین اقبال" مرتبہ تصدق حسین تاج تھا جو ۱۹۴۳ء میں حیدرآباد دکن سے چھپا اور دوسرا "مقالات اقبال" مرتبہ سیّد عبدالواحد معینی ہے جو ۱۹۶۳ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔

نثری تحریروں کے علاوہ اقبال کا کافی کلام ایسا موجود ہے جو ان کے معروف مجموعوں میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے یا ترمیم یافتہ صورت میں شامل ہے۔ ان کے منتشر اور غیر مدوّن کلام کے بھی بعد میں کئی مجموعے شائع ہوئے ہیں جن میں "باقیات اقبال" اور "روزگار فقیر جلد دوم" قابل ذکر ہیں۔

اقبال اکادمی کا موجودہ مجموعہ صرف ان خطوط، مضامین، تقاریظ اور اشعار پر مشتمل ہے جو یا تو سرے سے کہیں شائع ہوئے ہی نہیں یا اگر شائع ہوئے بھی ہیں تو کسی باقاعدہ مجموعے میں شامل نہیں۔

خطوط، مضامین، تقاریظ اور منظومات وغیرہ کے علاوہ اس کتاب میں چند نادر دستاویزات کے عکس بھی شامل ہیں مثلاً اقبال کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے اشعار اور تحریریں، پنجاب اسمبلی کے انتخابات کے دوران کی ایک یادداشت، مسئلہ نبوت پر تشریحی مکتوبات وغیرہ۔ یہ نوادر پہلی مرتبہ شائع کیے جا رہے ہیں۔

یہ اہم مجموعہ جو اقبالیات میں ایک گراں قدر اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے اقبال اکادمی کے ڈائرکٹر جناب بشیر احمد ڈار نے بڑی کاوش اور تگ و دو کے بعد مرتب کیا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کی کاوش ان کے فرائض منصبی میں

داخل ہے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ جس محنت اور عرقریزی سے انہوں نے یہ کام سرانجام دیا ہے وہ فرائض کی حد سے بہت آگے ہے۔ اقبال اکادمی اس کام کے لئے ڈار صاحب کی ممنون ہے اور مجھے یقین ہے کہ دنیا میں جس جگہ یہ مجموعہ پہنچے گا اقبال کے طالب علم، عقیدت مند اور محققین ان کے شکرگزار رہوں گے۔

کراچی
۶ اپریل ۱۹۶۷ء

ممتاز حسن

عرضِ حال

اقبال کے اردو خطوط، متفرق تحریروں اور کم یاب منظومات کے کئی مجموعے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ ان مجموعوں کے علاوہ اقبال کے بہت سے خطوط، تحریریں، تقریظیں، آراء اور تبصرے مختلف رسائل اور اخبارات میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے ہیں۔ یہ بکھرا ہوا قیمتی مواد آج تک کسی مجموعہ میں شامل نہیں ہو سکا۔ لیکن ریزہ ریزہ چن کر اب تمام منتشر اور نادر تحریروں، نظموں اور خطوط کو زیر نظر کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ تالیف کے وقت پوری کوشش کی گئی تھی کہ کوئی ایسی چیز شامل نہ ہو جائے جو عام مطبوعہ مجموعوں میں آ چکی ہو۔ پھر بھی سہو و خطا کا امکان ہے اگر کوئی اِکا دُکا ایسی تحریر اس مجموعے میں دوبارہ شامل ہو گئی ہے تو اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

جتنا مواد موجودہ مجموعے میں شامل ہے اس کا بیشتر حصہ اکادمی میں محفوظ ہے۔ بعض نوادر ایسے بھی ہیں جو ابھی تک غیر شائع شدہ ہیں۔ ان کی عکسی نقول پہلی مرتبہ اس مجموعے میں شامل کی جا رہی ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

۱ - مسئلہ نبوت پر دو تحریریں جو اقبال نے سید نذیر نیازی کو بھیجیں -

۲ - پنجاب کونسل کے انتخابات کے دوران ایک یادداشت -

۳ - اقبال کے برادر بزرگ شیخ عطا محمد مرحوم کا ایک خط غلام رسول صاحب مہر کے نام جس کے ساتھ اقبال کی لکھی ہوئی ایک فارسی نظم "تنہائی" بخطِ مصنف -

ان کے علاوہ اقبال کے چند ایسے اہم مضامین، بیانات اور تقاریر بھی شامل کتاب ہیں جو اس سے پہلے کسی مجموعے میں موجود نہیں -

اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں بے شمار رسائل، اخبارات اور کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کا اعتراف اور شکریہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے۔ رسائل میں مخزن، زمانہ، صوفی، کارواں، برہان، ماہِ نو، چراغِ راہ، کشمیری میگزین، نقوش وغیرہ اور اخبارات میں احسان، جنگ، امروز، انقلاب وغیرہ سے خاص طور پر مدد ملی۔ حواشی و تعلیقات کے سلسلے میں جناب غلام رسول مہر اور محبی محمد عبداللہ قریشی نے نہایت مفید مشورے دیئے اور بیش بہا معلومات فراہم کیں۔ اس مخلصانہ امداد و تعاون کے لئے ہم ان کے بہت ممنون ہیں۔ مواد کی فراہمی کے سلسلے میں محترمہ بیگم ڈاکٹر مظفرالدین قریشی کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے کہ انہوں نے ازراہِ نوازش اقبال کے وہ تمام اصل خطوط جو اُن کے پاس تھے اکادمی کے سپرد کر دئے۔ اس سلسلے میں جن اصحاب نے ہاتھ بٹایا ان میں جناب ڈاکٹر وحید قریشی، محبی عبداللہ قریشی (مدیر ادبی دنیا)، جناب حسن مثنیٰ (مدیر حریت)، جناب شفیق بریلوی (مدیر خاتون پاکستان)، جناب ملک احمد نواز (یونیورسٹی لائبریری لاہور) اور جناب مدبر رضوی (لائبریرین اقبال اکادمی) خاص طور پر

قابل ذکر ہیں۔ رضوی صاحب نے نہ صرف بڑی تندہی سے مواد کی فراہمی میں مدد دی بلکہ اکثر اوقات اس کے نقل کرنے کی بھی زحمت گوارا کی۔ اس طرح غلام رسول اسسٹنٹ انچارج اقبال اکادمی نے بھی مواد کی تصحیح و ترتیب میں کافی معاونت کی۔ کتاب کی طباعت کے مختلف مرحلوں میں محبی مشفق خواجہ نے کافی رہنمائی کی۔ مرتب ان سب کا شکر گزار ہے۔

آخر میں جناب ممتاز حسن کا شکریہ ادا کرنا ہمارا خوشگوار فریضہ ہے جنہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں قدم قدم پر نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ ازراہِ عنایت اپنے ذاتی کتب خانے سے استفادہ کا موقع بھی دیا۔ اس کتب خانے میں اقبالیات کا نہایت بیش بہا، نادر اور متنوع ذخیرہ ان کی علمی لگن، خوش ذوقی اور اقبالؔ سے حد درجہ شغف پر دال ہے۔ اس کتاب کے بعض نوادر کے لئے ہم ان کے مرہونِ منت ہیں۔

آخر میں قارئین کی خدمت میں ایک معذرت پیش کرنی ہے۔ یہ کتاب کی ترتیب و تدوین کے بارے میں ہے۔ کتاب کی کتابت شروع کرتے وقت ہمارے پاس مواد مختصر اور محدود تھا اس لئے ذہن میں اس کی ترتیب کا خاکہ بھی موجودہ خاکہ سے مختلف تھا لیکن مزید مواد کی تلاش و جستجو بہر حال جاری تھی۔ اس محنت کا ثمرہ ہماری توقع سے بڑھ کر نکلا۔ مواد خاصا اکٹھا ہو گیا لیکن پہلا مواد بعد میں دستیاب ہونے والے مواد سے مناسب اور متوازن انداز میں منسلک نہ ہو سکا۔ تدوین کی اس خامی اور ناہمواری کا ہمیں احساس تھا لیکن اس کی خاطر ان گلہائے رنگ رنگ

کو چھوڑنا گوارا نہ ہوا۔ اسی لئے ہم نے انہیں بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ اس کتاب میں آپ کو گلدستے کی ترتیب و تہذیب نہیں ملتی تو نہ سہی لیکن چیدہ چیدہ پھولوں کی لطافت رنگ و بو اور بوقلمونی سے تو بہر کیف بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

کراچی
مارچ ۱۹۶۷ء

مندرجات

پیش لفظ

عرضِ حال

۱۔ تقاریظ اور مضامین

تقاریظ	۱
درسی کتب کے دیباچے	۲۱
مضامین	
سودیشی تحریک و مسلمان	۲۵
اقبال سے مجید ملک کی ملاقات کا حال	۳۴
مذہب و سیاست کا تعلق	۴۰
اقبال کی ایک تقریر	۴۲
نبوت پر نوٹ (۱)	۴۵
(۲)	۴۷

۲۔ خطوط

بنام محمد دین فوق	۵۱
ضمیمہ حالاتِ اقبال	۷۹
بنام غلام رسول مہر	۸۸
بنام شاکر صدیقی	۱۰۹
بنام ڈاکٹر مظفرالدین قریشی	۱۱۸
بنام ضیاءالدین برنی	۱۴۰
بنام میر خورشید احمد	۱۴۷
بنام تمکین کاظمی	۱۵۵
بنام منشی سراج دین	۱۵۹

۳۔ متفرق خطوط

بنام طالوت	۱۶۶

بنام اڈیٹر احسان ۱۶۸
بنام شیخ مبارک علی ۱۷۱
بنام وصل بلگرامی ۱۷۳
بنام وحید احمد ۱۷۴
بنام شاہ سلیمان پھلواروی ۱۷۷
بنام خواجہ حسن نظامی ۱۸۲
بنام شیخ عطاء اللہ ۱۸۷
بنام میاں عبدالرشید ۱۸۹
بنام سید عبدالواحد معینی ۱۹۰
بنام سید یامین ہاشمی ۱۹۱
بنام سید نذیر احمد ہاشمی ۱۹۴
بنام سید عبدالغنی ۱۹۶
بنام سید عشرت حسین ۱۹۶
بنام شفاعت اللہ خاں ۱۹۸
بنام ضامن نقوی ۱۹۸
بنام صوفی غلام مصطفیٰ تبسم ۱۹۹
بنام میر حسن الدین ۲۰۱
بنام پروفیسر رشید احمد صدیقی ۲۰۲
بنام خواجہ بشیر احمد ۲۰۳
بنام سردار رب نواز خاں ۲۰۴
بنام ڈاکٹر محمد دین تاثیر ۲۰۵
بنام سید مصطفیٰ حسن ۲۰۷
بنام محمد عرفان خاں ۲۰۷
بنام خواجہ عبدالوحید ۲۱۰
بنام پروفیسر علم الدین سالک ۲۱۱
بنام ڈاکٹر یعقوب بیگ ۲۱۱
بنام نواب بہادر یار جنگ ۲۱۲
بنام نصر اللہ خاں ۲۱۴
بنام نور حسین ۲۱۵
بنام ظفر احمد صدیقی ۲۱۷

بنام محمد رمضان ۲۲۲
بنام راغب مراد آبادی ۲۲۳
بنام مولوی عبدالحق ۲۲۴
بنام محمد احمد منصور ۲۲۵
بنام فرید احمد ۲۲۵
بنام تلوک چند محروم ۲۲۶

۴۔ روئداد سفر مدراس ۲۲۷

۵۔ بزم آخر

تقاریظ ۲۴۲

خطوط

بنام میر غلام بھیک نیرنگ ۲۴۳
بنام پیرزادہ ابراہیم حنیف ۲۴۳
بنام خواجہ عبدالرحیم ۲۴۵
بنام شوکت تھانوی ۲۴۶

مضامین

حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت ۲۴۷
علم ظاہر و علم باطن ۲۶۸
مسلمانوں کا امتحان ۲۷۸

بیانات

سائمن کمیشن سے متعلق ۲۸۰
اتحاد کانفرنس کلکتہ سے متعلق ۲۸۳

تقاریظ ۲۸۳

خطوط

بنام سید محمد سعیدالدین جعفری ۲۸۵
بنام عبدالمجید سالک ۲۸۶
بنام کیپٹن منظور حسین ۲۸۶
بنام پروفیسر محمود شیرانی ۲۸۸
بنام پروفیسر سعید نفیسی ۲۸۸

بنام مرتضےٰ احمد میکش ۲۹۲
سند متعلقہ حکیم ظفر یاب علی ۲۹۲
بنام مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی ۲۹۲
بنام پنڈت امرناتھ مدن ساحر ۲۹۴
سند متعلقہ فلم سازی ۲۹۵
روئیداد پنجاب پراونشیل ایجوکیشنل کانفرنس مرتبہ اقبال ۲۹۵
اقبال کا ابتدائی کلام
شمع ہستی ۳۰۱
علم ۳۰۴
متفرق قطعات و اشعار ۳۰۵
تقریظ ۳۱۴
خطوط ۳۱۵
بنام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی ۳۱۵
اشاریہ ۳۲۰

عکس

عکس اردو کورس جماعت ہفتم مرتبہ اقبال	بمقابل	۲۲
ہشتم " "		۲۳
عکس تاریخ ہند مرتبہ اقبال		۲۴
عکس آئینہ عجم		۲۵
عکس خط متعلقہ مسئلہ نبوت - ۱		۴۴
اور نظم مدنیت اسلام		۴۵
عکس خط متعلقہ مسئلہ نبوت - ۲		۴۸
عکس خط بنام محمد دین فوق		۶۱
عکس خط شیخ عطا محمد برادر اقبال		۸۸
عکس نظم تنہائی		۸۹
عکس خط مصور جو میڈرڈ (اسپین) سے بھیجا گیا		۱۰۴
عکس جاوید نامہ		۱۶۴
عکس پیام مشرق		۱۷۳
عکس "مرقع"		۱۷۴
عکس ضرب کلیم		۱۷۵
عکس نظم اتحاد		۱۹۸
عکس تحریر اقبال متعلقہ انتخابات پنجاب کونسل		۱۹۹
مزار سلطان شہید		۲۲۸
عکس پیغام شہید		۲۲۹
عکس نظم "ہمایوں"		۲۴۶
عکس قطعہ تاریخ ہمایوں		۲۴۷
عکس نظم "بوہ دار" اور "مالوی"	بالمقابل	۳۰۶
عکس نظم خطاب بہ علمائے حق		۳۰۷

۱

تقاریظ اور مضامین

منشی پریم چند کی کتاب "پریم پچیسی" ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کا اشتہار "الناظر" (لکھنو) کے ستمبر ۱۹۱۵ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس میں اقبال کی رائے درج ہے۔

اردو کے زندۂ جاوید شاعر حضرت اقبال نے اپنے ایک خط میں پریم پچیسی کے مصنف کو تحریر فرمایا:

"آپ نے اس کتاب کی اشاعت سے اردو لٹریچر میں ایک نہایت قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز افسانے جدید لٹریچر کی اختراع ہیں۔ میرے خیال میں آپ پہلے شخص ہیں جس نے اس دقیق راز کو سمجھا ہے اور سمجھ کر اس سے اہلِ ملک کو فائدہ پہنچایا ہے۔ ان کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف انسانی فطرت کے اسرار سے خوب واقف ہے اور اپنے مشاہدات کو ایک دلکش زبان میں ادا کر سکتا ہے۔"

خواجہ غلام الحسنین نے ہربرٹ اسپنسر کی کتاب "ایجوکیشن" کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا۔ اس پر اقبال نے اپنی رائے لکھ کر بھیجی جس کو مترجم نے اپنی خود نوشت سوانح عمری (۱۹۳۷ء) میں درج کیا ہے:

"آپ کے ترجمے کی بے تکلف روانی بالکل حیرت انگیز ہے۔ اگر ہربرٹ ہندوستانی ہوتا تو وہ بھی (اردو میں) اس سے بہتر طرزِ تحریر اختیار

نہ کر سکتا۔"

"ہمایوں" ایک مشہور و مقبول رسالہ تھا جو میاں بشیر احمد کی ادارت میں لاہور سے شائع ہوا کرتا تھا۔ اس پر خواجہ حسن نظامی کی رائے فروری ۱۹۲۶ء کے شمارہ میں اور اقبال کی رائے مارچ ۱۹۲۶ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ اقبال خواجہ حسن نظامی کی رائے کا حوالہ دیتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:

"رسالہ ہمایوں ہر اعتبار سے اردو کے بہترین رسالوں میں سے ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے خوب کہا ہے کہ ہمایوں بڑھ رہا ہے اور اس کو کوئی شیر شاہ زک نہ دے سکے گا۔"

شیخ غلام محمد طور کامریڈ اور ہمدرد میں بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر کام کرتے تھے۔ انھوں نے ایم اے او کالج علیگڈھ میں بھی کام کیا تھا۔ ان کا مجموعۂ کلام "کلامِ طور" ۱۹۲۱ء میں نسیم ایجنسی دہلی نے شائع کیا تھا جس پر اقبال نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ یہ رائے نذر محمد سیالکوٹی کی کتاب "بھارت سبھا" (حصہ اول موسوم بہ مشاہیر ہند) میں کلامِ طور کے اشتہار میں درج ہے:

"کلامِ طور میری نظر سے گزرا۔ بہت اچھا کلام ہے۔ طور مرحوم ایک ہونہار شاعر تھے مگر افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی۔ بہر حال جو کچھ انھوں نے لکھا بہت اچھا لکھا۔ کاش ان کو اپنے مجموعۂ کلام پر نظر ثانی کی مہلت مل سکتی۔"

خواجہ حسن نظامی کی کتاب "خانہ داری کا پہلا حصہ یعنی میاں اور بیوی کی تعلیم"

پر اقبالؔ نے خواجہ صاحب کے نام اپنے ایک خط میں جو اظہارِ خیال فرمایا تھا وہ مذکورہ کتاب کی چوتھی اشاعت ۱۹۲۰ء مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی میں یوں درج ہے:

لاہور

۲۶ جنوری ۱۹۱۷ء

مخدومی خواجہ صاحب

السلام علیکم۔ میں آپ کے اندازِ بیان کا عاشق ہوں اور مجھی پر کیا موقوف ہے، ہندوستانی دنیا میں کوئی دل ایسا نہیں جس کو آپ کے اعجازِ قلم نے مسخر نہ کر لیا ہو۔

پیش پا افتادہ چیزوں میں اخلاقی اور روحانی اسرار دیکھنا اور اس کے ذریعے انسان کے عمیق مگر خوابیدہ جذبات کو بیدار کرنا آپ کے کمال کا خاص جوہر ہے۔ اگر مجھ کو یقین ہوتا کہ ایسا اندازِ تحریر کوشش سے حاصل ہو سکتا تو قافیہ پیمائی چھوڑ کر آپ کے مقلدین میں داخل ہوتا۔ اردو لکھنے والوں میں آپ کی روش سب سے نرالی ہے اور مجھ کو یقین ہے کہ نثر اردو کے آئندہ مورخین آپ کی ادبی خدمات کا خاص طور پر اعتراف کریں گے۔

رسالہ "بیوی کی تعلیم" جو حال میں آپ کے قلم سے نکلا ہے، نہایت دلچسپ اور مفید ہے خصوصاً دمڑی والے سبق نے تو مجھے ہنسایا بھی اور رلایا بھی۔

باقی سبق بھی نہایت اچھے اور کارآمد ہیں اور عام تمدنی، سیاسی و مذہبی مسائل کو سمجھانے کے لئے خط و کتابت کا طریق بھی نہایت

موزوں ہے۔ لڑکیوں کو اس سے بے حد فائدہ پہنچے گا۔

میں نے بھی یہ رسالہ گھر میں پڑھنے کے لئے دے دیا ہے۔ مسلمان لڑکیوں کو خواجہ بانو کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان کی تحریک سے ایسا مفید رسالہ لکھا گیا۔

والسلام

مخلص

محمد اقبالؔ

ثاقبؔ کانپوری نے اپنا مجموعۂ کلام جو ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا تھا اقبال کے پاس رائے کے لئے بھیجا۔ اقبال نے اسے دیکھ کر ثاقبؔ کو درج ذیل خط لکھا تھا:

لاہور

محبی۔ آپ کا مجموعہ ملا۔ آپ کے کلام میں جو تناسب ہے وہ نوجوان شعراء کے یہاں بہت کم ملتا ہے۔

آپ کے ایک شعر نے مجھے تڑپا دیا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

جان دیتا ہوں قفس میں دونوں پر کھولے ہوئے
حسرتِ پرواز میں بھی شان ہے پرواز کی

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

مخلص

محمد اقبالؔ

خواجہ عزیز الدین لکھنوی فارسی کے شاعر تھے۔ ان کا کلام ان کے لڑکے

خواجہ وصی الدین ڈپٹی کلکٹر (ریٹائرڈ) نے شائع کیا اور اس کی ایک کاپی اقبال کو بھیجی۔ اقبال نے اس پر اپنی رائے کا اظہار اپنے ایک خط میں فرمایا تھا۔ خواجہ وصی الدین کا تعارف اور اقبال کا خط ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

والد مرحوم حضرت خواجہ عزیز الدین لکھنوی کا مجموعۂ کلام حال ہی میں ہم نے مرتب کر کے مع تصاویر خاص اہتمام سے طبع کر دیا ہے۔ اس کی ایک جلد مرحوم کے کشمیری ہم وطن علامہ ڈاکٹر سر اقبال صاحب کی خدمت میں ہم نے بھیجی تھی جس کی رسید میں موصوف کا ایک گرامی نامہ ہم کو موصول ہوا ہے۔ جس طرح مرحوم طرزِ قدیم میں ہندوستان کے یگانۂ عصر اور مسلّم استاد تھے، اسی طرح علامہ موصوف طرزِ جدید میں ایشیا کے نایۂ ناز فارسی شاعر مانے جاتے ہیں اور بمصداق ؂

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

مرحوم کے کلام کی حقیقت کو کما حقہٗ سمجھنے کے ساتھ اس پر بہترین رائے دے سکتے ہیں۔ اگرچہ مرحوم کا گرامی نامہ ایک مختصر نج کے خط کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں تفصیلی تبصرہ کرنا ان کا مقصود نہیں ہے، تاہم چونکہ اس سے اجمالاً کلام پر روشنی پڑتی ہے اس لئے ناظرینِ اخبار کی آگاہی و دلچسپی کے لئے ہم اسی کو شائع کرتے ہیں جو حسبِ ذیل ہے۔

لاہور ۹ جون ۱۹۳۱ء

جناب مکرم

السلام علیکم۔ کلیاتِ عزیز کا ایک نسخہ جو آپ نے بکمال عنایت

ارسال فرمایا ہے مجھے مل گیا ہے، جس کے لئے میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں۔ نوازش نامہ میں جو کچھ آپ نے میرے متعلق ارشاد فرمایا ہے وہ آپ کے حُسنِ اخلاق کا نتیجہ ہے۔

خواجہ عزیز مرحوم فارسی ادبیات کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جس کی ابتدا شہنشاہ اکبر کے عہد سے ہوئی۔ افسوس ہے کہ وہ دور ہندوستان میں ان کی ذات پر ختم ہوا۔ ایرانی تخیل نظم کی شاہراہوں کو چھوڑکر اب زیادہ تر نثر میں اپنے کمالات دکھا رہا ہے۔ شعرائے متاخرین میں قاآنی کا آوازہ بہت بلند ہوا اور اب تک بلند ہے۔ لیکن خواجہ عزیز مرحوم کے قصائد اور مخمسات جو انھوں نے قاآنی کی زمینوں میں لکھے ہیں وہ فارسی زبان کی موسیقیت اور خواجہ مرحوم کی اس زبان پر قدرت کا بیّن ثبوت ہیں۔ مثلاً

سحر گہاں بیادِ حق ز طائرانِ فرق فرق
غزل سرا بداں نسق کہ کودکان ہم سبق
شفیق لعلگوں و شق چنانکہ درافق شفق
شگفتہ گل ورق ورق بسی ابر در عرق
بہر ورق طبق طبق گہر کند نثار ہا

غزل میں ان کی نظر بیشتر روحانی حقائق پر رہتی ہے اور ان حقائق کو وہ نہایت آسانی اور لطافت کے ساتھ ادا کر جاتے ہیں۔ مثلاً

دو غنچہ ہست دو عالم ز گلشن صنعش
یکے شگفتہ یکے ناشگفتہ است ہنوز

زکوثر آں طرف است آبجوئے مقصد تو
عنان بجانب ناب از رہ سراب انداز

برآ ز پردہ و احوال جیب و داماں بیں
تو مہوشی و تماشائیاں کتاں پوشند

رسول ملت منصورم احوالم چہ می پُرسی
رسید ستم بمعراجے کہ نام دیگرش دار ست

خواجہ عزیز کے اس شعر سے ایک ہندی شاعر کا شعر یاد آگیا جس کے لطف سے میں آپ کو محروم نہیں رکھنا چاہتا ؎

انا الحق گفتن منصور تا ویلے نمی خواہد
گدا گم می کند خود را چو دولت میکند پیدا

اسی طرح خواجہ مرحوم کے یہ شعر بھی حقائق سے لبریز ہیں ؎

ہنوز لوح و قلم بود در سواد عدم
کہ نقش مہر تو بر لوح دل نشست مرا

نشاط وصل تو محروم دار دم از وصل
کہ در کنار چو آئی ز خود کنارہ کنم

یہ فیض ظہوری اور نظیری کا نہیں بلکہ کلام الٰہی کا فیض ہے اور خواجہ مرحوم کو خود اس کا احساس تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں ؎

کے از ظہوری و ز نظیری رسد عزیز
فیضے کہ از کلام الٰہی بما رسید

مخلص

محمد اقبالؔ لاہور

۹ر جون ۲۱ء

عبدالعلی شوقؔ سندیلوی نے اقبال کو اپنا کلام اصلاح کے لئے بھیجنا شروع کیا۔ اگرچہ اقبال نے معذرت کی لیکن شوقؔ کے استقلال نے آخر اقبال کو اصلاح پر آمادہ کر دیا۔ ذیل کے چار خطوط اقبال نے اسی سلسلے میں شوقؔ کو لکھے تھے۔

لاہور

۴ر نومبر ۱۹۱۹ء

مکرم بندہ

سلام مسنون۔ میں اس رنگ کی شاعری سے بے بہرہ ہوں، اس واسطے آپ کی تعمیل ارشاد سے قاصر ہوں۔ بظاہر کوئی غلطی اس میں نظر نہیں آئی۔

مخلص

محمد اقبالؔ

مخدومی

السلام علیکم۔ آپ کی غزل بہت اچھی ہے۔ زبان کی اصلاح تو میں کیا دوں گا۔ خیالات ماشاء اللہ خوب ہیں۔ "اے قافلۂ یاس....." اس شعر کا پہلا مصرعہ پڑھ نہیں سکا [1]

مخلص۔ محمد اقبالؔ

---

[1] شعر یوں ہے:-

اے قافلۂ یاس گزر دل میں نہ ہو کر
پامال نہ کر گور غریبانِ تمنّا

مکرم بندہ۔ تسلیم

مجھے آپ کی غزل میں کوئی خامی نظر نہیں آئی۔ اگر نظر آتی تو کم از کم آپ کی توجہ ضرور دلاتا۔

"اے قافلۂ یاس ....." مجھ سے پڑھا نہیں گیا اور نہ مصرع کسی طرح سمجھ میں آتا ہے۔ یہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ باقی اشعار خوب ہیں۔

"جز خواب نہیں وعدۂ باطل ......" پرانا اور مبتذل مضمون ہے[1] آپ کے باقی اشعار میں تازگی پائی جاتی ہے۔

مخلص

محمد اقبال

مکرم بندہ۔ تسلیم

حسنِ اعتقاد کی داد دیتا ہوں۔ زبان غزل میں فارسیت کی شان نہیں ہے۔

ہمہ غیر محدود در ملکِ باطن
بظاہر بقیدِ تعین اسیرے

---

[1] پورا شعر یوں ہے:-

جز خواب نہیں وعدۂ باطل کی حقیقت
جز وہم نہیں موجۂ طوفانِ تمنا

خوب شعر ہے!

مخلص

محمد اقبال

حاجی محمد احمد خاں سیتا پور کے ذی علم رئیس تھے۔ انھوں نے ایک شاندار کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں مشاہیر عالم کے آٹوگراف کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ حاجی صاحب نے اکثر مشاہیر سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ قائم کیا ہوا تھا۔ یہ خطوط ایک البم کی شکل میں کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

اس البم میں دو خطوط اقبال کے بھی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

لاہور

۲۹ مارچ ۱۹۱۹ء

مکرم بندہ تسلیم۔ "محمل" کو میں مذکر لکھتا ہوں۔

شاعر کے لٹریری اور پرائیویٹ خطوط سے اس کے کلام پر روشنی پڑتی ہے اور اعلیٰ درجے کے شعراء کے خطوط شائع کرنا لٹریری اعتبار سے مفید ہے۔

مخلص

محمد اقبال

مکرم بندہ تسلیم۔

"آب رواں" ان معنوں میں بہتہ ہے۔ عام طور پر بغیر اضافت بولا جاتا ہے لیکن فارسی یا عربی الاصل الفاظ کی ترکیب میں

اگر اضافت یا واوٗ عاطفہ استعمال کریں تو میرے نزدیک غلط ہے۔
خواجہ آتش کے اس شعر میں

کسی کی محرم آب رواں جو یاد آئی

....

لفظ "محرم" بھی ہند ہے جس کو انھوں (نے) مضاف کیا ہے۔

لفظ "تنخواہ" فارسی میں سامان کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ اردو میں اس کا مفہوم بالکل مختلف ہے لیکن چونکہ فارسی الاصل لفظ ہے اس واسطے اردو میں اگر کوئی شخص تنخواہ ملازم یا تنخواہ تحصیل دار لکھے تو غلط نہ کہنا چاہیے۔

علی ہذا القیاس لفظ "حسین" (بہ معنیٰ خوب صورت حور شکل) فارسی میں نہیں آتا لیکن اردو میں سب لوگ حسین و جمیل و مہ جبیں بولتے اور لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اردو میں فارسی کے صدہا الفاظ داخل ہو گئے اسی طرح اضافت و واوٗ عطف بھی آئی گو اضافت اور عطف کا استعمال صرف ان الفاظ تک محدود ہے جو فارسی ہوں یا عربی ہوں، فارسی یا عربی الاصل ہوں، ہندی الفاظ میں درست نہیں۔ "آب رواں" کی ترکیب میں چونکہ دونوں لفظ فارسی ہیں اس واسطے اضافت غلط نہیں گو "مرکب افعال" کے اعتبار سے اردو ہے۔ مگر اس بارے میں محققین اردو کی رائیں مختلف ہیں۔ مزید اطمینان کے لئے کسی صاحب زبان کی طرف رجوع کریں۔

محمد اقبال۔ لاہور، ۲۸ ستمبر ۲۰ء

دہلی کی ایک فرم نے تیل کا اشتہار دیا تھا جس میں اقبالؔ کی سند شامل تھی۔ یہ سند درج ذیل ہے۔

از طرف پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبالؔ صاحب اقبال ایم لے۔ بیرسٹرایٹ لا لاہور

"یہ کہہ سکتا ہوں کہ تاج کے استعمال سے دماغ کو آرام اور قلب کو راحت ملتی ہے مجھے یہ یقین ہے کہ یہ خوشرنگ اور مصفا تیل ہندستان کے دل و دماغ پر حکومت کرے گا۔"

لاہور میں فلیمنگ روڈ (متصل پرانی میوہ منڈی) پر ایک جرّاح محمد عاشق تھے۔ اقبالؔ نے اس کو اس کے فن جرّاحی کے سلسلے میں ایک سند دی تھی جس کو محمد عاشق نے بطور اشتہار استعمال کیا۔ اس اشتہار کا عنوان تھا "فن جرّاحی کا حیرت انگیز کرشمہ"۔ اس سند کا مضمون حسب ذیل ہے:

"مسٹر محمد عاشق فن جرّاحی میں فوق العادت دسترس کے مالک ہیں۔ جس حد تک مجھے آزمایش کا موقع ملا ہے، میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ فن جرّاحی میں ید طولیٰ رکھنے کے علاوہ نہایت فرض شناس اور دقیقہ رس انسان ہیں۔ مزید براں مجھے یہ بھی احساس ہے کہ وہ لاہور کی پبلک میں ایک ہر دل عزیز جرّاح واقع ہوئے ہیں۔"

ناظر الحسن ہوش بلگرامی کی کتاب "بدیہہ گوئی" پر اقبالؔ نے مندرجہ ذیل تقریظ لکھی تھی۔

بدیہہ گوئی کا رسالہ نہایت دلچسپ ہے اور مولوی طباطبائی صاحب کا دیباچہ نہایت مفید۔ مجھے یقین ہے کہ لٹریری مذاق کے لوگوں میں مقبول ہوگا۔ کاش اس قدر مختصر نہ ہوتا۔

(ڈاکٹر) محمد اقبالؔ لاہور

مولوی عبدالرؤف صاحب شوقؔ حیدر آباد دکن کے ایک شاعر تھے۔ انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا مبارک پر ایک نظم "مرقع رحمت" لکھی جو ۱۹۱۶ء میں ذخیرہ پریس، حیدر آباد سے طبع ہوئی۔ کتاب کے آخر میں تقاریظ وغیرہ ہیں۔ ان میں اقبال کی بھی ایک تقریظ ہے جو درج ذیل ہے۔

تقریظ

ترجمان الحقیقت ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، بیرسٹر ایٹ لا، لاہور

شوقؔ صاحب کی نظم میں نے دیکھی ہے۔ اس کے ہر شعر میں خلوص و محبت اور عقیدت کی جھلک ہے۔ خوش دہ دل جو عشق نبوی کا نشیمن ہو۔

سیّد عبدالرؤف صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حبیب پاک کی محبت عطا فرمائی۔ میری نگہ میں ان کا ہر شعر قابلِ احترام ہے۔

حیدر آباد کے مدرسۂ تعلیم المعلمین کی جانب سے ایک رسالہ "المعلم" نکلتا تھا جس میں فن تدریس کے علاوہ علمی اور ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ اس کے ایک شمارہ میں مشہور ماہر تعلیم سجاد مرزا صاحب نے بچوں کے لئے علمی اصول پر ایک اردو قاعدہ شائع کرایا تھا۔ دسمبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں اس قاعدے پر متعدد مشاہیر کی آراء درج کی گئی ہیں۔ اقبال کی رائے یوں درج ہے۔

"جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں آپ کا قاعدہ صحیح اصول پر

مبنی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا مجوزہ طریق بچوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ میں بھی انشاء اللہ اپنے بچے پر اس کا تجربہ کروں گا۔"

ابو المکارم محمد عبد السلام متخلص بہ سلیمؔ نے اپنے چند فارسی قصائد مرتب کرکے "نسیم سلیم" کے عنوان سے چھپوائے۔ ان قصائد میں ۲۲ اشعار کا ایک قصیدہ "نامہ بسوئے اقبال" کے عنوان سے اور "جواب اقبال" کے عنوان سے اقبال کا ایک خط شامل ہیں۔ اقبال کا خط ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

مخدوم و مکرم جناب مولانا سلیمؔ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ نے مجھ ہیچمدان کے متعلق جن اچھے خیالات کا اظہار فرمایا ہے، میں ان کے لئے آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کے عربی قصائد بہت دلکش ہیں۔ اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ۔

مخلص

محمد اقبال۔ بیرسٹر۔ لاہور

جناب محمد عبد القوی فانیؔ (پروفیسر شعبۂ فارسی لکھنو یونیورسٹی) نے نظام حیدر آباد کی شان میں فارسی قصائد کا ایک مجموعہ "گلزار عثمانی" کے نام سے طبع کرایا۔ اس پر مشاہیر ملک کی رائیں ایک علیحدہ رسالے میں شائع کی گئیں۔ اس رسالے میں اقبال کی رائے یوں درج ہے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم اے، پی ایچ ڈی (کیمبرج) بار ایٹ لا۔ لاہور

جناب والا۔ مجھے آپ کے کلام کے مجموعے کی ایک کاپی مل گئی جس

کے لئے میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ میں نے اس کا سرسری مطالعہ کیا ہے اور میں نے قصیدوں کو بے حد پسند کیا ہے حالانکہ مجھے اعتراف ہے کہ مجھے اس قسم کی شاعری پر پورا عبور حاصل نہیں ہے۔ ان دنوں میں جبکہ ہندوستان میں فارسی ادب پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی آپ کے قصیدے ایک زبردست کارنامہ اور قابل قدر کوشش ہے۔

آپ کا

محمد اقبال

"مسدس حالی" کا صدی ایڈیشن حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی نے شائع کیا۔ پبلشنگ ہاؤس کے مالک اظہر عباس نے اپنے ایک خط کے ہمراہ اس کی ایک کاپی اقبال کو بھیجی۔ اس خط کے جواب میں اقبال نے اظہر عباس کو جو خط لکھا وہ حالی پبلشنگ ہاؤس کی ایک فہرست کتب میں یوں شائع کیا گیا ہے۔

۸ر نومبر ۱۹۳۵ء

ڈیر مسٹر اظہر عباس

آپ کا خط مل گیا۔ اس سے پہلے بھی ایک خط موصول ہوا تھا مگر افسوس کہ میں علالت کی وجہ سے خطوط کا جواب لکھنے میں بہت سُست ہو گیا ہوں۔

مسدس حالی نہایت عمدہ چھپی ہے اور اس کے متعدد دیباچے نہایت مفید ہیں۔ میں نے کئی سالوں بعد اسے کل اور پرسوں دوبارہ پڑھا اور نیا لطف اٹھایا۔

اُمید ہے کہ آپ مرحوم کا باقی کلام بھی اس قسم کی چھوٹی چھوٹی

اور نفیس جلدوں میں شائع کر سکیں گے۔

محمد اقبال

ابوالمعانی محمد عبدالرحمٰن متخلص بہ شاکر (مدراس) کا ایک قصیدہ "اعجاز عشق" کے نام سے مطبع نافع الاسلام مدراس نے شائع کیا۔ اس قصیدے کے آخر میں بہت سے مشاہیر ادب کی تقریظیں شائع ہوئی ہیں۔ اقبال کی بھی دو تقریظیں ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

پہلی تقریظ یوں شروع ہوتی ہے۔

جناب آنریبل مولوی شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے بیرسٹر ایٹ لا۔ اقبال

اس قصیدے کا کچھ حصہ مخزن میں شائع ہو چکا ہے اور پنجاب میں عموماً پسندیدگی اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمارے ایک کرم فرما جالندھر میں ہیں۔ سنا ہے کہ وہ اس کو نہایت پسند کرتے ہیں اور اس کے اشعار کو انھوں نے اتنی دفعہ پڑھا ہے کہ ان کو وہ تمام حصہ جو مخزن میں شائع ہو چکا ہے ازبر یاد ہے۔ اکثر اشعار نہایت بلند پایہ اور معنی خیز ہیں، بندشیں صاف اور ستھری ہیں اور اشعار کا اندرونی درد مصنف کے چوٹ کھائے ہوئے دل کو نہایت نمایاں کر کے دکھا رہا ہے۔ آپ کا اسلوب بیان واقعی نرالا ہے اور آپ کی صفائی زبان آپ کے ہم وطنوں کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ میرا تو یہ خیال تھا کہ آپ اصل ہندوستان کے رہنے والے ہوں گے مگر یہ معلوم کر کے کہ آپ کی پرورش بچپن سے مدراس میں ہوئی ہے مجھے تعجب ہوا۔

۲۲ فروری ۱۹۰۵ء

دوسری تقریظ

جناب آنریبل ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے۔ بیرسٹر ایٹ لا

اعجاز عشق کے چند صفحے تو میں پہلے دیکھ چکا تھا، باقی اشعار بھی ماشاء اللہ نہایت بلند پایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت شرافت کے ساتھ دولت کمال سے بھی مالا مال کیا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء - آپ کے کلام میں ایک خاص رنگ ہے جو اور شعراء میں بہت شاذ پایا جاتا ہے۔ مولانا حالیؔ، شبلیؔ، شادؔ جیسے قادر الکلام بزرگوں سے داد سخن گوئی لینا ہر کسی کا کام نہیں۔

سیالکوٹ۔ ۲۹ اگست ۱۹۰۸ء

"اعجاز عشق" کے صفحہ ۱۵ پر جناب شاطرؔ صاحب یوں لکھتے ہیں:
بعض اساتذۂ فن نے "اعجاز عشق" میں سے بہترین شعر کو منتخب کرنا چاہا ہے۔ مولانا حالیؔ کی رائے میں سب سے افضل شعر یہ ہے ؎

بے محل اٹھتا نہیں ہے ایک بھی تیرا قدم
کوئی ہے تجھ پر سوار اے ابلق لیل و نہار

اور ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے کے نزدیک ؎

ہم خدائی کرتے ہیں تیری بدولت اے خیال
ایک کن سے ہوتے ہیں عالم ہزاروں آشکار

آئینۂ مشاعرہ" مرتبہ سرورؔ قادری بھوپال کے ایک مشاعرے کی روئداد ہے۔

یہ مشاعرہ ۱۲ رشعبان المعظم ۱۳۲۸ھ بمطابق ۱۸ راگست ۱۹۱۰ء کو ہوا اور بہ اہتمام منشی عبدالعزیز خاں عزیزی پریس آگرہ میں طبع ہوا۔" آئینۂ مشاعرہ" کے تعارف میں (صفحہ ۳) اقبال کو یوں متعارف کرایا گیا ہے :۔

پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ بیرسٹرایٹ لا۔ صوبہ پنجاب کے قابل فخر انشا پردازوں میں اور تعلیم یافتہ سوسائٹی کے مایۂ ناز ہیں۔ اس کے صفحہ ۲۳ پر اقبال کے یہ ۳ اشعار درج ہیں۔

حلقۂ زنجیر کا ہر جوہر پنہاں نکلا
آئینۂ قیس کی تصویر کا زندان نکلا

ہم گراں جان کے لائے تھے عدم سے بلبل
باغ ہستی میں متاع نفس ارزاں نکلا

وسعت افزائی آشفتگیٔ شوق نہ پوچھ
خاک کی مٹھی میں پوشیدہ بیاباں نکلا

رسالہ "مخزن" بابت نومبر ۱۹۱۱ء کے آخری صفحات پر کچھ اشتہارات ہیں۔ صفحہ زیر پر مولوی کرم الٰہی صوفی کی کتاب "ہندوستان کی اسلامی تاریخ" کا اشتہار ہے جس میں اقبال کا ایک خط درج ہے جس میں انھوں نے اس کتاب کے متعلق اپنی رائے بیان کی ہے۔ یہ رائے معہ تعارف درج ذیل ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی۔ بیرسٹرایٹ لا
کا ریویو

"ہندوستان کی اسلامی تاریخ" مصنفہ مولوی کرم الٰہی صوفی پر

مخدوم و مکرم جناب مولوی کرم الٰہی صاحب۔ السلام علیکم۔

میں نے آپ کی کتاب اسلامی تاریخ عہد افغانیہ شروع سے لیکر آخر تک پڑھی۔ یہ کتاب نہایت برمحل لکھی گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلم اس کی بہت قدر کریں گے۔ تاریخی تحقیق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اکثر مقامات اس کتاب کے قابلِ داد ہیں اور آپ کی قوت استدلال اور درایت "تاریخی کو ثابت کرنے کے علاوہ اس بات پر نہایت قوی حجت ہے کہ ہندوستانی مسلموں میں مذاق "تاریخ نویسی اب" تک زندہ ہے اور ابھی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنی تاریخ کو غیر اقوام کے حملوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ہندوستانی تاریخ کے واقعات کو مورخانہ نگاہ سے دیکھنے والے لوگ اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں مگر ان کے علاوہ عام پڑھنے والے لوگ بالخصوص مسلم جن کی قومی روایات کی یہ کتاب ایک نہایت روشن اور صحیح تصویر ہے، اس کتاب کے مطالعے سے اخلاق فاضلہ کے وہ گراں قدر اصول سیکھ سکتے ہیں جو ان کی قوم کے مابہ الامتیاز رہے ہیں اور جن پر عمل کرنے سے حجاز کے صحرا نشین تیس ہی سال کے اندر شتر بانی سے جہاں بانی تک پہنچ کر اقوامِ قدیمہ کی تہذیب کے وارث اور تہذیب جدید کے بانی بن گئے۔ تاریخ کا مقصد اگر اخلاقی ہے اور میرے خیال میں تاریخ کا یہی مقصد ہونا چاہیے، تو آپ کی تصنیف اس مقصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتی ہے اور میں بہ حیثیت ایک مسلم ہونے کے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہ کتاب عین ضرورت کے موقع پر لکھ کر اپنی قوم پر احسان کیا۔ قومیت کا احساس جس کو بالفاظ دیگر قومی خودداری کہنا چاہیے قومی زندگی کے لئے ضروری ہے اور جن وسائل سے یہ احساس

پیدا ہوتا ہے وہ بھی قومی حیات کے لئے ضروریات میں سے ہیں۔ پس اس اعتبار سے آپ کی کتاب کا مطالعہ ہر مسلم پر واجب ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں ہر مسلم خاندان اس کتاب کے پڑھنے سے مستفیض ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی محنت اور جانکاہی کا اجر دے اور اس کا انعام آپ کو اس مقدس رسول کی بارگاہ سے ملے جس کے کام سے بنی نوع انسان کی نجات اور جس کے نام سے ہماری قومیت وابستہ ہے۔ والسلام۔

آپ کا خادم

محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور

اقبال نے حکیم احمد شجاع کے اشتراک سے چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جماعتوں کے جدید اردو نصاب تیار کئے جو سلسلۂ ادبیہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے اس سلسلے کی منظوری ۱۲ر جنوری ۱۹۲۵ء کو دی۔ یہ تینوں کتابیں گلاب چند کپور اینڈ سنز بک سیلرز و پبلشرز انار کلی لاہور نے طبع کیں۔ دیباچہ ان کتابوں میں یکساں ہے جو درج ذیل ہے۔

اردو کی مروجہ درسی کتابوں میں یہ کمی عام طور پر محسوس کی جاتی ہے کہ وہ نفس مضمون، اندازِ تحریر اور طریقۂ انتخاب کے اعتبار سے زمانۂ حال کے مطالبات کو پورا نہیں کرتیں۔ یہ کتابیں ایک ایسے زمانے میں مرتب ہوئیں جب انتخاب کے مواقع کم تھے اور زبان اردو نے وہ رنگ اختیار نہیں کیا تھا جو مغربی ادب کے تاثر کا لازمی نتیجہ ہے۔ ان کتابوں کے نقائص بیان کرنے کے بجائے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس

سلسلے کی امتیازی خصوصیات ہی بیان کر دی جائیں۔

سلسلۂ ادبیہ کی ترتیب میں اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ پرانے اساتذۂ فن کے نتائج فکر کے ساتھ ساتھ زمانۂ حال کے ان انشا پردازوں اور شاعروں کے مضامین نظم و نثر بھی طالب علم کی نظر سے گزریں جنھوں نے اردو کو ایک ایسی زبان بنانے کے لئے انتھک اور کامیاب کوششیں کی ہیں جو موجودہ ضروریات کے مطابق اور ادائے مطالب پر قادر ہو۔ مضامین کے انتخاب کے تنوع کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر مضمون ادبی خوبیاں رکھنے کے باوجود نئی معلومات کا حامل ہو۔

درسی کتابوں پر بالعموم متانت کا رنگ اس قدر غالب ہوتا ہے کہ طالب علم ان میں زیادہ دلچسپی نہیں لے سکتے۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے اس سلسلے میں ظریفانہ مضامین نظم و نثر کی چاشنی بھی شامل کر دی گئی ہے کیونکہ نوعمر بچوں کے دل و دماغ تک دلچسپ پیرایۂ اظہار کی وساطت ہی سے رسائی ممکن ہے۔ مضامین زیادہ تر ایسے ہی منتخب کئے گئے ہیں جن میں زندگی کا روشن پہلو جھلکتا ہو تاکہ طالب علم اس کے مطالعے کے بعد کشاکش حیات میں زیادہ استقلال، زیادہ خودداری اور زیادہ اعتماد سے حصّہ لے سکیں۔ حقیقت میں ادبیات کی تعلیم کا یہی مقصد ہونا چاہیے کہ ادبی ذوق کی تربیت کے ساتھ ساتھ طلبا کی وسیع النظری اور ان کے دل و دماغ کی جامعیت بھی نشو و نما پائے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اس سلسلے کی کتابوں کے

محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی

محمد

سلسلۂ ادبیہ

اُردو کورس

ساتویں جماعت کے لئے

مؤلفہٴ

ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم - اے - پی - ایچ - ڈی - بیرسٹرایٹ لا

محمد یونس بی - اے

حکیم احمد شجاع بی - اے (علیگ)

اسسٹنٹ سکرٹری پنجاب لیجسلیٹو کونسل

سنہ ۱۹۲۴ء

گلاب چند کپور اینڈ سنز بک سیلرز و پبلشرز

انارکلی لاہور

(مرکنٹایل پریس لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر چھپا)

ص ۲۲

سررشتہ تعلیم پنجاب و صوبجات متحدہ کی طرف سے منظور شدہ ٹیکسٹ بک

سلسلۂ ادبیہ

اردو کورس

آٹھویں جماعت کے لئے

مؤلفہ

ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرسٹرایٹ لا

و

حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)

سکرٹری پنجاب لیجسلیٹو کونسل

سنہ ۱۹۳۰ء

گلاب چند کپور اینڈ سنز بک سیلرز و پبلشرز انارکلی لاہور

نے

اپنے مطبع پنجاب آرٹ پریس لاہور میں بابو بیاسے لال کے اہتمام سے چھپایا

مطالعے سے طلبار، زبان اردو کے ادبی محاسن سے بھی واقف ہو جائیں گے اور ان کو اس زبان کی روز افزوں ترقی، وسعت اور قدرت اظہار کا علم بھی ہو جائے گا۔ اس مجموعے میں ایسے مضامین بھی ہیں جن میں مناظر فطرت، ذہنی کیفیات اور طبعی جذبات کی تصویریں الفاظ میں کھینچی گئی ہیں۔ اور ایسے بھی ہیں جن میں علم طبیعیات کے انکشافات، صنعت وحرفت کی اختراعات اور عام علمی تحقیقات کو زبان اردو میں بیان کیا گیا ہے۔ اخلاقی مضامین کے انتخاب میں اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ان کا اسلوب بیان ایسا ہو جو طالب علم کو کمزور اور بزدل بنانے کی بجائے نیک اور بہادر بنائے۔ اور اس امر کا لحاظ تو بالخصوص رکھا گیا ہے کہ منتخبہ نظم ونثر پر وطنیت کا رنگ غالب ہو تاکہ طلبار کے دلوں میں اخلاق حسنہ اور علم ادب کی تحصیل کے ساتھ ساتھ اپنے وطن کا پاک جذبہ موجزن ہو اور وہ ہندوستان کو جس کی عظمت کے نشان اس مجموعے میں جگہ جگہ پر موجود ہیں زیادہ پُرعظمت بنانے میں حصہ لیں۔

سلسلۂ ادبیہ کو زبان اردو کے طلبار کی ادبی رہنمائی کے لئے ہر طرح ممکن بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ خدا کرے کہ یہ طلبار کے مذاق ادب کو لطیف اور معیار لیاقت کو بلند کرنے میں کامیاب ثابت ہو۔ اس ضمن میں شیخ عبدالحمید صاحب ایم اے، آئی ای ایس پروفیسر طریقۂ تعلیم ٹریننگ کالج لاہور کی عنایت خاص طور پر قابل ذکر ہے جنھوں نے اس سلسلے کی موجودہ تین کتابوں کے مسودات کو بغور مطالعہ کیا اور جن کے قیمتی مشورے اس سلسلے کی ترتیب د

تدوین میں بہت مفید ثابت ہوئے۔

مؤلفین

درسی کتابوں کے سلسلے میں ایک کتاب "تاریخ ہند" ہے جسے اقبال نے لالہ رام پرشاد پروفیسر تاریخ، گورنمنٹ کالج، لاہور کے اشتراک سے مرتب کیا۔ یہ کتاب ۱۹۱۳ء میں پہلی بار رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز ایجوکیشنل پبلشرز لاہور نے شائع کی۔ یہ کتاب لارڈ منٹو پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا آخری فقرہ یوں ہے:۔" یہ وائسرائے ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء کو بمبئی پہنچا" اس کے بعد مندرجہ ذیل عنوانات قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان کی گزشتہ اور موجودہ حالت (۳۶۶ - ۳۷۸) ضمیمہ حصہ اول: قدیم اور حال کی ملکی تقسیم اور مشہور تاریخی مقامات (۳۷۹ - ۴۱۶) ضمیمہ حصہ دوم: ہند کی حالت ۱۹۰۶ء میں (۴۱۷ - ۴۴۳) تتمہ اول۔ سنسکرت کا علم ادب (۴۴۴ - ۴۵۰)، تتمہ دوم۔ مسلمانوں کا علم ادب (۴۵۱ - ۴۵۶)۔

اس کا دیباچہ درج ذیل ہے۔

یہ مختصر تاریخ انھیں اصول پر لکھی گئی ہے جن پر ہندوستان کی بڑی بڑی تاریخیں مبنی ہیں اور طلبار کو اعلیٰ جماعتوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ واقعات تاریخی کی صحت میں بہت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ واقعات کے اسباب بیان کئے ہیں اور سوچنے اور نتائج صحیح پر پہنچنے کے لئے طالب علموں کے واسطے سامان مہیا کیا گیا ہے۔ انگریزی راج کے خاص خاص انتظامات کی کامیابی یا ناکامی پر بھی نظر ڈالی ہے۔ ہاں جن امور میں اختلاف رائے ہے ان پر خواہ مخواہ رائے زنی نہیں کی گئی۔

تاریخ ہند

از

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم-اے-پی-ایچ-ڈی-
بیرسٹر ایٹ لا

اور

لالہ رام پرشاد صاحب ایم-اے
پروفیسر ہسٹری گورنمنٹ کالج لاہور

لاہور
رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز
ایجوکیشنل پبلشرز

سنہ ۱۹۱۳ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں

تعداد جلد ۱۰۰۰ دفعہ ۱ قیمت فی جلد ۸/

جملہ حقوق محفوظ ہیں

آئینۂ عجم

یعنی منظور کردہ یونیورسٹی پنجاب

انتخابات نثر و نظم فارسی برائے طلبائے میٹریکولیشن

مرتبہ و مؤلفہ

ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا

۱۹۲۷ء

پبلشرز

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز انارکلی لاہور

قیمت مجلد ۱۰/

اصلی کتاب میں ہر ایک باب کے خاتمے پر مستند تاریخوں کے نام دیئے ہوئے ہیں جن میں سے مضمون لیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ وہ کتب اکثر انگریزی ہیں، اردو میں ان کے نام لکھنے لاحاصل تھے۔ انگریزی کتاب میں فرنگستانی تاریخ کے حوالے اور فرنگستانی نام بھی اکثر آجاتے ہیں، وہ اردو خواں طلبار کی آسانی کے لحاظ سے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ بعض بعض جگہ مطالب کی تشریح کر دی ہے۔ غرض کوشش یہ کی ہے کہ تاریخ ہندوستان کی کہانی عام فہم عبارت میں دلچسپ طور پر طالب علموں کے سامنے پیش کی جائے جس میں نہ غیر معروف واقعات کی بھرمار ہو، نہ لمبی چوڑی تفصیلات ہوں بلکہ کہانی کے طور پر طلبار لطف لے لے کر پڑھا کریں اور صحیح واقعات تاریخی سے واقف ہو جائیں۔ سرکاری پالیسی کی نسبت بھی غلط خیال دور کرنے میں یہ کتاب بہت کچھ مدد دے گی۔

درسی کتب کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں ایک اور کتاب "آئینۂ عجم" ہے جو اقبال نے میٹریکولیشن (فارسی) کے طلبار کے لئے مرتب کی۔ یہ کتاب میسرز عطر چند کپور انارکلی لاہور نے ۱۹۲۷ء میں شائع کی۔ حصۂ نثر تمام تر جدید فارسی پر مبنی ہے اور حصۂ نظم میں سعدی، نظامی، انوری، عبید زاکانی، ناصر خسرو، ابن یمین وغیرہ کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہے۔ خود اقبال کی تین نظمیں فصلِ بہار، نغمۂ ساربان اور کرمک شب تاب اس میں شامل ہیں۔

"زمانہ" (کانپور) کے ایڈیٹر نے ۱۹۰۶ء کے آغاز میں سودیشی تحریک کے متعلق

چند سوالات مرتب کئے اور ان کو مختلف مسلمان مفکرین، ادیب اور سیاسی رہنماؤں کے پاس بھیجا۔ یہ سوالات اپریل ۱۹۰۶ء کے شمارے میں شائع کئے گئے۔ سوالات یہ تھے:

۱۔ سودیشی تحریک بذات خود ملک کی ترقی کے لئے کہاں تک مفید ہے اور اس تحریک کے نشیب و فراز، نفع و نقصان اور عمل درآمد کے متعلق آپ کی مفصل رائے کیا ہے۔

۲۔ اس تحریک میں ہندوستان کے اتفاق کی کہاں تک ضرورت ہے؟ خاص مسلمانوں کے لئے اس سے کوئی نفع یا نقصان پہنچنے کی کہاں تک امید ہے؟

۳۔ اس تحریک کی کامیابی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے اور اس کی کامیابی کا ہندو مسلمانوں پر جداگانہ اور ملک پر بہ حیثیت مجموعی کیا اثر ہوگا؟

اقبال کا جواب جو انھوں نے کیمبرج سے بھیجا تھا مئی ۱۹۰۷ء کے شمارے میں یوں شائع کیا گیا ہے۔

از جناب پروفیسر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے!

از کیمبرج

۱۔ سودیشی تحریک ہندوستان کے لئے کیا ہر ملک کے لئے جس کے اقتصادی اور سیاسی حالات ہندوستان کی طرح ہوں مفید ہے۔ کوئی ملک اپنے سیاسی حقوق کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ پہلے اس کے اقتصادی حالات درست نہ ہو جائیں۔ ہمارے اہل الرائے سیاسی آزادی سیاسی آزادی پکارتے ہیں مگر کوئی شخص اس باریک اصول کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ سیاسی آزادی کے شرائط میں سب سے بڑی شرط کسی ملک کا اقتصادی دوڑ میں سبقت لے جانا ہے۔ جہاں تک کہ اس کا جغرافی مقام

اور دیگر قدرتی اسباب اس کے ممد ہوں۔ سیاسی آزادی کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ بغیر دام دیئے مل جائے۔ انگلستان کی سرزمین کے ہر ذرے میں ان لوگوں کا خون چمکتا ہوا نظر آتا ہے جنھوں نے سیاسی حقوق کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں۔ باغیوں کی طرح نہیں بلکہ ان لوگوں کی طرح جن کے دلوں میں اپنے وطن کے قانون اور اس کے رسوم کی عزت ہوتی ہے اور جو اپنے گراں قدر خون کے قطرے قانون کی تائید میں بہاتے ہیں نہ اس کی تردید اور مخالفت میں۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ جو قوم خود آزادی کی دلدادہ ہو وہ اوروں کی آزادی کو رشک کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی اور انگریزوں کی معاشرت دیکھ کر بھی میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ ہاں ہم لوگوں میں اس کی قابلیت ہونا ضروری ہے اور اس قابلیت کے پیدا ہونے کا سب سے بڑا سبب جیسا کہ میں نے اوپر اشارہ کیا ہے اقتصادی قوانین کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے جس کی طرف خوش قسمتی سے اب اہلِ وطن کی توجہ ہوئی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بے وجہ جوش ہماری آرزو کو تاریک کر دیتا ہے اور ہم اس جوش میں ایسے طفلانہ حرکات کر دیتے ہیں جس کا مفید اثر کچھ نہیں ہوتا اور جن کا نقصان دیرپا ہوتا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ امریکہ اور جرمن کی چیزیں خرید کر انگلستان کی چیزوں کو ہندوستان کے بازاروں سے خارج کر دو۔ مجھ کو تو اس کا اقتصادی فائدہ کچھ نظر نہیں آتا بلکہ اگر انسانی فطرت کے محرکات پر غور کرو تو اس میں سراسر نقصان ہے۔ اس طریقِ عمل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان سے ہم کو سخت نفرت ہے نہ یہ کہ

ہم کو ہندوستان سے محبت ہے ۔ اپنے وطن کی محبت کسی غیر ملک (؟) کے مستلزم نہیں ہے ۔ علاوہ اس کے اقتصادی لحاظ سے اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے ۔ مغربی خیالات اور تعلیم کی اشاعت سے اب ہماری ضرورتوں کا احاطہ وسیع ہو گیا ہے اور اسی میں سے بعض اس قسم کے ہیں کہ سردست ہمارا اپنا ملک ان کو پورا نہیں کر سکتا ۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ اس طفلانہ فعل سے سوائے اس کے کہ حکام کو خواہ مخواہ بدظن کیا جائے اور کیا فائدہ ہے ۔ قطع نظر ان تمام باتوں کے ہزاروں چیزیں ایسی ہیں کہ ہمارا ملک بعض حوالی خصوصیات اور دیگر قدرتی اسباب کے عمل کی وجہ سے ان کو ارزاں نرخ پر تیار ہی نہیں کر سکتا ۔ اس بات کی کوشش کرنا کہ ہماری ساری ضرورتیں اپنے ملک کی خصوصیات سے پوری ہو جایا کریں سراسر جنون ہے ۔ واقعات کے لحاظ سے دیکھو تو یہ بات کسی ملک کو نہ اب نصیب ہے اور نہ ہو سکتی ہے اور اگر یہ بات ممکن بھی ہو جائے تو اس میں میرے خیال میں بجائے فائدہ کے نقصان ہے جس کی مفصل تشریح اس مقام پر نہیں ہو سکتی ۔ سودیشی تحریک کو عملی صورت دینے کے لئے میری رائے میں ان باتوں کا لحاظ ضروری ہے :

(ا) وہ کون سی مصنوعات ہیں جو اس وقت ملک میں تیار ہوتی ہیں اور ان کی کمیت اور کیفیت کیا ہے ۔

(ب) وہ کون سی مصنوعات ہیں جو پہلے تیار ہوتی تھیں اور اب تیار نہیں ہوتیں ۔

(ج) وہ کون کون سی مصنوعات ہیں جن کو ہم خصوصیت سے عمدہ اور ارزاں تیار کر سکتے ہیں ۔

(د) ملک کے صوبوں یا دیگر قدرتی حصص کے لحاظ سے وہ کون کون سے مقام ہیں جو بعض اسباب کی وجہ سے خاص خاص مصنوعات کے لئے موزوں ہیں۔

(ا) تخمیناً کس قدر سرمایہ زیورات وغیرہ کی صورت میں ملک میں معطل پڑا ہے اور اس کو استعمال میں لانے کے لئے کیا وسائل اختیار کئے جائیں۔ ان تمام امور کو ملحوظ رکھ کر عملی کام شروع کرنا چاہیے۔ ضرور ہے کہ ابتدا میں ناکامی کا سامنا بھی ہو مگر کوئی بڑا کام سوائے قربانی کے نہیں ہوا۔ کسی ملک کے اقتصادی حالات کا درست ہونا تھوڑے عرصے کا کام نہیں ہے، اس میں صدیوں کی ضرورت ہے۔ ہم نقصان اٹھائیں گے تو ہماری آئندہ نسلیں فائدہ اٹھائیں گی۔ علاوہ اس کے مشترک سرمایہ کی جماعتیں نہایت مفید ثابت ہوں گی خصوصاً ہمارے ملک میں جہاں کے لوگ کم سرمایہ رکھتے ہیں۔ سرمایہ کے بہترین نتائج اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب اس کی مقدار بڑی ہو۔ مگر عملی لحاظ سے کامیاب ہونے کے لئے سب سے بڑی ضرورت اصلاحِ اخلاق کی ہے۔ لوگوں کو ایک دوسرے پر اعتبار کرنا سکھاؤ، ان کے اسراف عادت پر نکتہ چینی کرو اور ان کے دل پر یہ امر نقش کردو کہ انسان کی زندگی کا مقصد خودغرضی کے پردے میں بنی نوع انسان کی بہتری کی جستجو کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ میں جیسا چاہتا تھا ویسا جواب نہیں لکھ سکا کچھ اس خیال سے کہ ڈاک کا وقت جاتا ہے اور کچھ اس خیال سے کہ زیادہ تعویق مناسب نہ ہوگی۔

(۲) سیاسی حقوق کے حصول کی دوسری بڑی شرط کسی ملک کے افراد کے اغراض کا متحد ہونا ہے اگر اتحادِ اغراض نہ ہوگا تو قومیت پیدا نہ ہوگی اور اگر افراد قومیت کے شیرازے سے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ نہ ہوں گے تو نظامِ قدرت کے قوانین ان کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیں گے۔ قدرت کسی خاص فرد یا مجموعۂ افراد کی پروا نہیں کرتی۔

مگر رونا تو اس بات کا ہے کہ لوگ اتفاق اتفاق پکارتے ہیں اور عملی زندگی اس قسم کی اختیار نہیں کرتے جس سے ان کے اندرونی رجحانات کا اظہار ہو۔ ہم کو قال کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کے واسطے حال پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ مذہب دنیا میں صلح کرانے کے لئے آیا ہے نہ کہ جنگ کی غرض سے۔

میری رائے میں اس تحریک کی کامیابی سے مسلمانوں کو ہر طرح فائدہ ہے۔ ایک صاحب نے کسی اخبار میں یہ خط چھپوایا تھا کہ مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ عام طور پر مسلمان زراعت پیشہ ہیں۔ ان کا یہ ارشاد شاید پنجاب کی صورت میں صحیح ہو تاہم یہ کہنا کہ مسلمان زراعت پیشہ ہیں اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کو سودیشی تحریک کی کامیابی سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اگر مصنوعات سستی ہوں (جو بالآخر اس تحریک کی کامیابی کا نتیجہ ہوگا) تو خریدنے والوں کو بھی فائدہ ہے اور بیچنے والوں کو بھی۔ مسلمان خواہ بیچنے والے ہوں خواہ خریدنے والے ہر طرح فائدہ میں ہیں۔ ہاں اگر وہ بیچنے والے ہیں تو ان کو زیادہ فائدہ ہے اور یہ کون کہتا ہے کہ وہ بائع نہ بنیں۔

(۳) اگر صبر و استقلال سے کام کیا گیا تو اس تحریک میں ضرور کامیابی ہوگی۔ دور اندیشی تمام کامیابی کا راز ہے۔ ایک حد تک تو اس تحریک کے مطابق ملک میں عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس عمل کے توسیع کی ضرورت ہے۔ جو اس ضرورت میں ممکن ہے کہ عمدہ اور ارزاں مصنوعات پیدا کر کے گراں اور ظاہری نمائش والی چیزوں کو ملک سے نکالو(؟) مقدس عہد لینا کہ ہم خارجی ممالک کی مصنوعات کا استعمال نہ کریں گے اور جوش میں آکر انگریزی کپڑے کے کوٹ آگ میں پھینک دینا ایک طفلانہ فعل ہے جو اقتصادی لحاظ سے غیر مفید اور سیاسی لحاظ سے مضر ہے۔ اگر اس تحریک سے ہندو اور مسلمانوں میں اتحادِ اغراض پیدا ہو جائے اور رفتہ رفتہ قوی ہوتا جائے تو سبحان اللہ اور کیا چاہیے۔ ہندوستان کے سوتے ہوئے نصیب بیدار ہوں اور میرے دیرینہ وطن کا نام جلی قلم سے فرقِ اقوام میں لکھا جائے۔ والسلام

بانگ درا پہلی بار ستمبر ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کی طباعت سے کچھ عرصہ پہلے حیدرآباد دکن کے عبدالرزاق صاحب نے اقبال کی متفرق نظموں کو مختلف رسائل سے جمع کر کے "کلیاتِ اقبال" کے نام سے ایک مجموعہ شائع کیا۔ اس اشاعت کا محرک جیسا کہ اس کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے محض اقبال کے کلام سے عشق تھا اور مرتب کی تمنّا محض یہ تھی کہ یہ بے مثال کلام ضائع نہ ہو جائے۔ جب اقبال کو اس بات کا علم ہوا تو انھیں اس بنا پر تشویش ہوئی کہ وہ انہی دنوں "بانگ درا" کی ترتیب و اشاعت کا انتظام کر رہے تھے اور پبلشر کے نقطۂ نگاہ سے ایک اور مجموعے کی اشاعت نقصان دہ تھی[1] اس بنا پر اقبالؔ نے سر اکبر حیدری سے خط و کتابت کے ذریعے یہ فیصلہ

[1] یہ عجیب اتفاق ہے کہ تقریباً اسی زمانے میں مولوی احمد دین مرحوم نے ایک کتاب "اقبال" طبع کرائی

کرالیا کہ "کلیاتِ اقبال" کی اشاعت محض حیدر آباد دکن" تک محدود رہے گی۔ اس سلسلے میں اقبال نے سر اکبر حیدری کو جو خط لکھا وہ درج ذیل ہے۔ اصل خط انگریزی میں ہے۔ جناب نادم سیتا پوری نے اس کا اردو ترجمہ "ہماری زبان" (علیگڈھ) جولائی (یا اگست) ۱۹۶۰ء میں شائع کیا۔

ڈیر مسٹر حیدری۔ آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ جس کے ساتھ مسٹر عبدالرزاق کا خط ملفوف تھا۔ رقم کی ادائیگی کے لئے ان کی مزید مہلت طلبی پر میں رضامند ہوں۔

مجھے افسوس ہے کہ مجھے کتاب (یعنی "کلیاتِ اقبال") کی فروخت کو برطانوی ہند سے باہر یعنی مملکت نظام تک محدود رکھنے پر اصرار کرنا پڑا کیونکہ جن لوگوں سے میرا معاملہ ہونا ہے وہ اس قسم کی کسی شرط کے بغیر میرے ساتھ معاہدہ نہیں کریں گے اور ان کے نقطۂ نگاہ سے میں سمجھتا ہوں بات خاصی معقول ہے۔ اُمید ہے کہ اب یہ لوگ کنٹریکٹ کی تکمیل کریں گے۔ ویسے مجھے اندیشہ ہے کہ ایک ہزار روپے کی رقم معاوضے کے سلسلے میں وہ مجھے ذاتی طور سے ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔

مجھے اُمید ہے کہ مسٹر عبدالرزاق سمجھ گئے ہوں گے کہ میں اس قرارداد سے جو آپ کی مہربانی سے میرے اور ان کے درمیان طے

جس میں اقبال کی بہت سی نظمیں شامل تھیں۔ یہ کتاب بھی اس وقت شائع ہوئی جب "بانگِ درا" زیر ترتیب تھی۔ اقبال کو اندیشہ پیدا ہوا کہ اس کتاب کی اشاعت سے "بانگِ درا" کی اشاعت پر بُرا اثر ہوگا۔ مولوی احمد دین مرحوم اقبال کے عزیز دوستوں میں سے تھے اقبال کو نقصان پہنچانا نہ چاہتے تھے اس لئے انھوں نے اس کتاب کی تمام مطبوعہ کاپیاں جلا ڈالیں۔ "بانگِ درا" کی اشاعت کے تقریباً ۲ سال بعد مولوی احمد دین مرحوم نے اپنی مجوزہ کتاب ترمیم کرکے اُسی نام سے شائع کی۔

پائی تھی، کوئی گریز نہیں کر رہا۔
آپ کی زحمتوں کے لئے شکر گزار۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اس شعر کا مطلب خود اقبال اس طرح کرتے ہیں۔

کائناتِ عالم میں زندگی کی لہر کو میں ایک وسیع سمندر تصوّر کرتا ہوں جس میں چھوٹی چھوٹی موجیں نامعلوم طور پر معرضِ وجود میں آتی ہیں۔ یہ موجیں محدود اور غیر مشترک انفرادی حیثیتوں میں ایک دوسرے سے ایسا ربط رکھتی ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتا۔ ہر موج بجائے خود ایک عالم ہے (لب نٹز) تاہم وہ اپنے جیسے دوسرے عالموں کے ساتھ مربوط ہے (برگساں)۔ زندگی کے ان دو ابتدائی اور اصولی نظریوں کو قائم کرنے میں یورپ کے فلسفیوں کو کئی صدیاں درکار ہوئیں۔ لیکن قرآن مجید اس نظریہ کو نہایت خوب صورتی کے ساتھ ظاہر کرتا ہے۔ وَخَلَقْنَا کُمْ فِیْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃ (اور ہم نے پیدا کیا تم کو نفس واحد سے) یہ ظاہر ہے کہ ہر موج سمندر میں رہ کر اپنی انفرادی حیثیت قائم رکھتی ہے اور سمندر سے الگ ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔ تھوڑی سی غور سے یہ بات معلوم ہو گی کہ ہر فرد افراد کے اس مجمع عظیم میں اپنے ماحول کا کس قدر ممنون ہے۔ جسم جو ہماری

ہستی کو مادی مفہوم میں بطور فرد کے مشخص کرتا ہے، زبان جو ہم بولتے ہیں، لباس جو ہم پہنتے ہیں اور بڑی حد تک خیال جو ہم سوچتے ہیں اور مذہب جس پر ہم اپنی زندگی کو منحصر رکھتے ہیں وہ سب اسی جماعت کے اوضاع و اطوار کے پابند ہیں جس میں کہ ہم پیدا ہوتے ہیں۔

جناب مجید ملک نے اقبال سے اپنی ایک طویل ملاقات کا تفصیلی ذکر یوں تحریر فرمایا ہے :-

ایک دن میں علامہ اقبال کے درِ دولت پر حاضر تھا۔ آپ حسبِ معمول فلسفہ و حکمت کے موتی بکھیر رہے تھے اور میں خاموشی کے ساتھ ان موتیوں سے اپنا دامن تہی بھرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ موضوع گفتگو بار بار بدل رہا تھا۔ مولانا برکات احمد نے زمان و مکان کی بحث پر کیا خامہ فرسائی کی ہے؟ افسوس ہے کہ گذشتہ ایک صدی میں مسلمانانِ ہند نے ادق فلسفیانہ مسائل پر جو کچھ لکھا ہے وہ عوام بلکہ خواص سے بھی پوشیدہ ہے۔ قرآن میں ایک سورۂ دہر ہے اور ایک سورۂ عصر۔ دہر اور عصر میں کیا فرق ہے؟ اور سورۂ دہر کو سورۂ عصر اور سورۂ عصر کو سورۂ دہر کیوں نہیں کہا گیا؟ اسلامی مساجد اور اسلامی مقابر کی ساخت میں فنی لحاظ سے کیا فرق ہے اور کیوں ہے؟ قرطبہ کی مسجد میں شکوہ، سربلندی اور تمکنت کیوں ہے؟ تاج میں حسن، نزاکت اور پاکیزگی کیوں ہے؟ زندگی اور آرٹ کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ عربی شاعری اور عجمی شاعری میں کیا فرق ہے؟

ایران نے عربی شاعری سے کیا کچھ اخذ کیا اور اس میں کیا اضافہ کیا؟ اردو شاعری نے ایرانی شاعری کا تتبع کیا اور کس حد تک کیا؟ دہلی اور لکھنو کی زندگی زبان پر اور طرزِ بیان پر کہاں تک اثر انداز ہوئی؟

میں نے پوچھا، کیا آپ کے نزدیک آرٹ بجائے خود کوئی حیثیت نہیں رکھتا؟ قائم بالذات نہیں؟ فرمایا: نہیں۔ اردو شاعری ہندوستان کے دورِ انحطاط کی پیداوار ہے، اس لئے کمزور، غیر فطری اور حد درجے کی مصنوعی ہے۔ آرٹ اقوامِ عالم کی زندگی کا عکس ہے۔ کسی قوم کے آرٹ کو دیکھ کر اس قوم کی نفسیاتی کیفیتوں کا صحیح نقشہ کھینچا جا سکتا ہے۔ لیکن آرٹ زندگی کا مظہر ہی نہیں زندگی کا آلۂ کار بھی ہے اور سچّا آرٹسٹ وہ ہے جو اپنے کمال کو بنی نوعِ انسان کی بہتری کے لئے وقف کر دے۔

میں نے عرض کیا: فرحت" محض" فرحت" بھی انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔ اگر کوئی شعر کسی کو ہنسا دے یا آمادۂ گریہ کر دے کیونکہ بسا اوقات گریہ میں بھی فرحت پنہاں ہوتی ہے تو یقیناً وہ شعر کامیاب ہے۔ فرمایا: بے شک لیکن اردو شعراء بھی اپنی قوم کے لئے فرحت مہیّا کرتے ہیں اور پرانے عربی شعراء بھی کیا کرتے تھے۔ کتنا تفاوت ہے۔ عربی شاعری میں اور اردو شاعری میں وہی فرق ہے جو ایک سرفروش، جنگجو قوم میں اور عشرت زدہ قوم میں ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ میرے نزدیک اس زمانے کی عربی شاعری صحیح قسم کی شاعری تھی۔ عرب کی زندگی کے عیوب عربی شاعری میں عیاں ہیں لیکن ان عیوب کی نوعیت اردو شاعری کے عیوب سے

مختلف ہے۔ میرے نزدیک حقیقی آرٹسٹ وہ ہے جو اپنی قوم کا نبض شناس ہو اور آرٹ کو قومی امراض کے دفیعہ کا ذریعہ بنائے۔ شاعر امراء القیس کی طرح اشعر الشعراء ہونے کے باوجود قائدہم الی النّار ہو سکتا ہے۔ اور شاعر ہی اپنے حسن کلام کی وجہ سے اس رتبے تک پہنچ سکتا ہے جس رتبے پر لبید پہنچا کہ خود سرور کونینؐ کو اس سے ملنے کا شوق تھا۔ علاوہ ازیں جسے تم "کامیاب شعر" کہتے ہو وہ اور چیز ہے اور معیار پر پورا اترنے والا شعر اور چیز ہے۔ وہ شاعری جو آرٹ کے حقیقی معیار پر پوری اترتی ہے، پیغمبری کا جزو ہے۔ وہ شاعری جو اس معیار پر پوری اترے یا نہ اترے لیکن فنی معیار پر پوری اترتی ہے "کامیاب" شاعری ہے۔

میں نے عرض کیا، اردو کا کوئی شعر جسے آپ کامیاب سمجھتے ہوں یا جو آپ کو بہت پسند ہو فرمایئے۔

قدرے توقف کے بعد فرمایا، بہت کم اردو اشعار میرے ذہن میں ہیں، اور یوں بھی شاید دل پر گہرا اثر چھوڑنے والے اشعار اردو میں کم ہیں۔ تم شعر سناتے جاؤ۔ جو شعر پسند ہوگا کہہ دوں گا۔ میں فکر میں غرق ہوا۔ لیکن ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ آپ نے پوچھا یہ کس کا شعر ہے:۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے عمر یونہی تمام ہوتی ہے

میں نے عرض کیا، غالباً داغ کا ہے۔ فرمایا غالباً داغ کا نہیں۔ لیکن اچھا شعر ہے، ہر لحاظ سے کامیاب۔ شاعر نے ایک نقطۂ نظر کو چیدہ الفاظ میں اور مکمل طور پر بیان کر دیا ہے۔ یہ نقطۂ نظر

مشرق میں عام ہے۔ مختلف شعرا نے مختلف پیرایوں میں یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ غالباً ان تمام اشعار میں سے یہ شعر بہترین ہے۔ لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہ نقطۂ نظر شاعر بلکہ جملہ قوم کی نفسیاتی کیفیت کا مظہر ہے۔ شاعر وقت کے سیلاب کے سامنے اپنے آپ کو بے حقیقت تصوّر کرتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ دن اور رات کے ایاب و ذہاب پر اس کی شخصیت مطلقاً اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ وہ "زمانہ" کو محض دن اور رات کا تسلسل سمجھتا ہے، حصول مدعا، کارکردگی اور جدوجہد کا ذریعہ نہیں سمجھتا۔ وہ وقت کے دھارے پر ایک تنکا ہے جسے موجیں اِدھر اُدھر جدھر چاہتی ہیں پٹک دیتی ہیں۔ وہ ان موجوں کے خلاف نبرد آزمائی نہیں کرتا، انھیں راہ پر نہیں لاتا، لانے کی کوشش بھی نہیں کرتا، کوشش کرنے کی خواہش بھی نہیں رکھتا۔ "صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے" ـــ یہ احساس اس قوم یا اس قوم کے کسی فرد کا ہے جو سیل زمانہ کے سامنے اپنی بے بسی کا معترف ہے۔ معترف ہی نہیں، کامل طور پر آگاہ ہے، اس حد تک آگاہ ہے کہ اپنی بے بسی کو قانون قدرت کا جزو سمجھتا ہے۔ جدوجہد کرنے والی اقوام کی صبح "ہوتی" نہیں، وہ گویا صبح "کرتی" ہیں اور شام "کرتی" ہیں۔ وہ وقت کو دن اور رات اور مہینے اور سال کے پیمانے سے نہیں ناپتیں بلکہ سعی اور "حصول" کے پیمانے سے ناپتی ہیں ـــ یہ سب کچھ ہے لیکن یہ شعر اچھا ہے کیونکہ جس خیال کو شاعر ادا کرنا چاہتا تھا اس خیال کو اس نے مؤثر طریقے سے ادا کر دیا ہے۔ "سیل زمانہ کے سامنے انسانی بے بسی" ـــ اس موضوع

پر یہ بہت اچھا شعر ہے ۔

میں نے عرض کیا : آپ کے نزدیک کامیاب اشعار میں کیا خوبیاں ہوتی ہیں ؟ مسکرا کے فرمایا بہت سی ہوتی ہوں گی لیکن جدّت اور فنی خوبی یہ دونوں بہرحال ضروری ہیں۔ میں نے عرض کیا : تو کوئی اور شعر فرمایئے جو آپ کو پسند ہو اور اس معیار پر پورا اترے۔ ارشاد کیا تم شعر سناؤ ـــ

میں نے غالبؔ کا یہ شعر پڑھا :

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آبھی نہ سکوں

فرمایا : اچھا شعر ہے کوئی اور شعر سناؤ۔ میں نے غالبؔ کا ایک اور شعر پڑھا :

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

فرمایا یہ بھی اچھا شعر ہے ۔ غالبؔ نے اس قسم کے اشعار بیدل کے تتبع میں کہے تھے ۔ لیکن یہ رنگ اردو میں کامیاب نہ ہوسکا چنانچہ غالبؔ نے اسے ترک کر دیا ـــ میں نے یہ شعر پڑھا :

نہ پوچھ حال مرا چوب خشک صحرا ہوں
لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا (آتش)

اور دردؔ کے یہ دو شعر :-

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

فرمایا دردؔ اردو زبان کا واحد صوفی شاعر ہے۔

"زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے　　　ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے"

خوب شعر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر زندگی کی بے پناہ کشاکش سے عاجز آگیا ہے، تھک گیا ہے۔ لیکن نہیں، ابھی اس میں جان باقی ہے اور جب تک جان ہے وہ آمادۂ پیکار ہے۔ نفسیاتی لحاظ سے یہ شعر

"صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　　عمر یونہی تمام ہوتی ہے"

کا ضد ہے۔ دوسرا شعر

"ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ　　　جب تلک بس چل سکے ساغر چلے"

اردو شعراء کے عام انداز میں ہے۔

میں نے عرض کیا: کیا یہ ممکن نہیں کہ دوسرے شعر میں بھی شاعر سعی اور انہماک فی المشاغل کا درس دے رہا ہو، فرمایا: ممکن ہے، لیکن قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔

قدرے توقف کے بعد میں نے فانیؔ کے یہ اشعار سنائے:۔

دل وقفِ تپش ہے ہائے مگر وجۂ تپش دل کوئی نہیں
بسمل ہوں مگر کیوں بسمل ہوں فریاد کہ قاتل کوئی نہیں
خود حسن کمالِ حسن ہے یعنی حسن جہاں ہے کامل ہے
اور عشق مآلِ عشق ہے یعنی عشق میں کامل کوئی نہیں
دریائے محبت بے ساحل اور ساحل بے دریا بھی ہے
جو موج ڈبو دے ساحل ہے یوں نام کو ساحل کوئی نہیں

اور حفیظؔ کا یہ گیت:۔

بنسری کی لے نہیں یہ آگ ہے　　　اور کوئی شے نہیں یہ آگ ہے

فرمایا: مجھے حفیظؔ کا یہ رنگ پسند نہیں۔ لیکن "شاہنامۂ اسلام" کا رنگ اور انداز مجھے پسند ہے اور اس میں بہتر قسم کی شاعری ہے پھر فرمایا: تمھیں مرزا محمد ہادی کا وہ شعر یاد ہے کہ نہیں ــــــ وہ ــــــ ماتھے پر بل پڑ گئے، یاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے ــــــ میں نے عرض کیا:۔

اپنے مرکز کی طرف مائلِ پرواز تھا حسن
بھولتا ہی نہیں عالم تری انگڑائی کا

میں نے عرض کیا۔ اس شعر کی آپ پہلے بھی تعریف فرما چکے ہیں۔ غالباً اسی لئے اس شعر پر بہت لے دے بھی ہوتی رہی ہے۔ فرمایا: کس بنا پر؟ میں نے کہا اس وقت خیال نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ مختلف رسالوں میں اس شعر پر لمبی لمبی تنقیدیں چھپتی رہی ہیں۔ فرمایا: اپنا اپنا خیال ہے، مجھے یہ شعر بہت پسند ہے۔ فنی لحاظ سے اچھا ہے، خیال میں جدّت ہے، پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے تصویر کھچ جاتی ہے۔

میں نے اکبرؔ کا یہ شعر پڑھا:

اک مسئلہ ہے تیغ کا اور اک سکوت کا
باقی جو ہے وہ تار ہے بس عنکبوت کا

فرمایا: خوب ہے لیکن مجھے اکبرؔ کا یہ شعر زیادہ پسند ہے۔

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خونِ دل
بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیے

مذہب اور سیاست کا تعلق

اقبالؔ جب لیکچروں کے سلسلے میں مدراس گئے تو ۷ جنوری ۱۹۲۹ء کو مدراس

کے ایک اخبار "سوراجیہ" کے نمائندے نے آپ سے مذہب اور سیاست کے تعلق پر سوال کیا۔ اقبال نے اس سوال کا جواب تفصیل سے دیا۔ اس جواب کا متن تو نہیں مل سکا البتہ اس کا خلاصہ جو محمد دین فوقؔ کی کتاب "مشاہیرِ کشمیر" (۲۹ جولائی ۱۹۳۰ء) میں طبع ہوا تھا پیش کیا جاتا ہے۔

میں اس امر کی ضرورت بڑی شدّت سے محسوس کر رہا ہوں کہ ہماری درس گاہوں میں مذہبی تعلیم بھی ہونی چاہیے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ میں بہ حیثیت ایک ہندوستانی کے مذہب کو سوراج پر مقدم خیال کرتا ہوں۔ ذاتی طور پر مجھے ایسے سوراج سے کوئی واسطہ نہ ہوگا جو مذہب سے بے نیاز ہو۔ یورپ میں تعلیم کا خالصتہً دنیوی طریق بڑے تباہی آمیز نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا ملک بھی ان تلخ تجربات سے دوچار ہو — یہ امر صاف ظاہر ہے کہ باشندگانِ ایشیا یورپ کے خالص مادی رویے کو بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ ہمارے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ روحانی اور مادی امور کو کس طرح یک جا جمع کیا جائے۔

سب سے پہلی ایشیائی قوم جسے اس مسئلہ کو حل کرنے سے واسطہ پڑا تھا ترک تھی۔ میں کہوں گا کہ ترک روحانیت و مادیت کے مطلوبہ اجتماع کو حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ تاہم میں ترکوں کی طرف سے مایوس نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ تاتاری نسل اس تیزیٔ فہم و ادراک اور اس عمیق ضمیر سے محروم ہے جو اس مسئلے کے حل کے لئے ضروری تھی۔ میں فی الحال اس مسئلے کے متعلق ایران، عرب اور افغانستان کی آئندہ روش پر بھی اظہارِ خیال نہیں کر سکتا جو

اقوامِ ایشیا کے سامنے پیش ہو رہے ہیں۔

میرا عقیدہ ہے کہ باشندگانِ ہند اس کارِ عظیم کو انجام دینے کے اہل ثابت ہوں گے کیونکہ ان کی مذہبی روایات، ان کے ادراک کی تیزی اور ان کے جذبات کی شدت اس کام کی اہلیت کا ثبوت دے رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوعِ انسان کی عام بھلائی کے لئے میں یہاں کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی مفاہمت کا متمنی ہوں اور اسے اشد ضروری خیال کرتا ہوں۔ صرف باشندگانِ ہند ہی پرانی دنیا کے کھنڈروں پر نئے آدم کے لئے نئی دنیا تعمیر کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہمارے نوجوانوں کی باتیں کہ مذہب کو بالائے طاق رکھ کر تمام تر توجہ سیاسیات پر دینی چاہیے، یورپ کی غلامانہ تقلید کے سوا اور کچھ نہیں جس کی مادہ پرستی یورپ کی روحانیت اور دوسری اقوام کی مادیت کے لئے پیامِ موت ثابت ہو چکی ہے۔

اقبالؔ کی ایک تقریر

پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے پر اتحادی حکومتوں نے حکومت ترکیہ کے ساتھ بہت نامناسب سلوک کیا۔ اس پر ہندوستان کے مسلمانوں نے سخت احتجاج کیا۔ چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۹ء کو لاہور میں ایک عام جلسہ موچی دروازہ کے باہر منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت میاں فضل حسین نے کی۔ مسٹر تاج الدین تاج نے ایک پُر درد نظم پڑھی اور اقبالؔ نے صدر کی اجازت سے یہ شعر پڑھ کر پہلی قرارداد پیش کی ہے

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا

سکون دل سے خدا خدا کر، جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

برادرانِ اسلام! جو ریزولیشن اس وقت میں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

مسلمانانِ لاہور اس جلسہ میں اس عظیم پریشانی اور بے چینی کا اظہار کرتے ہیں جو پیرس کی صلح کانفرنس میں اب تک سلطنت عثمانیہ اور خلیفۃ المسلمین کے متعلق قابل اطمینان فیصلہ نہ ہونے سے لاحق ہوئی ہے اور حکومت کو وہ وعدے یاد دلاتے ہیں جو مسٹر لائڈ جارج وزیرِ اعظم برطانیہ نے جنوری ۱۹۱۸ء میں تمام اسلامی دنیا سے سلطنت ترکی کے متعلق کیے تھے اور پیرس کی صلح کانفرنس کو ان اصولوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو پریذیڈنٹ ولسن نے اپنے اعلانوں میں قائم کیے تھے اور جن کی بنا پر اس عظیم الشان جنگ کا خاتمہ کیا گیا اور با صرار تمام درخواست کرتے ہیں کہ جن اصولوں پر اتحادیوں نے اپنی عیسائی دشمن سلطنتوں سے قرار داد کی ہے انہی اصولوں پر مسلمان سلطنتوں سے بھی صلح سرانجام پانی چاہیے اور سلطنت عثمانیہ کے کسی حصے پر صراحتاً یا اشارتاً کسی دوسری سلطنت کا قبضہ نہیں ہونا چاہیے۔

اس قرارداد پر اقبال نے حسب ذیل تقریر کی:۔

"صاحبان، جس قوم نے دنیا میں آزادی اور حریت کی اشاعت کی تھی آج اس کی آزادی چھینی جا رہی ہے۔ جب بنی نوع انسان کو پامال کیا جاتا تھا اس وقت اس قوم نے مساوات کا پرچار کیا۔

مسلمانو! تم کو یاد ہے جب عرب میں نبی آخرالزماں پیدا ہوئے اس

وقت دنیا کی کیا کیفیت تھی۔ قسطنطنیہ میں قیصر کی سختی یورپ کی قوموں کا گلا گھونٹ رہی تھی۔ اس وقت یہ امر واضح کیا گیا کہ خدا کی اطاعت کے سوا اور کسی کی اطاعت نہ کی جائے۔ تمہارا مذہبی عقیدہ ہے کہ انسان کو آزادی ملنی چاہیے۔ آج وہ قوم دوسری قوموں کے سامنے یہی کہ رہی ہے کہ جن اصولوں کا اعلان کرکے ہیں نے بنی نوع انسان سے فیصلہ کیا تھا انہی اصولوں کو میرے ساتھ بھی برتا جائے۔ ہوگا تو وہی جو قرآن میں نبی آخرالزماں فرما گئے ہیں مگر اس بات کا ترک کرنا بھی مناسب نہیں۔ ہم کیوں کسی بندے کے سامنے شکایت کریں۔ ہمیں خدا کے سامنے شکایت کرنی چاہیے۔ خوشامد، منت یا مانگنے سے کبھی کچھ نہیں ملا۔ خدا کے سوا کسی کی اطاعت ہمارے لئے واجب نہیں۔ یاد رکھو کہ جو قوم ایک بڑا مقصود لے کر پیدا ہوئی ہے وہ یونہی نہیں مٹ سکتی۔ بادشاہیاں مٹ رہی ہیں۔ انسان نے اپنے فطری حقوق کا دعویٰ پیش کیا ہے۔ تمہاری تاریخ قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔

پریذیڈنٹ ولسن نے چودہ اصول قائم کئے جن کے مطابق عالمگیر جنگ کا فیصلہ کیا جانا تھا۔ ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ ہر ایک قوم اپنے معاملے کو خود فیصل کر لیا کرے۔ ہماری سرکار نے بارہا اس بات کا اعلان کیا کہ ہم حق، انصاف اور صداقت کے لئے لڑ رہے ہیں ہماری جنگ اس لئے ہے کہ بین الاقوامی معاہدے قائم رکھے جائیں۔ ہم بھی یہی کہتے تھے کہ ہمارے حقوق کا خیال رکھا جائے اور ان کو پامال نہ کیا جائے۔"

Dr. Sir Mohd. Iqbal, Kt.
M.A. Ph.D. LL.D.
Barrister-at-Law

Lahore

Dated ________ 193

سے یا ان جیسی غلطیوں سے نجات ہو جائے

اور لطف یہ کہ یہی کفر اور ایمان نہ صرف ضروری نہیں

بلکہ آزادی ہے کیونکہ اس نے بموجب اسلام دین فطرت تک

یہی فطرت صحیحہ انسان کو خود بخود قبول کرتی ہے۔ فطرت صحیحہ کا

اپنی خود بخود قبول کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ اسلام زندگی کے گرد اگرد مسائل سے

پیدا ہوتے ہیں اور یہ سب عین فطرت ہیں ایسے احکام نہیں جن کو حکم

ایک مطلق العنان حکمران نے ہم پر عائد کر دیا ہے اور جس پر ہم خوف سے عمل کرنے پر

مجبور ہیں۔ اسلام کو دین فطرت کے طور پر rationalise کرنے کا کام انگریز سے

اور ایک تعلیم یافتہ طبقہ کا فرض ہے جو اس کی تعبیر کرتا ہے

اس کی تعبیر کے لئے rationalisation سے تعبیر کیا ہے۔

نوٹ

جیسے یہ رہیں آزادی ترجمانی سے دوا ایک اصطلاح کو اسلام پر لاگو کر

سکتی کہ تعبیر کرنے والے انگریزی داں طبقہ کا کام کیا جائے گا۔

مسئلۂ نبوت پر اقبال کی یہ دونوں تحریریں جناب سید نذیر نیازی کو بھیجی گئی تھیں۔ جب اقبال نے قادیانی تحریک کے خلاف بیان دیا تو اس بیان پر مختلف حلقوں کی طرف سے اعتراضات شائع ہوئے۔ ان اعتراضات کی روشنی میں اقبال نے اپنا نقطۂ نظر واضح کرنے کی کوشش کی اور یہ دونوں تحریریں اسی سلسلے میں ہیں۔

سید نذیر نیازی ان دنوں "طلوع اسلام" کے مدیر تھے۔ چنانچہ انھوں نے "طلوع اسلام" بابت اکتوبر ۱۹۳۵ء میں اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی اور اقبال کی ان تحریروں کے اقتباسات بھی دیئے جو اس شمارے کے صفحات ۱۰۲ - ۱۰۴ میں موجود ہیں۔

نبوّت — (۱)

راجہ صاحب[1] کا مضمون میں نے نہیں دیکھا۔ دیکھا تو تھا پڑھا نہیں۔ آپ اپنے مضمون میں اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔ ان کے خیالات کی تردید ضروری نہیں۔

نبوت کے دو اجزا ہیں۔ (۱) خاص حالات و واردات جن کے اعتبار سے نبوت، روحانیت کا ایک مقام خاص تصور کی جاتی ہے (مقام تصوف اسلام میں ایک اصطلاح ہے)

(۲) ایک socio-political institution قائم کرنے کا عمل یا اس کا قیام۔ اس institution کا قیام گویا ایک نئی اخلاقی فضا کی تخلیق ہے جس میں پرورش پا کر فرد اپنے کمالات

---

[1] راجہ صاحب سے مراد اغلباً راجہ حسن اختر مرحوم ہیں۔

تک پہنچتا ہے اور جو فرد اس نظام کا ممبر نہ ہو یا اس کا انکار کرے وہ ان کمالات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس محرومی کو مذہبی اصطلاح میں کفر کہتے ہیں۔ گویا اس دوسری جزو کے اعتبار سے نبیؐ کا منکر کافر ہے۔

دونوں اجزا موجود ہوں تو نبوت ہے۔ صرف پہلا جزو موجود ہو تو تصوف۔ اسلام میں اس کو نبوت نہیں کہتے اس کا نام ولایت ہے۔ ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزا نبوت کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے......

لیڈنگ سٹرنگز[1] leading strings سے مراد لیڈنگ سٹرنگز آف ریلیجن نہیں بلکہ لیڈنگ سٹرنگز آف فیوچر پرافٹس آف اسلام ہے یا یوں کہیئے کہ ایک کامل الہام و وحی کی غلامی قبول کر لینے کے بعد کسی اور الہام و وحی کی غلامی حرام ہے۔ بڑا اچھا سودا ہے کہ ایک کی غلامی سے باقی سب غلامیوں سے نجات ہو جائے اور لطف یہ کہ نبی آخر الزماںؐ کی غلامی، غلامی نہیں بلکہ آزادی ہے کیونکہ اس کی نبوت کے احکام دینِ فطرت ہیں یعنی فطرتِ صحیحہ ان کو خود بخود قبول کرتی ہے۔ فطرتِ صحیحہ کا انھیں خود بخود قبول

---

[1] لیڈنگ سٹرنگز (leading strings) اشارہ ہے اقبال کے پانچویں لیکچر کے ایک فقرے کی طرف جس میں کہا گیا ہے کہ (life cannot for ever be kept in leading strings) صفحہ ۱۰۰، ستمبر ۱۹۶۰) یعنی کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا (ترجمہ از سید نذیر نیازی، صفحہ ۱۹۰)

Dr. Sir Mohd. Iqbal Kt.
M.A. Ph.D. LL.D.
Barrister-at-Law

Lahore

Dated 193

[illegible]

کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ احکام زندگی کی گہرائیوں سے پیدا ہوتے ہیں اس واسطے عین فطرت ہیں؛ ایسے احکام نہیں جن کو ایک مطلق العنان حکومت نے ہم پر عائد کر دیا ہے اور جن پر ہم محض خوف سے عمل کرنے پر مجبور ہوں۔ اسلام کو دین فطرت کے طور پر realise کرنے کا نام تصوف ہے۔ اور ایک اخلاص مند مسلمان کا فرض یہ ہے کہ وہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے۔ اس کیفیت کو میں نے لفظ emancipation سے تعبیر کیا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

نبوّت ـ (۲)

(۱) عقل اور وحی کا مقابلہ یہ فرض کر کے کہ دونوں علوم کے مواخذ ہیں درست نہیں ہے۔ علوم کے مواخذ انسان کے حواس اندرونی اور بیرونی ہیں۔ عقل ان حواس ظاہری و معنوی کے انکشافات کی تنقید کرتی ہے اور یہی تنقید اس کا حقیقی function ہے اور بس۔ مثلاً آفتاب مشرق سے طلوع کرتا ہے اور مغرب کی طرف حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ حواس ظاہری کا انکشاف ہے۔ عقل کی تنقید کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حواس کا انکشاف درست نہ تھا

(۲) وحی کا function حقائق کا انکشاف ہے یا یوں کہئے کہ وحی تھوڑے وقت میں ایسے حقائق کا انکشاف کر دیتی ہے جن کو مشاہدہ برسوں میں بھی نہیں کر سکتا۔ گویا وحی حصولِ علم میں جو

time کا عنصر ہے اس کو خارج کرنے کی ایک ترکیب ہے۔
انسان کی ترقی کے ابتدائی مراحل میں اس ذریعۂ علم کی بے انتہا ضرورت
تھی کیونکہ ان مراحل میں انسان کو ان مقامات کے لئے تیار کیا جا رہا تھا
جن پر پہنچ کر وہ قوائے عقلیہ کی تنقید سے خود اپنی محنت سے علم
حاصل کرے۔ محمد عربی کی پیدائش انسانی ارتقا کے اس مرحلے پر ہوئی
جب کہ انسان کو استقرائی علم سے روشناس کرنا مقصود تھا۔ میرے
عقیدہ کی رو سے بعد وحیٔ محمدی کے الہام کی حیثیت محض ثانوی
ہے۔ سلسلہ تو الہام کا جاری ہے مگر الہام بعد وحیٔ محمدی حجت
نہیں ہے سوائے اس کے کہ ہر شخص کے لئے جس کو الہام ہوا ہو۔
بالفاظ دیگر بعد وحیٔ محمدی الہام ایک پرائیوٹ fact ہے
اس کا کوئی سوشل مفہوم یا وقعت نہیں ہے۔ میں نے پچھلے خط میں
لکھا تھا کہ نبوت کی دوسری حیثیت ایک socio-political
institution کی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ بعد وحیٔ محمدی
کسی کا الہام یا وحی ایسے institution کی بنا قرار نہیں پا سکتا۔
تمام صوفیۂ اسلام کا یہی مذہب ہے۔ محی الدین ابن عربی تو الہام پانے
والے کو نبی کہتے ہی نہیں اس کا نام ولی رکھتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ
اسلام سے پہلے بنی نوع انسان میں شعور ذات کی تکمیل نہ ہوئی تھی۔ اسلام
نے انسان کی توجہ علوم استقرائی کی طرف مبذول کی تاکہ انسانی فطرت
فی کل الوجود کامل ہو اور اپنی ذاتی محنت سے حاصل کردہ علم کے
ذریعہ سے انسان میں اعتماد علی النفس پیدا ہو۔ غرضیکہ بعد وحیٔ محمدی
میرے عقیدہ کی رو سے الہام کی حیثیت محض ثانوی ہے جس

شخص کو ہوتا ہے اس کے لئے حجّت ہو تو ہو اوروں کے لئے نہیں ہے۔ اگر آج کوئی شخص کہے کہ میں نے بالمشافہ حضور رسالت مآبؐ سے مل کر دریافت کیا ہے کہ فلاں ارشاد جو محدثین آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں آپ کا ہے یا نہیں اور مجھے حضور نے کہا ہے کہ نہیں، تو ایسا مکاشفہ اس شخص کے لئے حجّت ہو گا، عالمِ اسلام کے لئے نہیں۔ اگر اس قسم کے مکاشفات کو تمام عالمِ اسلام کے لئے حجّت قرار دیا جائے تو تمام تنقیدی تاریخ کا خاتمہ ہو جاتا ہے یا بالفاظ دیگر روایت و درایت، استقرا کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ شعر میں لفظ حیا (شرم) ہے۔[1]

محمد اقبال

---

[1] "شعر میں لفظ حیا (شرم) ہے" سے اشارہ اس طرف ہے کہ اقبال نے نبوت کے متعلق جو یہ تحریر نیازی صاحب کو بھیجیں تو اسی کاغذ پر ایک طرف "مدنیت اسلام" کے نام سے ایک نظم بھی بھیجی تھی جو طلوع اسلام بابت اکتوبر ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کا ایک مصرع تھا ـــ "اس میں عصر رواں کی حیا سے بیزاری"۔ اس مصرع میں لفظ "حیا" شاید پڑھا نہیں گیا تھا۔ یہ نظم بعد میں "ضرب کلیم" (صفحہ ۴۵) میں شامل ہوئی۔

اُردو خطوط

خطوط بنام محمد دین فوقؔ صاحب

خطوط بنام محمد دین فوق صاحب

محمد دین فوقؔ سیالکوٹ کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۹۶ء میں لاہور آکر "پیسہ اخبار" میں ملازم ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں اپنا ہفتہ وار اخبار "پنجۂ فولاد" جاری کیا جو ۱۹۰۶ء میں بند ہو گیا۔ اس کے بعد ماہنامہ "کشمیری میگزین" جاری کیا جو بعد میں ہفتہ وار اخبار "کشمیری" بن گیا۔ ۱۹۱۴ء میں رسالہ "طریقت" نکالا جو ۶ سال تک چلتا رہا۔ ۱۹۱۸ء میں رسالہ "نظام" شروع کیا جو جلدی بند ہو گیا۔ ان کی بے شمار تصنیفات میں سے یادِ رفتگاں، وجدانی نشتر، رہنمائے کشمیر، حریتِ اسلام، تذکرۂ شعرائے کشمیر، شبابِ کشمیر وہ کتابیں ہیں جن کا تذکرہ اقبالؔ نے ان خطوط میں کیا ہے۔ تاریخ اقوام کشمیر ان کی دوسری مشہور تصنیف ہے،

ڈیر فوقؔ!

اہلِ اللہ کے حالات نے جو آپ نے بنام "یادِ رفتگان"[1] تحریر فرمائے ہیں مجھ پر بڑا اثر کیا اور بعض باتوں نے تو جو آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں درج کی ہیں مجھے اتنا رلایا کہ میں بے خود ہو گیا۔ خدا کرے آپ کی توجہ اس طرف لگی رہے۔ زمانۂ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے حیرت ناک تذکروں کو زندہ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل علت حسنِ ظن کا دور ہو جانا ہے۔

بھائی فوقؔ! خود بھی اس گوہرِ نایاب کی تلاش میں رہو جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں مل سکتا بلکہ کسی خرقہ پوش کے پاؤں کی خاک میں اتفاقیہ مل جاتا ہے۔ والسلام

آپ کا دوست

(شیخ) محمد اقبال، ایم اے۔ پروفیسر گورنمنٹ کالج۔ لاہور

از سیالکوٹ
۷؍ اکتوبر ۱۹۰۴ء

ڈیر فوقؔ

آپ کا کارڈ ملا۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ مجھے بھی یہ خیال تھا کہ جاتی دفعہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکی، افسوس ہے۔ مجھے اس موقع پر فرصت کم تھی ورنہ کہیں نہ کہیں آپ سے

---

[1] یادِ رفتگاں فوقؔ صاحب کی کتاب بزرگانِ سلف کے متعلق تھی۔ اس کا دوسرا نام تذکرۂ صوفیائے لاہور بھی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے متاثر ہو کر اقبال نے وہ نظم لکھی تھی جس کا ایک شعر ہے:

تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی　　نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

ملنے کو آجاتا۔ اچھا ہوا آپ نے وہ پرچہ[1] اپنی ذمہ داری پر چلانا شروع کیا۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ یہاں سے مشاغل سے مطلق فرصت نہیں ملتی۔ ایسے حالات میں مضامین لکھنے کی کہاں سوجھتی ہے۔ البتہ شعر ہے جو کبھی کبھی خود موزوں ہو جاتا ہے۔ سو شیخ عبدالقادر (ایڈیٹر مخزن) لے جاتے ہیں۔ ان سے انکار نہیں ہو سکتا، آپ سے بھی انکار نہیں۔ اگر کچھ ہو گیا تو حاضر کروں گا۔ والسلام

محمد اقبال

ٹرینٹی کالج۔ کیمبرج انگلینڈ

از سیالکوٹ شہر

۲۹ اگست ۱۹۰۸ء

ڈیر فوق۔ السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مجھے کل ملا۔ میں ایک دو روز کے لئے بغرض مشورہ لاہور گیا ہوا تھا کیونکہ وہیں کام شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ میگزین میں جو کامیابی آپ کو ہوئی اور ہو رہی ہے اس کے لئے مبارک باد دیتا ہوں اور جو کچھ آپ گاہے گاہے میری نسبت اپنے کالموں میں تحریر فرماتے ہیں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں[2]۔ آپ جموں کے رستے جائیں تو ضرور سیالکوٹ

---

[1] پرچہ جس کی طرف خط میں اشارہ ہے وہ "کشمیری میگزین" ہے جو ۱۹۰۷ء میں شروع ہوا تھا اور جس کے لئے فوق صاحب نے اقبال سے مضمون یا اشعار کی فرمائش کی تھی۔

[2] مراد کشمیری میگزین سے ہے۔ جس کے مختلف پرچوں میں فوق صاحب اقبال کے متعلق لکھتے رہتے تھے۔ فروری ۱۹۰۸ء کے پرچے میں صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں کہ فخر قوم و ملک شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے نے ولایت جا کر علمی

تشریف لائیں تاکہ مجھے آپ کی دوستانہ قدر و منزلت کرنے کا موقع ملے۔ افسوس ہے کہ میں ابھی کچھ عرصہ تک آپ کے لئے کچھ نہ کر سکوں گا کیونکہ ہمہ تن قانون کی کتب کی طرف متوجہ ہوں۔ چونکہ اس کام کو شروع کیا ہے اس واسطے ارادہ ہے کہ اس کو حتی الامکان پورے طور پر کروں۔ روٹی تو خدا ہر ایک کو دیتا ہے، میری آرزو ہے کہ میں اس فن میں کمال پیدا کروں۔ آپ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس مہم میں میرا شامل حال ہو۔ انشاءاللہ نومبر میں لاہور چلا جاؤں گا اور مستقل طور پر کام شروع کروں گا۔ اس وقت آپ سے ملاقات ہوا کرے گی جیسے کبھی کبھی پہلے ہوا کرتی تھی اور میں کشمیری گوت کے متعلق بھی چند باتیں آپ سے کروں گا۔ باقی خیریت ہے۔ اللہ یار صاحب جوگی کی خدمت میں میرا شکریہ پہنچا یئے۔ علاوہ ازیں تارا چند صاحب کی خدمت میں۔ والسلام

محمد اقبال

میدان میں جو کچھ نام پیدا کیا ہے اس کا وقتاً فوقتاً ذکر میگزین میں ہوتا رہا ہے۔ . . . . لندن یونیورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ کی جگہ جو چند ماہ کے لئے مصر گئے ہیں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے ہیں۔ اپریل ۱۹۰۸ء کے شمارے میں اقبال کی ان دنوں کی تصویر اور ان کے تفصیلی حالات درج کئے جو ان کے خطوط کے بعد نقل کئے جا رہے ہیں۔

لے کشمیری میگزین بابت ماہ اگست ۱۹۰۸ء (صفحہ ۳۳-۳۵) میں بہ عنوان "اقبال لاہور میں" اقبال کی انگلستان سے واپسی کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہاں درج کیا جا رہا ہے جس سے اس خط کے بعض مندرجات کی وضاحت ہو جائیگی۔

شیخ محمد اقبال ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو بروز پیر شام کی گاڑی پر لاہور تشریف لائے۔ وقت مقررہ سے پیشتر ان کے احباب استقبال کے لئے اسٹیشن پر پہنچ گئے تھے۔ باہر اور اندر خاصا ہجوم تھا۔ اقبال نہایت خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے سب سے ملے۔ بھاٹی دروازہ کے باغ میں شیخ گلاب دین صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب کی جانب سے خیمہ وغیرہ ایستادہ تھے۔ خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹر لا نے شیخ صاحب کی قابلیت کے متعلق چند الفاظ فرمائے۔

ڈیر فوق ۔ مرزا افضل احمد صاحب کا خط ملفوف ہے وہ اس خط کو

اللہ یار جوگی نے خیر مقدم کرتے ہوئے نظم پڑھی ۔

کدھر ہے کیفِ مسرت مجھے سنبھال سنبھال
کہ ہو کے آئے ولایت سے ڈاکٹر اقبال

چڑھی ہوئی ہیں خوشی کی خمار سے آنکھیں
نشہ میں چور ہوں دل ہے مرا نہال نہال

خدا کے فضل سے وہ کیں ہیں ڈگریاں حاصل
کہ اس زمین میں جن کا ہے اندراج محال

گذشتہ پیر کو لاہور کے سٹیشن پر
رئیس سارے کھڑے تھے برائے استقبال

وہ لیٹ گاڑی کا ہونا وہ انتظارِ شدید
وہ ہر زباں پہ ترا ذکر سب کو تیرا خیال

دھوئیں کا اٹھنا وہ گاڑی کا یک بیک آنا
نکلنا کمرے سے تیرا بشکلِ بدرِ کمال

ترس گئی تھیں یہ آنکھیں کسی کے درشن کو
دوبارہ لایا یہ موقع وہ ایزدِ متعال

وہ کشمکش تھی احباب کو دیکھنے کی ترے
رسائی پانا بھی تجھ تک تھا ایک امرِ محال

گلے سے ملتے تھے تیرے اچھل اچھل کر دوست
کوئی تھا دور کے نظارہ ہی سے تیرے نہال

ترس ترس کے یہ موقع خوشی کا پایا ہے
کہ آئے خیر سے گھر ، پھر کے حضرتِ اقبال

تھی حاجت ایسے ہی لیڈر کی اہلِ خطہ کو
جواں خیال جواں سال اور جواں اقبال

تری ترقی کی دنیا ہے سامنے تیرے
زمانہ اب ہے موافق سنبھل میاں بھی سنبھال

گئے وہ دن کہ جو کہتے تھے اب مٹی یہ قوم
اڑا وہ رنگ جو سنتے تھے اب گرے پر و بال

یہی دعا ہے یہی آرزو یہی امید
کہ دوست شاد ہوں دشمن ترے رہیں پامال

اس کے بعد منشی غلام علی خاں غلامی خوشنویس پیسہ اخبار (لاہور) نے مندرجہ ذیل نظم پڑھی ۔

آمدِ اقبال سے جشنِ طرب گھر گھر ہوا
اوج پر ہے آج پھر لاہور کا اختر ہوا

دوست اور احباب خرم ہیں ترے دیدار سے
جبکہ تو مثلِ ہلالِ عید جلوہ گر ہوا

ڈگریاں پا کر ولایت سے تو آیا کامیاب
فلسفہ میں خاص کر بیکن کا تو ہمسر ہوا

کیوں نہ ہو ہندوستاں میں ترا شہرہ چار سو
ترا علم و فضل اور اخلاق جب برتر ہوا

ہو گیا پنجاب میں ممتاز شہرِ سیالکوٹ
فخر اس کو جبکہ تیرے نامِ نامی پر ہوا

فاضلانِ دہر میں پایا ہے تو نے امتیاز
کامیابی کا قلعہ ہمت سے تیری سر ہوا

حبذا ۔ تو خیریت سے واپس آیا پھر یہاں
حق میں دن لاہور کے یہ عید سے بڑھ کر ہوا

آ کہ تیری جا ہمارے چشم و دل میں ہے مدام
تیرا استقبال بزمِ عیش کا منظر ہوا

ہے غلامی بھی ترا مخلص قدیم اے نیک خو
خیر مقدم کو ترے یہ بھی بدل حاضر ہوا

تارا چند تارا ، دہلی دروازے لاہور کا حلوائے سوہن فروش تھا جس کو شاعری کا ذوق تھا ۔ ذوق صاحب نے

کمیٹی میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔[1] اس کے علاوہ ایک اور کارڈ آیا ہے مہربانی کر کے اس کی تعمیل بھی کریں۔ جو خط آپ نے میری طرف سے میگزین میں شائع کیا ہے اس کی چند کاپیاں (اگر وہ علیحدہ شائع ہوا ہو) مندرجہ ذیل پتے پر ارسال کر دیں:۔

غلام محمد ڈار متصل گھنٹہ گھر۔ گجرانوالہ۔ یہ صاحب آپ کے خریدار ہیں۔ اگر علیحدہ شائع نہ ہوا ہو تو ان کو جواب دے دیں۔ راقم

۱۱ مئی ۱۹۰۹ء

محمد اقبال

برادر مکرم و معظم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ ہمارے مربی و محسن جناب نواب سر آنریبل خواجہ محمد سلیم اللہ صاحب نواب بہادر، نواب ڈھاکہ نے ۵ فروری ۱۹۰۹ء کو وائسرائگل کونسل میں کشمیریوں کے متعلق فوج اور زمینداری کی بابت سوالات پیش کئے تھے۔ فوج کے متعلق تو لارڈ کچنر کمانڈر انچیف افواج ہند

اپنی کتاب "کلام فوق" (صفحہ ۱۰۰۰۰) میں ذکر کیا ہے کہ لاہور کی انجمن سخن جو پہلے بھاٹی دروازے ہوا کرتی تھی بعد میں دہلی دروازے ہونے لگی اور اللہ یار جوگی اور تارا لاہوری اس میں شریک ہوا کرتے تھے۔

[1] ۱۰ جنوری ۱۹۰۹ء کو کشمیری مسلمانان لاہور کا ایک اجلاس بلایا گیا جس میں اقبال بھی ایک رکن کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ ۲۴ جنوری کو سب کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں ایک انجمن بنام انجمن کشمیری مسلمانان لاہور قائم کی گئی۔ ۲ فروری کو انجمن کے عہدہ داروں کا انتخاب ہوا اور اقبال اس کے جنرل سکرٹری منتخب ہوئے۔ انجمن کے سامنے سب سے اہم مسئلہ پنجاب کے زراعت پیشہ کشمیری مسلمانوں کا تھا اس سلسلہ میں وہ گورنر جنرل کے پاس وفد لے جانے پر غور کر رہے تھے۔ مرزا افضل احمد کا خط اسی سلسلہ میں تھا۔

نے فرمایا کہ کشمیری مسلمانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے اگرچہ کشمیریوں کی کوئی کمپنی یا سکوارڈن علیحدہ موجود نہیں اس امر کے متعلق انجمن کشمیری مسلمانان لاہور علیحدہ کوشش کر رہی ہے۔ مگر فی الحال میں آپ کی توجہ دو سوالوں کی طرف منعطف کرنا چاہتا ہوں۔ زراعت پیشہ اقوام کے متعلق جو جواب نواب صاحب کے سوال کا دیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ لوکل گورنمنٹ جس قوم کو مناسب سمجھتی ہے اقوام بندی زمینداری میں شامل کر لیتی ہے۔ گورنمنٹ پنجاب کو یہ دونوں سوال اور جواب زمینداری کے متعلق حضور وائسرائے بہادر نے بھیج دیئے تھے۔ گورنمنٹ ممدوح نے حکم جاری فرمایا ہے کہ کمشنر اپنے اپنے علاقہ کی مفصل رپورٹ کریں کہ آیا کشمیری مسلمان اقوام بندی زمینداری میں شامل کر لئے جائیں یا کئے جانے کے لائق ہیں۔ کمشنر صاحب بہادر نے ڈپٹی کمشنروں کے نام حکم صادر فرمایا ہے کہ وہ ان کو اس معاملہ میں مدد دیں۔ ڈپٹی کمشنروں نے تمام کشمیری زمینداروں کی ایک فہرست مرتب کرائی ہے جس سے ان کو معلوم ہوگا کہ پنجاب میں کتنے کشمیری زراعت پیشہ ہیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب سیالکوٹ کا حکم نہایت صاف ہے انھوں نے تحصیلداروں سے چار امور دریافت فرمائے ہیں یعنی (۱) قوم کشمیری کے افراد کا عموماً کیا پیشہ ہے (۲) کس قدر کشمیری ایسے ہوں گے جن کا گذارہ صرف زراعت کاری پر ہے (۳) اگر وہ مالکانِ اراضی ہیں تو کب سے انھوں نے زمین حاصل کی ہے (۴) کوئی کشمیری دخیل کار ہے یا نہیں۔ اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ مفصلات اور شہروں میں بود و باش رکھنے والے زراعت

پیشہ کشمیریوں کی جو فہرست تیار ہوگی اس میں مندرجہ بالا چار امور کا خیال کیا جاتا ہے۔

آپ مہربانی فرماکر تحصیلدار صاحبوں کو اس فہرست کے مرتب کرنے میں خود بھی امداد دیں اور دیکھیں کہ یہ فہرست بموجب حکم صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے تیار کی جاتی ہے یا نہیں۔ تمام اہلِ خطہ کو جو آپ کے علاقہ میں رہتے ہیں ان کو مفصل طور پر یہ سمجھا دیا جائے کہ وہ اپنے اپنے گاؤں میں بھی فہرست کے تیار کرنے میں امداد دیں تاکہ مکمل فہرست تیار ہو اور ہماری عادل گورنمنٹ کو معلوم ہو جائے کہ کشمیری کس قدر پنجاب میں زمیندار ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔ اگر آپ کو معلوم ہو کہ یہ فہرست بموجب حکم صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر تیار نہیں ہوئی تو صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست کریں کہ وہ ان کو بموجب حکم کے تیار کرانے کا حکم صادر فرمائیں۔

جو نقشہ کہ تیار ہو رہا ہے اس کی ایک نقل انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کے پاس جس قدر جلد ممکن ہو سکے ارسال فرمانے کی کوشش کریں۔

یہ چٹھی اپنے بھائیوں کو جو مفصلات میں رہتے ہیں جلدی بھیج دیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کس قسم کی فہرست تیار ہونی چاہیے۔ اگر وہ دیکھیں کہ فہرست بموجب حکم بالا تیار نہیں ہوئی یا ہوتی تو وہ آپ کی معرفت صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سے خط و کتابت کریں۔

اس غرض کے لئے کہ مندرجہ بالا امر میں تمام قوم کے افراد متفقہ طور پر اپنی بہبودی کے لئے کوشش کر سکیں اور نیز دیگر امور کیلئے

جو قوم سے بحیثیت مجموعی تعلق رکھتے ہوں میں تحریک کرتا ہوں کہ آپ اپنے سنٹر میں ضرور کشمیری مجلس قائم کریں۔ اس کے علاوہ ہر ایسے مقام میں جہاں آپ کا اثر ہو اپنے دیگر بھائیوں کو کشمیری مجلس قائم کرنے کی ترغیب بھی دیں کیونکہ اس طریق سے نہ صرف قوم کے افراد میں اتحاد و یگانگت کی صورت پیدا ہو گی بلکہ قومی حقوق کی حفاظت اور توسیع میں بھی سہولت ہو گی۔

خاکسار محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا۔
جنرل سکرٹری انجمن کشمیری مسلمانان لاہور[1]

بصحن گلشن ما صورت بہار بیا
کشادہ دیدۂ گل بہر انتظار بیا

۷ر مارچ ۱۹۱۲ء

اقبال

ڈیر فوق۔

السلام علیکم۔ کیا آپ آج کل لاہور میں ہیں یا میر اکدل میں[2] ایک دفعہ آپ نے کشمیری میگزین میں میرے حالات شائع کئے تھے

---

[1] یہ وہی خط ہے جس کا حوالہ اقبال نے اپنے خط مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۰۹ء میں دیا ہے اور جو فوق صاحب نے کشمیری میگزین بابت مئی ۱۹۰۹ء میں چھاپا تھا۔

[2] دریائے جہلم سرینگر کے وسط میں سے گزرتا ہے اور اس پر کئی پل ہیں۔ میر اکدل ان پلوں میں سے ایک مشہور پل ہے۔

اگر اس نمبر کی کوئی کاپی آپ کے پاس رہ گئی ہو تو ارسال فرمایئے پھر واپس کر دی جائے گی۔ اگر پاس نہ ہو تو کہیں سے منگوا دیجئے[1]۔ زیادہ کیا عرض کروں آپ کبھی ملتے ہی نہیں۔ اب تو آپ پیر طریقت بھی بن گئے[2]۔ خدا کرے کہ جلد حافظ جماعت[3] علی شاہ صاحب کی طرح آپ کے ورودِ کشمیر کے متعلق اطلاعیں شائع ہوا کریں۔ والسلام۔
اس کارڈ کا جواب جلد ملے۔

آپ کا خادم محمد اقبال لاہور
۲۲ر جولائی 1915ء

ڈیر فوق۔

السلام علیکم۔ آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے۔ بھلا آپ کو کیونکر آنے کی ممانعت ہو سکتی ہے۔ میں نے اس خیال سے لکھا تھا کہ آپ مصروف آدمی ہیں اس لئے آنے میں حرج ہوگا اور تکلیف مزید کہ انار کلی شیراں والے دروازہ سے دور ہے۔

کتاب جب آ جائے تو ضرور ہمراہ لایئے بلکہ اس کے آنے میں دیر ہو تو بلا کتاب تشریف لایئے۔

---

[1] - کشمیری میگزین بابت اپریل ۱۹۰۹ء میں اقبال کی اس زمانے کی تصویر اور حالات شائع ہوئے تھے۔ یہ حالات فوق صاحب کے خطوط کے بعد بطور ضمیمہ شامل کئے جا رہے ہیں۔

[2] - فوق صاحب نے ۱۹۱۴ء میں تصوف کے موضوع پر ایک رسالہ "طریقت" جاری کیا جو تقریباً ۴ سال تک شائع ہوتا رہا۔

[3] - حافظ جماعت علی شاہ اس زمانے کے مشہور پیر تھے جن کا حلقہ مریدین بہت وسیع تھا۔

لاہور ۲۳ ستمبر ۱۵ء

ڈئیر صوفی ۔ السلام علیکم

دونوں کتابیں مل گئی ہیں۔ انگریزی کتاب عجیب ہے مگر اس کا

موضوع ہے۔ افسوس ہے آپ کو نقش میں تکلیف ہوئی

وحیدالدین کا شعر خوب ہے۔ مگر تعجب ہے کہ شیخ ملد کے ملحد اور

زندیق تھا۔ اس کا شعر "من چہ پرواے مصطفیٰ دارم" کو آپ

نے کتاب میں جگہ دی ہے۔ اور پھر ملد کی تشریح کس قدر بے ہودہ

ہے۔ یہی وجہ وحدت الوجود ہے جس پر حافظ شیرازی اور ابن عربی

کو ناز ہے؟۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب

مسلمانوں کو ان کے تصوف سے محفوظ رکھے ۔ یہ لوگ دوسرے مذہب رکھتے ہیں

۲۱ر دسمبر کا 'کشمیری'[1] اور 'وجدانی نشتر'[2] مری نظر سے نہیں گذرے

والسلام۔

آپ کا خادم محمد اقبالؔ

لاہور ۲۱ر دسمبر ۱۹۱۵ء

4523

لاہور ۲۳ر دسمبر ۱۵ء

ڈیر فوقؔ

السلام علیکم۔

دونوں کتابیں مل گئی ہیں۔ انگریزی کتاب پہلے سے میرے پاس موجود ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو مفت میں تکلیف ہوئی۔

---

[1] ۱۱ر دسمبر ۱۹۱۵ء کے 'کشمیری' (ہفتہ وار) میں فوق صاحب نے ایک واقعہ کا ذکر کیا تھا جس کا عنوان تھا۔ "ڈاکٹر اقبال کی ایک نظم کا اثر"۔ واقعہ یہ تھا کہ بیگم صاحبہ بہاول پور نے ایک لوکل زنانہ اخبار کی ایڈیٹر صاحبہ سے اثنائے گفتگو میں فرمایا "جب سے میں نے

آتا ہے یاد مجھ کو گذرا ہوا زمانہ

وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ

والی نظم پڑھی ہے میں نے تیتر، بٹیر اور چڑیوں کا کھانا قطعی چھوڑ دیا ہے بلکہ جب میں کسی بلبل یا چڑیا کو اسیر دیکھتی ہوں تو میرے دل پر بہت چوٹ لگتی ہے اور فوراً مجھے یاد آجاتا ہے

آزاد کر دے مجھ کو او قید کرنے والے

میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے"

[2] فوق صاحب کی ایک تصنیف جس کا دوسرا نام 'سوز و گداز' بھی ہے۔ اس میں عربی، فارسی، اردو اور پنجابی کے ایسے اشعار جمع کئے گئے ہیں جن کو بزرگان دین نے وجد و حال کے طور پر استعمال کیا ہے۔

"وجدانی نشتر"[1] خوب ہے مگر تعجب ہے کہ شیخ ملّا[2] کے ملحدانہ و زندیقانہ شعر "من چہ پروائے مصطفٰے دارم"[3] کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں اور پھر ملّا کی تشریح کس قدر بے ہودہ ہے۔ یہی وہ وحدت الوجود ہے جس پر خواجہ حسن نظامی اور اہلِ طریقت کو ناز ہے؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب مسلمانوں کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ ریویو دوسرے صفحے پر درج ہے۔

محمد اقبال

مکرم بندہ

کتاب "مشاہیرِ کشمیر"[4] مل گئی ہے۔ شکریہ قبول کیجئے۔ مولوی محمد دین صاحب کی خدمت میں میرا سلام لکھئے۔ والسلام۔

خاکسار محمد اقبال لاہور ۲۶ رجولائی ۱۶ء

---

[1] "وجدانی نشتر" کے متعلق اقبال کی تفصیلی رائے "طریقت" بابت جون ۱۹۱۷ء میں یوں درج ہے:۔

"مولوی محمد الدین فوق ایک صاحبِ ذوق آدمی ہیں۔ ان کی جدت پسند طبیعت ہمیشہ انوکھی باتوں کی تلاش میں رہتی ہے۔ حال میں انھوں نے ایک کتاب موسوم بہ وجدانی نشتر لکھی ہے جس میں عربی، فارسی، اردو اور پنجابی اشعار جمع کر دیئے ہیں جو تاریخی اعتبار سے ایک خاص اثر اور سوز و گداز کا باعث ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی تالیف میں ان کو بہت محنت کرنی پڑی ہوگی مگر مولوی محمد الدین محنت سے گھبرانے والے نہیں۔ کتاب نہایت اچھی اور دلچسپ ہے اور انسانی قلب کی گوناگوں کیفیات پر روشنی ڈالتی ہے۔ فوق صاحب کی تلاش قابلِ داد ہے۔"

[2] اصلی نام ملّا شاہ بدخشی ہے جو دارا شکوہ کا استاد اور میاں میر صاحب کا مرید تھا۔ ملّا شاہ بدخشی کا مختصر حال "دبستان المذاہب" میں مل سکتا ہے جہاں میاں میر صاحب اور ملّا شاہ کی عجیب و غریب تاویلات کا ذکر موجود ہے۔

[3] پورا شعر یہ ہے۔

پنجہ در پنجۂ خدا دارم
من چہ پروائے مصطفٰے دارم

[4] "مشاہیرِ کشمیر" فوق صاحب کی ایک کتاب ہے جس میں اقبال کے مفصل حالاتِ زندگی درج ہیں۔

لاہور ۶ مارچ ۱۹۱۷ء

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا دستی خط مل گیا ہے۔ منشی قمرالدین[1] جن کو آپ نے سفارشی خط دے کر بھیجا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ان کو اجازت دی جائے۔ مجھے یہ بات گذشتہ تجربے سے معلوم ہے۔ ورنہ میری عادت میں کسی کو محروم کرنا داخل نہیں۔ علاوہ اس کے یہ لوگ تجارتی اغراض کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ شعر غلط چھپا ہے یا صحیح۔ اس کے بعد اعتراض مجھ پر ہوتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظموں کو میں نے شائع کیا ہے۔

اس سے پیشتر میں اس شخص پر مقدمہ دائر کرنے کو تھا مگر مولوی ظفر علی خاں[2] کے کہنے سے باز رہا۔ اس نے اس سے پیشتر میری نظموں کو میری اجازت کے بغیر شائع کر دیا تھا۔ اب یہ سب معاملہ مولوی احمد[3] دین وکیل کے سپرد کیا ہے کہ اگر کوئی میرا کلام میری اجازت کے بغیر چھاپے تو اس پر دعویٰ کر دیا جائے۔

---

[1] منشی قمرالدین ایک مقامی تاجر کتب جس نے بلا اجازت اقبال کی نظمیں کتابی صورت میں شائع کی تھیں۔ یہ واقعہ بانگ درا کی اشاعت سے قبل کا ہے۔ بانگ درا پہلی بار ستمبر ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔

[2] مولوی ظفر علی خاں اخبار "زمیندار" لاہور کے مالک اور ایڈیٹر اور سیاسی راہنما تھے۔

[3] مولوی احمد دین بھاٹی دروازے لاہور کے مشہور وکیل اور اقبال کے عزیز دوست تھے۔ انھوں نے ہی سب سے پہلے ایک کتاب "اقبال" لکھی تھی لیکن اقبال کے آزردہ ہونے پر اسے جلا ڈالا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں یہی کتاب ترمیم کرنے کے بعد دوبارہ شائع کی۔ "سرگزشت الفاظ" ان کی دوسری مشہور کتاب ہے

اخباروں میں جو کچھ شائع ہوا ہے اسے میں نے پڑھا ہے۔ مگر سب اخبار میری نظر سے نہیں گزرتے۔ "مخبر دکن" کے لئے شکرگزار ہوں مجھے اس معاملہ کا مطلق علم نہیں نہ میں نے حیدرآباد میں کسی کو لکھا ہے نہ وہاں سے مجھے کسی نے تحریک کی ہے۔ میرے خیال میں یہ بات محض اخباری گپ شپ ہے۔ حیدرآباد میں تو مجھ سے بہتر آدمی موجود ہوں گے۔[1]

اودھ پنچ (لکھنو) نے جو اعتراضات مجھ پر کئے ہیں ان کا مجھے علم نہیں۔ وہ پرچہ تلاش کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ ان اعتراضوں میں کوئی کام کی بات ہو۔ لکھنو والے یا اور معترض یہ خیال کرتے ہیں کہ اقبال شاعر ہے۔ مگر میری غرض شاعری سے زبان دانی کا اظہار یا مضمون آفرینی نہیں نہ میں نے آج تک اپنے آپ کو شاعر سمجھا ہے۔ حقیقت میں فن شاعری اس قدر دقیق اور مشکل ہے کہ ایک عمر میں بھی انسان اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ پھر میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہوں جسے روزی کے دھندوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ میرا مقصود گاہ گاہ نظم لکھنے سے صرف اسی قدر ہے کہ چند مطالب جو میرے ذہن میں ہیں ان کو مسلمانوں تک پہنچا دوں اور بس والسلام۔[2]

---

[1] اخبار "مخبر دکن" میں یہ خبر چھپی تھی کہ حیدرآباد دکن ہائی کورٹ کی ججی کے سلسلے میں اقبال کا نام اکثر لیا جا رہا ہے۔ شادؔ اقبال کے مطالعے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے (خط نمبر ۹، صفحہ ۳۷)۔ خط نمبر ۲۱ (صفحہ ۴۲) میں اقبال لکھتے ہیں "یہاں پنجاب اور یوپی کے اخباروں میں چرچا ہوا تو دور دور سے مبارک باد کے تار بھی آ گئے"۔ اسی طرح خط نمبر ۲۳ (صفحہ ۴۴) میں اقبال لکھتے ہیں: "مخبر دکن سے معلوم ہوا ہے کہ حیدرآباد ہائی کورٹ کی ججی کے لئے چند نام حضور نظام کے سامنے پیش کئے گئے ہیں جن میں ایک نام خاکسار کا بھی ہے......"

[2] اودھ پنچ لکھنو کا مشہور مزاحیہ ہفتہ وار اخبار جو ۱۹۱۷ء میں جاری ہوا۔ اس میں اقبال کی شاعری پر اعتراضات شائع ہوتے رہے۔

امید ہے کہ آپ قمرالدین صاحب کو اجازت نہ دینے سے ناراض نہ ہوں گے۔ غالباً آپ کو ان کے حالات کا پہلے علم نہ تھا ورنہ آپ ان کی سفارش نہ کرتے۔

کسی روز ضرور ملیئے۔ آپ کی "فوقیت" اب اس قدر بلند ہو رہی ہے کہ نظر ہی سے غائب ہو گئی۔

مخلص محمد اقبالؔ

لاہور ۸ جون ۱۷ء

ڈیر فوق

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ کشمیر اور اہل کشمیر پر مختلف کتابیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں پر اور ان کے لٹریچر پر احسان کیا ہے البتہ کشامرہ کی قبر پرستی ایک ایسا مضمون ہے جس پر جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ اس طرف سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

رسالہ 'رہنمائے کشمیر' جو حال میں آپ کے قلم سے نکلا ہے نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ طرز بیان بھی دلکش ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ عام لوگوں کے لئے نہایت مفید ہوگا۔ افسوس ہے کہ میں نے آج تک کشمیر کی سیر نہیں کی لیکن امسال ممکن ہے کہ آپ کا رسالہ مجھے بھی ادھر کھینچے۔

'اسرار خودی' کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ مدت ہوئی پہلا ایڈیشن جس کی تعداد بہت نہ تھی ختم ہو گئی۔ میں نے ارادۃً کم تعداد

میں چھپوائی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ عربی اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے اس واسطے اس کے مضمون سے بہت کم لوگوں کو دلچسپی ہوگی۔ ممکن ہے کہ دوسری ایڈیشن شائع ہو۔ ایسا ہوا تو سب سے پہلے ایک کاپی آپ کی خدمت میں مرسل ہوگی۔

اس مثنوی کا دوسرا حصہ قریب الاختتام ہے۔ والسلام

مخلص محمد اقبالؔ لاہور

ڈیر فوقؔ

السلام علیکم۔ آپ کا خط مع ملفوف اخبار مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ ہے۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (جرنل) کے بعض نمبر پنجاب پبلک لائبریری اور شاید یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہیں۔ آپ کسی روز جاکر خود دیکھیں۔ رسالہ نظام کا اجرا مبارک ہو۔ میرے خیال میں تو آپ 'طریقت' کو ہی فروغ دیتے تو شاید حضور نظام تصوف کی اشاعت کا صلہ عطا فرماتے۔ محمد دین صاحب صوفی[1] آپ سے بہتر نہیں ہیں لیکن وہ آدمی معاملہ فہم اور کارداں ہے۔ میں بھی آپ کے لئے انشاءاللہ کچھ لکھوں گا۔

حکیم محمد دین صاحب کئی روز سے نہیں ملے۔ خدا کرے کہ اچھے ہوں۔ آپ سے ملیں تو میری طرف سے استفسار حال کیجئے۔ والسلام

محمد اقبالؔ لاہور ۱۶ر دسمبر ۱۸ء

---

[1] مولوی محمد دین مدیر رسالہ "صوفی" منڈی بہاء الدین

لاہور ۲۸ر دسمبر ۱۸ء

ڈیر فوقؔ صاحب السلام علیکم۔

آپ کا خط مل گیا ہے جس میں اودھ پنچ کا ایک صفحہ ملفوف تھا۔ میں لاہور میں ہوں سردی کی وجہ سے کہیں باہر نہیں گیا۔

نظم زیرِ تنقید میری ابتدائی نظموں سے ہے اس میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن تعجّب ہے کہ معترض نے ان میں سے ایک پر بھی اعتراض نہیں کیا اور جس قدر اعتراض ہیں غالباً کتابت کی غلطیوں پر ہیں۔ لوگ اس نظم کو بار بار چھاپتے ہیں اور بغیر میری اجازت کے، کم از کم مجھے پروف ہی دکھا لیا کریں۔ اس کا علاج میرے پاس کچھ نہیں۔ والسلام

محمد اقبالؔ لاہور

محمد اقبال لا

ڈیر فوقؔ۔ السلام علیکم۔

خط دستی ابھی موصول ہوا۔ کل گورکھپور سے حکیم برہمؔ کا خط آیا تھا۔ انھوں نے مجھے ۸ر کا ریاض الاخبار ارسال کرنے کا وعدہ کیا ہے مگر ابھی پہنچا نہیں۔ اس پرچہ سے حضرت ریاض کی رائے معلوم ہو گی۔ حکیم برہمؔ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کے بہت مشکور ہیں۔[1] والسلام

آپ کا اقبالؔ

---

[1] حکیم برہمؔ گورکھپور کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ایک ہفتہ وار اخبار "مشرق" جاری کیا جو نہایت سنجیدہ، باوقار اور مہذب پرچہ تھا۔

اس انگریزی مضمون کا ترجمہ بھی انشاء اللہ ضرور شائع ہوگا۔ غالباً شیخ عبدالقادر صاحب کریں گے کیونکہ انھوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری نیوز کا میری طرف سے شکریہ ادا کر دیں۔

آپ کا اقبالؔ

میں ایڈیٹر صاحب سول اینڈ ملٹری نیوز کا دل سے ممنون ہوں۔ جو رائے انھوں نے میرے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی نسبت اپنے قیمتی اخبار میں ظاہر فرمائی ہے حقیقت میں میں اس کے قابل نہیں۔

"حق تو یوں ہے کہ وہ ہیں سب شعرا سے بد تر
آپ اچھے ہیں جو کہتے ہیں جلال اچھا ہے"

میں ایڈیٹر صاحب کو اطمینان دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ اس انگریزی مضمون کا ترجمہ شیخ عبدالقادر صاحب ایڈیٹر "مخزن" کریں گے۔[۱]

اقبالؔ

لفافہ پر نوٹ

علیگڈھ منتھلی کا آخری نمبر ضرور دیکھئے اس میں حسرت موہانی نے ایک نہایت بزدلانہ حملہ آپ پر کیا ہے۔

اقبالؔ

---

[۱] اس خط پر اگرچہ تاریخ درج نہیں لیکن مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۰ء میں تحریر کیا گیا ہے کیونکہ بعد میں شیخ عبدالقادر صاحب کو سر کا خطاب دیا گیا تھا۔

ڈیر فوق السلام علیکم۔

ایک کاپی اس نظم کی مجھے بھی ارسال کیجیے جو میں نے آپ کو 'نظام' میں شائع کرنے کے لئے بھیجی تھی۔ اس کا مسودہ بھی میرے پاس موجود نہیں[1]۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

۲۵ر فروری ۱۹ء

ڈیر فوق۔ السلام علیکم۔

دونوں کتابوں کا پیکٹ ابھی ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ نے 'تاریخ حریتِ اسلام'[2] بھی لکھی ہے۔ یہ کتاب لاجواب ہو گی اور مسلمانوں کے لئے 'تازیانے' کا کام دے گی۔ آپ بڑا کام کر رہے ہیں۔ اس کا اجر خدا تعالیٰ کی درگاہ سے ملے گا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۲۷ر اکتوبر ۲۰ء

---

[1] 'نظام' کا پہلا شمارہ فروری ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا تھا اس میں اقبال کی مندرجہ ذیل نظم شائع ہوئی تھی۔

مکافاتِ عمل

ہر عمل کے لئے ہے ردِّ عمل — دہر میں نیش کا جواب ہے نیش
شیر سے آسمان لیتا ہے — انتقام غزال و اشتر و میش
سرگزشت جہاں کا سرِّ خفی — کہہ گیا ہے کوئی نکو اندیش
شمع پروانہ را بسوخت و لے — زود بریاں شود بہ روغن خویش

[2] 'تاریخ حریتِ اسلام' میں زمانۂ رسالت، عہد خلافت راشدہ، بنی امیہ اور بنی عباس سے لیکر عہدِ حال تک

لاہور ۱۲ مارچ ۲۲ء

مکرم بندہ - السلام علیکم -

مجھے یہ معلوم کرکے کمال مسرت ہوئی کہ آپ تذکرۂ شعرائے کشمیر لکھنے والے ہیں - میں کئی سالوں سے اس کے لکھنے کی تحریک کر رہا ہوں مگر افسوس کسی نے ادھر توجہ نہ کی - آپ کے ارادوں میں اللہ تعالیٰ برکت دے -

افسوس ہے کہ کشمیر کا لٹریچر تباہ ہوگیا - اس تباہی کا باعث زیادہ تر سکھوں کی حکومت اور موجودہ حکومت کی لاپروائی اور نیز مسلمانانِ کشمیر کی غفلت ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ وادیٔ کشمیر کے تعلیم یافتہ مسلمان اب بھی موجودہ لٹریچر کی "تلاش و حفاظت کے لیے ایک سوسائٹی بنائیں ؟ ہاں تذکرۂ شعرائے کشمیر لکھتے وقت مولانا شبلی کی شعر العجم آپ کے پیش نظر رہنی چاہیے - محض حروف تہجی کی ترتیب سے شعرا کا حال لکھ دینا کافی نہ ہوگا - کام کی چیز یہ ہے کہ آپ کشمیر

کے راست باز، حق پرست، حق گو بزرگوں کے حیرت خیز، جرأت آفریں استقلال اور جوش و ایثار کے عبرت آموز حالات درج ہیں - اس کتاب پر اقبال کی تفصیلی رائے ذیل میں درج کی جاتی ہے -

" فوق کو اسلامیات سے ہمیشہ شغف رہا ہے - اس سے پہلے ان کی متعدد تصانیف شائع ہو چکی ہیں لیکن حق یہ ہے کہ "حریتِ اسلام" ان کی بہترین تصنیف ہے - دلیری اور بے باکی سے اعلانِ حق کرنا گذشتہ مسلمانوں کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو تھا مگر افسوس کہ عصر حاضر کے عام مسلمان تو تاریخ اسلامی سے بالکل بے بہرہ ہیں - اچھے اچھے تعلیم یافتہ موٹے موٹے واقعات سے بھی بے خبر ہیں - ان حالات میں فوق صاحب کی تصنیف پنجاب کے اسلامی لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان خاندان اس بیش بہا کتاب کے مطالعے سے محروم نہ رہے گا - اسلامی سکولوں اور کالجوں کے کتب خانے خاص طور پر اس کے مطالعے کی طرف توجہ کریں - اس زمانے میں جبکہ جمہوریت کی روح ہندوستان میں نشو و نما پا رہی ہے دیگر اہلِ ملک کے لئے بھی یہ کتاب سبق آموز ہوگی " (۱۳ مارچ ۱۹۲۱ء)

میں فارسی شعر کی تاریخ لکھیں۔

مجھے یقین ہے کہ ایسی تصنیف نہایت بارآور ہوگی اور اگر کبھی خود کشمیر میں یونیورسٹی بن گئی تو فارسی زبان کے نصاب میں اس کا کورس ہونا یقینی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ کشمیر کی قسمت عنقریب پلٹا کھانے والی ہے۔ امید ہے کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ میرے پاس کوئی مسالہ تذکرہ شعرا کے لئے نہیں ہے ورنہ آپ کی خدمت میں ارسال کرتا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

لاہور ۱۹ دسمبر ۲۲ء

ڈیر فوق صاحب السلام علیکم۔

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ آپ کے مصائب[1] کا حال سن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ صبرِ جمیل عطا فرمائے مولوی عبداللہ[2] غزنوی آج حدیث کا درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کی خبر موصول ہوئی۔ ایک منٹ تامل کیا۔ پھر طلبا کو مخاطب کرکے کہا

"ما برضائے او راضی ہستیم بباید کہ کار خود بکنیم"

۱؎ یہ خط اقبال نے محمد دین فوق کے لڑکے کی وفات پر تعزیت کے لئے لکھا تھا۔

۲؎ مولوی عبداللہ غزنوی، غزنوی خاندان کے اولین فرد ہیں جو افغانستان سے ہجرت کرکے ہندوستان میں آکر آباد ہوئے۔ مولانا غزنوی توحید و سنت کے علمبردار تھے اور انھوں نے ساری عمر بدعت کے خلاف جہاد کیا اور اسی وجہ سے انھیں افغانستان سے ہجرت کرنا پڑی۔ بڑے فاضل اور صاحب دل بزرگ تھے۔

یہ کہہ کر پھر درس میں مصروف ہو گئے۔ مخلص مسلمان اپنے مصائب کو بھی خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔

"شباب کشمیر" ضرور لکھیے بہت مفید کتاب ہو گی[۱]۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کے لوگوں میں خودداری کی روح پیدا کی جائے میں نے بھی ایک نظم اس مضمون پر لکھی ہے جو عنقریب فارسی مجموعے[۲] میں شائع ہو گی۔ افسوس ہے کہ مجھے تاریخ کشمیر سے بہت کم آگاہی ہے ممکن ہے پنڈت شونرائن آپ کی مدد کر سکیں۔ راج ترنگنی غالباً ان کے پاس ہے۔ اگر نہ ہوئی تو پنجاب پبلک لائبریری سے ضرور مل جائے گی[۳]۔ "اسلام میں سیاست" ۱۴ سال ہوئے انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا یعنی ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں انقلاب ہو رہا تھا جس کا نتیجہ آخر کار ۱۹۰۹ء میں عبدالحمید خاں کی معزولی ہوا۔ یہ مضمون لندن کے سوشیالاجیکل ریویو میں

۱۔ شباب کشمیر، کشمیر کے اس دور کی تاریخ ہے جب مشہور بادشاہ زین العابدین المعروف بہ بڈشاہ حکمران تھا اور جسے کشمیر کا دورِ زریں کہا جاتا ہے۔

۲۔ فارسی مجموعے سے مراد "پیام مشرق" ہے جو پہلی بار ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں کشمیر کے عنوان سے ایک نظم ہے (صفحہ ۱۵۵) جس کا مطلع ہے:

رخت بہ کاشمر گشا، کوہ و تل و دمن نگر	سبزہ جہاں جہاں ببیں لالہ چمن چمن نگر

اس کے علاوہ ساقی نامہ ہے جو نشاط باغ کشمیر میں لکھا گیا۔ اس میں وہ جذبات پائے جاتے ہیں جن کا اظہار اس خط میں اقبال نے کیا ہے۔ ساقی نامہ کے چند آخری اشعار یہ ہیں:

کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ	بتے می تراشد ز سنگ مزارے
ضمیرش تہی از خیال بلندے	خودی ناشناسے ز خود شرمسارے
ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری	کہ خاکسترش آفریند شرارے

۳۔ راج ترنگنی کشمیر کی مستند تاریخ ہے جس کے انگریزی اور اردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

شائع ہوا تھا۔ پیسہ اخبار نے اس کا ترجمہ بہت غلط شائع کیا ہے۔ صحیح ترجمہ زمیندار میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ چودھری محمد حسین صاحب ایم۔ اے سکریٹری نواب سر ذوالفقار علی صاحب نے کیا تھا۔ معتبر ہے۔ اگر آپ چھاپنا چاہیں تو بڑی خوشی سے پمفلٹ فارم میں شائع کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں البتہ چودھری صاحب سے بھی اجازت لے لیں تو بہتر ہے۔ وہ ایک آدھ روز کے لئے سیالکوٹ جانے والے ہیں۔ وہاں سے جنوری کے شروع میں واپس آئیں گے ان کو اجازت دینے میں مجھے یقین ہے تامل نہ ہوگا۔[۱] انگریزی اصل چند روز ہوئے مسلم آؤٹ لک میں چھپا تھا۔ وہ مطلوب ہو تو مسلم آؤٹ لک سے طلب فرمائیں۔

باقی رہے میرے حالات سو ان میں کیا رکھا ہے۔ میرا طرز رہائش مشرقی ہے آپ شوق سے تشریف لا سکتے ہیں۔ والسلام۔

محمد اقبال

ڈیر فوق۔ السلام علیکم۔

مخدومی جناب مولوی صاحب نے جو نام لکھے ہیں ان میں سے میں کسی کو نہیں جانتا سوائے عشق پیچہ شاعر کے جو کوئی شاعر نہ تھا۔ ہاں تک بند ضرور تھا۔

سیالکوٹ کے قدیم مشہور شعرا میں سے شیخ محمد علی رائج تھے۔ ان کا دیوان فارسی میں بہت ضخیم میں نے خود دیکھا ہے۔ غالباً

---

[۱] یہ مضمون خلافت اسلامیہ کے نام سے محمد دین فوق نے ۱۹۲۰ میں شائع کر دیا تھا

شاہ جہاں یا عالمگیر کے عہد میں تھے۔ ٹیک چند نے 'بہارِ عجم' میں جا بجا ان کے اشعار کو محاورات فارسی کی سند میں لکھا ہے۔ ایک شعر ان کا مجھے بھی یاد ہے۔

از جوانے سرو قد دیگر بہ بند افتادہ ام
دوستاں، جمے کہ از بام بلند افتادہ ام

غالباً کسی نہ کسی تذکرے میں ان کا ذکر آپ کو ضرور مل جائے گا۔ مولوی صاحب قبلہ میر حسن صاحب کے متعلق جہاں تک مجھے یاد ہے میری کوئی نظم نہیں۔ شاید کوئی شعر اشارتاً کسی نظم میں ہوئے

والسلام۔

محمد اقبال لاہور

۴ مارچ ۲۳ء

ڈیر فوق صاحب![1]

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ تا حال ہر طرح خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اگر آپ نے خواب میں مجھے دوزخ میں دیکھا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ آج کل لاہور دوزخ سے کم نہیں۔ باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور ۳۰ جون ۲۴ ۱۹ء

---

[1] فوق صاحب اسیالکوٹ کے شعرائے متعلق ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک خط لکھ کر مولانا میر حسن سے مشورہ چاہا۔ ان کا جواب آنے پر فوق نے اقبال کو خط لکھا۔ اقبال کا یہ خط اسی کے جواب میں ہے۔

ڈیر فوق۔

اودھ پنچ کا مضمون "بیماران لکھنو" کے جواب میں ہے۔ مجھے پہلے سے خیال تھا کہ اس کا جواب لکھا جائے گا۔ بہر حال موجودہ لٹریری مذاق کی حالت قابل ماتم ہے۔

ذخیرۃ الملوک[1] کے دیکھنے کا میں بھی مشتاق ہوں۔ کوئی شخص کشمیر میں اس کا ترجمہ اردو زبان میں کر رہا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

۵ مئی ۱۹۲۶ء

لاہور ۲۰ اپریل ۲۹ء

ڈیر فوق صاحب۔

السلام علیکم۔

اخبار انقلاب میں آپ کی اہلیہ کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خدا تعالیٰ مرحومہ کو جنت عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل۔ تقدیر الٰہی سے کوئی چارہ نہیں۔ مسلمان کے لئے تسلیم کے سوا کوئی راہ نہیں اور یہی راہ انسب و اولیٰ ہے۔

والسلام۔

محمد اقبال

---

[1] ذخیرۃ الملوک امیر کبیر سید علی ہمدانی کی مشہور تصنیف ہے۔ جاوید نامہ میں اقبال نے انھیں شاہ ہمدان کے نام سے پکارا ہے۔

نوٹ:۔ اقبال کا یہ خط نظام الدین ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر پولیس جموں کے اس اشتہار پر تحریر ہے جس میں ۸۰ کتب کے قلمی نسخے (بشمول ذخیرۃ الملوک) طبع کرانے کا اعلان کیا گیا تھا۔

ڈیر فوق صاحب!

مجھے معلوم نہیں لفظ سپرو کے معانی کشمیری زبان میں کیا ہیں ممکن ہے اس کے معنی وہی ہوں جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں یعنی وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بڑوں کی سی ذہانت دکھائے. البتہ کشمیری برہمنوں کی جو گوت سپرو ہے اس کے اصل کے متعلق جو کچھ میں نے اپنے والد مرحوم سے سنا تھا وہ عرض کرتا ہوں۔

جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا تو براہمہ کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف بوجہ قدامت پرستی یا اور وجوہ کے توجہ نہ کرتے تھے ۔ اس قوم میں سے پہلے جس گروہ نے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومت اسلامی کا اعتماد حاصل کیا وہ سپرو کہلایا۔ اس لفظ کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے (یا جس نے سب سے پہلے پڑھنا شروع کیا)۔ س تقدم کے لئے کئی زبانوں میں آتا ہے اور پرو کا روٹ وہی ہے جو ہمارے مصدر پڑھنا کا ہے.

والد مرحوم کہتے تھے کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو از راہ تعریض و تحقیر دیا تھا جنھوں نے قدیم رسوم و تعلقات قومی و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان و علوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ نام ایک مستقل گوت ہو کر مشہور ہو گیا ہے۔

دیوان ٹیک چند (ایم اے) جو پنجاب میں کمشنر تھے، ان کو تحقیق لسان کا بڑا شوق تھا۔ ایک دفعہ انبالہ میں انھوں نے مجھ

سے کہا تھا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ شاہ پور سے ہے اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہوئے اور اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

پنجاب میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی گھر مسلمان سپرو خاندان کا نہیں ہے۔ اعجاز[1] کی شادی کے وقت اس امر کی جستجو کی گئی تھی مگر ناکامی ہوئی۔

محمد اقبال

۱۶ر جنوری ۱۹۳۴ء

---

[1] اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب۔

ضمیمہ

فوق نے کشمیری میگزین (اپریل ۱۹۰۹ء) میں اقبال کی زندگی کے حالات مع تصویر شائع کیے۔ اگرچہ بعد میں اقبال کی ابتدائی زندگی کے متعلق کافی اور واقعات بھی منظر عام پر آئے لیکن چونکہ یہ پہلی کوشش تھی اس لیے اسے یہاں ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

فوق نے اقبال کی تاریخ پیدائش یہاں ۱۸۷۵ء بیان کی ہے جو موجودہ تحقیق کے مطابق غلط ہے۔ ان کی صحیح تاریخ پیدائش تو ۱۸۷۷ء ہی ہے۔

سیر آرٹ پریس کراچی

حالاتِ اقبال

خاندان کا مشرف بہ اسلام ہونا

شیخ صاحب کو کشمیری پنڈتوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق ہے جس کی ایک شاخ اب تک کشمیر میں موجود ہے۔ شیخ صاحب کے جدِ اعلیٰ قریباً دو سو سال ہوئے کہ مسلمان ہوئے تھے۔ گوت ان کی "سپرُو" ہے۔ ان کے بزرگوں کا اسلام پر ایمان لانا ایک دلی کے ساتھ عقیدت کی وجہ سے ہوا۔ اور وہ حسنِ عقیدت اس وقت تک اس خاندان مین موجود ہے۔

ولادت اور تعلیمی زندگی

آپ ۱۸۷۵ء میں بمقام سیالکوٹ اپنے خوش نصیب والدین کے گھر پیدا ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر پورے ۴۳ سال کی ہے۔ ابتدا میں اکثر مسلمان بچوں کی طرح کچھ دنوں آپ نے بھی مکتب کی ہوا کھائی۔ پھر مدرسے میں داخل ہوئے اور پانچویں جماعت کا امتحان وظیفہ لے کر پاس کیا۔ مڈل کے درجوں میں بھی نہ صرف تعریف کے ساتھ کامیاب ہوتے رہے بلکہ مڈل کے آخری درجے میں بھی وظیفہ حاصل کیا۔ اس کے بعد باب العلم شروع ہوتا ہے یعنی انٹرنس کلاس جو کالج کا دروازہ ہے۔ دروازے کو کھولنا ہمت واستقلال اور فتح و شکست کے بہترین آثار کا ایک نمونہ ہے اور خوشی کی بات ہے کہ اقبال بھی جب کالج کا دروازہ کھول کر کالج کے مدارج میں داخل ہوئے یعنی جب کھول نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا تو پرائمری اور مڈل کی طرح یہاں بھی سرکاری وظیفہ لیکر

کامیاب ہوئے۔ آپ کی طبیعت ابتدا ہی میں ذکاوت و ذہانت کا ایک نمونہ تھی۔ جب آپ ایف اے (سکاچ مشن کالج سیالکوٹ) میں داخل ہوئے تو مولانا سید میر حسن صاحب جیسے قابل سخن شناس۔ عالم متبحر اور استاد مشفق کی توجہ خاص اور فیضانِ صحبت و تربیت نے ان جوہروں کو جلا دینے میں جو قدرت نے شیخ صاحب کی طبیعت میں امانت رکھے تھے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا سیالکوٹ کالج سے فارغ ہو کر آپ لاہور گورنمنٹ کالج کی بی اے کلاس میں داخل ہوئے۔ طبیعت چونکہ فلسفیانہ پائی تھی اس لئے بی اے کے امتحان میں فلسفہ کا مضمون لے کر نہ صرف پاس ہی ہوئے بلکہ انگریزی اور عربی میں باتعریف کامیاب رہنے کے لئے دو طلائی تمغے اور وظیفہ بھی حاصل کیا۔ انھیں دنوں مسٹر ڈبلیو آرنلڈ صاحب علیگڈھ کالج سے گورنمنٹ کالج میں چلے آئے۔ فلسفہ دانی میں آرنلڈ صاحب کی شہرت عالمگیر ہے۔ محتاجِ بیان نہیں اس شہرت نے اقبال کو بے اختیار اپنی طرف کھینچا۔ آرنلڈ صاحب بھی اس ہونہار طالبِ علم کی تیز فہمی اور اس کے فلسفیانہ دماغ کے معترف ہو گئے اور اقبال کی تحقیقات علمی اور اس کی فلسفیانہ طبیعت کے متعلق ایک دفعہ فرماتے تھے کہ ایسا شاگرد استاد کو محقق بنا دیتا ہے اور محقق کو محقق تر۔ غرض یونیورسٹی کی آخری تعلیم (امتحان ایم اے) کا مرحلہ بھی طے کیا اور تمام پنجاب میں فسٹ رہنے کی وجہ سے ایک تمغہ بھی حاصل کیا۔

سلسلۂ ملازمت

ایم اے پاس ہونے کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں تاریخ۔ فلسفہ اور سیاست مدن کے مضامین پر آپ لکچر دینے کے لئے مقرر کئے گئے۔ پھر گورنمنٹ کالج میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ افسران کالج اور

عہدہ داران تعلیم کی رائے ان کی خدمات اور ان کی لیاقت علمی کے متعلق بہت اچھی ہے۔ علمی مشاغل آپ کی زندگی کا جزو ضروری ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکثر طالب علموں کو آپ اپنے مکان پر بھی اوقات کالج کے بعد پڑھایا کرتے تھے۔ جب تک آپ طالب علم رہے نیک، سعادت مند اور ذہین و محنتی رہے اور جب استاد کی حیثیت میں آئے تو ایک شفیق اور بے تکلف اور مہربان استاد ثابت ہوئے۔ اسی زمانہ میں سیاست مدن پر ایک کتاب بنام علم الاقتصاد لکھی جو اپنے فن کی ایک بیش قیمت اور جامع کتاب ہے۔

سفرِ ولایت

تحقیقاتِ علمی کا شوق جنوں کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ اس کا علاج یہاں بھی کثرت مطالعہ کے ذریعہ ہوتا رہا۔ لیکن ؎

مریضِ علم پر رحمت خدا کی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر فلسفہ، قانون اور تحقیقات علمی کے لئے ولایت کا سفر اختیار کیا اور محض علم اور صرف علم کی خاطر ہی نہ صرف وطن سے، دوست واحباب سے بلکہ والدین، بال بچوں اور دیگر اعزّہ سے ہزارہا میل کے فاصلہ کی مفارقت اختیار کی اور دنوں اور مہینوں کے لئے نہیں بلکہ کامل دو سال تک وہاں رہے۔ کیمبرج یونیورسٹی سے بذریعہ تحقیقات علمی فلسفہ اخلاق کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ پھر جرمنی کی میونک یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف فلاسفی (پی ایچ ڈی) کی فسٹ کلاس ڈگری ایک کتاب بنام فلسفۂ ایران لکھنے سے حاصل کی۔ یہ کتاب جو لندن میں شائع ہو چکی ہے انگریزی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ ولایت کے بڑے بڑے اہل الرائے نے انگلستان کے مشہور پرچوں میں نہایت عمدہ ریویو لکھے —

فضلائے یوروپ نے اس کتاب کو نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ افسوس ہے کہ ایسی لاجواب تصنیف ہنوز اردو زبان میں ترجمہ نہیں ہوئی۔ جرمنی سے واپس آنے کے بعد لندن کے سکول آف پولیٹیکل سائنس میں داخل ہوئے اور وہاں کے پروفیسروں اور عالموں اور بڑے بڑے سائنس دانوں اور انگلستان کے دیگر فضلا، حکما، علما اور مدبرین سے استفادہ حاصل کیا اور بیرسٹری کا امتحان بھی کامیابی کے ساتھ پاس کیا۔

انگلینڈ میں بطور لکچرار و پروفیسر

بہت کم لوگ ایسے ہیں جو تحریر و تقریر اور نظم و نثر میں یکساں روانی اور یکساں قابلیت رکھتے ہوں۔ اور ایسے صاحب کمال لوگوں میں جو دونوں اوصاف سے متصف ہوں ہمارے اقبالؔ بھی امتیاز خاص رکھتے ہیں۔ دورانِ قیام انگلینڈ میں باوجود کثرت مشاغل "اسلام" پر چھ پبلک لکچر دیئے جو نہایت مقبول ہوئے اور جس سے آپ کی مذہبی تحقیقات کی بھی دھوم مچ گئی۔ تین ماہ تک لندن یونیورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ صاحب کے قائم مقام کی حیثیت میں آپ عربی پروفیسر بھی رہے۔

ولایت سے واپسی

صرف ۳۲۔۳۳ سال کی عمر میں اتنے علمی اعزاز، اس قدر ڈگریاں اور فارسی عربی، سنسکرت کے علاوہ یوروپ کی کئی زبانوں میں ماہر ہونا اور مقبولیت اور شہرت حاصل کرنا معمولی دماغ اور تربیت کا کام نہیں ہے۔ اقبالؔ کی عزت جو عالمِ متبحر ہونے کی حیثیت سے آج کل ہندوستان اور یوروپ میں ہے وہ

بہت کم لوگوں کو نصیب ہے۔ آخر آپ ولایت سے واپس وطن کو روانہ ہوئے اور بمبئی، دہلی، انبالہ میں ٹھہرتے اور اپنے دوستوں سے ملتے ہوئے ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو بروز پیر شام کی گاڑی پر لاہور تشریف لائے جہاں ان کے احباب اور دیگر بزرگان لاہور بلاتخصیص مذہب ان کے خیر مقدم کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے۔ شام کو ان کے اعزاز میں ایک پارٹی منعقد ہوئی جہاں اکثر احباب نے نظمیں بھی پڑھیں۔ ایک دن کے قیام کے بعد آپ سیالکوٹ تشریف لے گئے جہاں آپ نے ایک لکچر بھی دیا۔

اقبال کی شاعری

تعلیم کے ابتدائی مدارج میں طبع خداداد کے شاعرانہ جوہر بالکل ظاہر نہ ہوئے بلکہ جوہری خود بھی اپنے کمال سے بے خبر تھا۔ لیکن جب آپ کالج کے درجہ میں پہنچے اور علم کی روشنی سے طبیعت کو جلا ہوتی گئی تو ذرہ آفتاب بن کر چمکا اور ایسا چمکا کہ ایک عالم کو طرز جدید کی شاعری سے منور کر دیا۔ فن سخن کا نہایت شستہ اور صحیح مذاق سخن آفریں نے آپ کی طبیعت میں ودیعت کیا ہے۔ الف اے کی طالب علمی کے دنوں ہی میں آپ نے استادی المعظم نواب فصیح الملک بہادر مرزا داغ مرحوم استاد حضور نظام دکن سے اصلاح لینی شروع کی۔ چنانچہ ایک مقطع میں فرماتے ہیں ؎

نسیم و تشنہ ہی اقبال کچھ اس پر نہیں نازاں
مجھے بھی فخر ہے شاگردیِ داغِ سخنداں کا

لیکن طبیعت چونکہ فلسفہ کی طرف مائل تھی اور مشکل پسند واقع ہوئی تھی اس لئے باوجود داغ کی شاگردی کے غالب کا رنگ اختیار کیا اور اس میں کامیاب ہو کر نکلے۔

شاعری کا چرچا

آپ کی شاعری کا چرچا ابتدا میں ہم جماعت طلبا، تک ہی محدود تھا۔ فروری ۱۸۹۶ء میں جب کہ آپ بی اے میں پڑھا کرتے تھے آپ کی شاعری کی دھوم طلبا، سے نکل کر اہلِ خطہ کی مجلس میں پہنچی جہاں آپ نے ایک نظم اور چند رباعیاں پڑھیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبیعت شروع ہی میں کیسے ادق اور مشکل مضامین اور الفاظ پسند کرتی تھی۔

بزمِ مشاعرہ

چند سال ہوئے لاہور میں ایک بزم مشاعرہ نہایت کامیابی اور کمال رونق سے منعقد ہوا کرتی تھی۔ اچھے اچھے سخن فہم اور شاعر جمع ہوتے تھے۔ ایک مشاعرہ میں ہمارے نوجوان اقبال نے بھی جب کہ بیس بائیس برس کا سن تھا طرح پر ایک غزل پڑھی اور جب اس شعر پر پہنچے ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

تو مرزا ارشد گورگانی مرحوم بے اختیار واہ واہ کہہ اٹھے اور بولے "میاں اقبال اس عمر میں اور یہ شعر"۔ یہ پہلا موقع تھا کہ لاہور کے باذاق لوگوں کو اس نوجوان اور ہونہار شاعر سے شناسائی ہوئی۔

نالۂ یتیم

لیکن جس نظم سے آپ کی شہرت ہندوستان کے علمی طبقہ اور بالخصوص

پنجاب کے ہر کس و ناکس میں پھیلی وہ نالۂ یتیم کی نظم تھی جو ۱۸۹۹ء میں دوستوں کے اصرار سے آپ نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ میں عجب سوز و گداز اور دل نشیں سُروں میں پڑھی تھی۔ نظم کا مضمون اور اس کا اندازِ بیان کچھ ایسا مقبول ہوا کہ لوگ بار بار سنتے تھے اور متاثر ہو ہو کر انجمن کے لئے روپیہ کی بارش برساتے تھے اور پھر بھی سیر نہ ہوتے تھے۔ اس کے بعد انجمن کے ہر سالانہ اجلاس میں نظم اقبالؔ ایک ضروری جزو ہو گئی۔

کلام کی مقبولیت

آپ کے اشعار واقعیت کا رنگ لئے ہوئے ہوتے ہیں اور چونکہ دل میں درد اور سوز و گداز ہے اور طبیعت میں فلسفہ اور تصوف کا عشق ہے اس لئے کلام دردؔ اور سوز و گداز کا ایک مجموعہ ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دور دور سے داد آتی ہے۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی فرماتے ہیں "جب آزادؔ اور حالیؔ کی کرسیاں خالی ہوں گی تو لوگ اقبالؔ کو ڈھونڈھیں گے"۔ کلام کی مقبولیت تعلیم یافتہ حضرات کے علاوہ ان پڑھ فرقہ میں بھی جا پہنچی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ راقم الحروف اضلاع کانگڑہ و شملہ کے دشوار گزار پہاڑوں میں سفر کر رہا تھا۔ وہاں جاہل و گنوار لڑکوں کو جو پہاڑوں کی چوٹیوں اور کھلے میدانوں میں مویشی چرا رہے تھے۔ یہ شعر ایک مست اور عجیب لے میں پڑھتے ہوئے سُنا ؎

آتا ہے یاد مجھ کو گذرا ہوا زمانہ
وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ

آپ کی اکثر نظمیں سرکاری کورسوں میں بھی داخل ہیں اور بالعموم آپ کی غزلیں اور دیگر اشعار رسالۂ مخزن کے ذریعہ جو اردو علم ادب کا ایک بہترین رسالہ ہے

پبلک پر ظاہر ہوئے ہیں۔ فرمائشی نظموں سے آپ بہت گھبراتے ہیں اور درحقیقت شعر طبیعت کا ایک بے اختیار جوش اور دل کا ایک ابال ہے اور پورا لطف اسی میں ہے کہ بلا تصنع اور بے ساختہ زبان پر جاری ہو۔ آپ کی اکثر نظمیں "ہندوستان ہمارا" اور "نیا شوالہ" وغیرہ نہایت مقبول ہیں اور عام طور پر گائی جاتی ہیں۔ ملکۂ وکٹوریہ مرحومہ قیصرہ ہند کے انتقال پر (۱۹۰۱ء میں) آپ نے ایک دل گداز مرثیہ لکھا تھا جس کی اکثر کاپیاں گورنمنٹ پنجاب نے بھی اپنے خرچ سے چھپوائی تھیں۔

موجودہ حالت

انگریزی اور اسلامی فلسفہ کے علاوہ ہندو فلسفہ کا بھی آپ نے مطالعہ کیا۔ اسی لئے سب مذاہب کی دل سے تعظیم کرتے ہیں ہندوؤں اور مسلمانوں میں آپ کو یکساں ہر دلعزیزی حاصل ہے۔ آپ آج کل لاہور میں (قانونی) پریکٹس کرتے ہیں۔ بوجہ کثرت کار علمی مشاغل میں آج کل چنداں منہمک نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ شعر گوئی بھی قریباً ترک ہے۔ اکثر انجمنوں اور سوسائٹیوں سے آپ کو تعلق ہے۔ برادرانِ قوم اور دوست و احباب کے اصرار اور التجا سے آپ نے انجمن کشمیری مسلمانانِ لاہور کا عہدۂ جنرل سکرٹری بھی بڑی مہربانی سے قبول فرمالیا ہے اور اب آپ اپنا قیمتی وقت برادری کی بہبودی و بہتری میں بھی صرف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قوم کے اس نوجوان کی عمر دراز کرے۔

اہل اللہ سے ارادت

انگریزی تعلیم نے نوجوانان ملک و قوم کے عام (بالخصوص مذہبی) خیالات

کو نقصانِ عظیم پہنچایا ہے۔ یہ ایک حد تک بالکل درست ہے۔ لیکن جب غور کیا جائے گا تو معلوم ہو گا ؎

مے کہ بدنام کند اہلِ خرد را غلط است
بلکہ مے می شود از صحبتِ نادان بدنام

درحقیقت یہ ہمارا اپنا قصور ہے۔ ہماری تعلیم و تربیت اگر اچھے پیمانہ پر ہو، صحبت نیک ہو، مذہبی تعلیم سے اچھی واقفیت ہو تو اسلام کا کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی ہم کو صراطِ مستقیم سے گمراہ نہیں کر سکتا۔ آج کل مشائخ اور اولیائے کرام کی طرف سے جو بدگمانی بلکہ نفرت سی تعلیم یافتہ گروہ میں پھیل رہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ لیکن اقبالؔ اور اس کا خاندان اس بات کا زندہ نمونہ موجود ہے کہ تعلیم کے ساتھ اگر تربیت بھی اور مذہبی واقفیت بھی ہو تو مشائخ و اولیاء کے حسن عقیدت کے اثر کو انگریزی اعلیٰ تعلیم، سائنس اور فلسفہ اور ممالک یوروپ کی سیر و سیاحت اور نئی روشنی اور تہذیب بھی زائل نہیں کر سکتی چنانچہ آپ ولایت جاتے ہوئے بھی بمقام دہلی آستانۂ حضرت محبوب الٰہی پر حاضر ہوئے۔ وہاں ایک خالص صوفیانہ نظم بھی پڑھی اور واپسی کے وقت بھی جب کہ علاوہ علمی قابلیتوں کے اضافہ کے آزادیٔ یوروپ کی ہوا بھی کھا چکے تھے درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء (محبوب الٰہی) پر بصد عجز سرِ تسلیم و نیاز خم کیا۔ غرض یہ موروثی مذاق ہمارے موجودہ شاعر میں بھی موجود ہے اور اس کی شاعری کا جزوِ ضروری بن گیا ہے۔

خطوط بنام مہر صاحب

چودھری غلام رسول مہر مشہور ادیب اور صحافی ہیں جن کے اقبال سے قریبی روابط رہے ہیں۔ یورپ کے سفر میں وہ اقبال کے ہمراہ تھے اور فلسطین میں موتمرِ عالم اسلامی کے اجلاس میں بھی دونوں شریک تھے۔ چودھری صاحب عبدالمجید سالک مرحوم کے ساتھ پہلے روزنامہ "زمیندار" کے شعبۂ ادارت میں تھے۔ بعد میں انھوں نے روزنامہ "انقلاب" کی بنا ڈالی۔ "انقلاب" نے اپنے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے مفاد کے لئے بڑا جہاد کیا اور نہرو رپورٹ وغیرہ کے خلاف بڑے موثر دلائل پیش کر کے اس قسم کی مسلمان دشمن تحریکوں کو ختم کرنے میں بڑی مدد دی۔

مکرمی مہر صاحب زاد عنایتکم

السلام علیکم - برادر مرحوم مغفور کے چند شعر یہ ہے کہ کاغذات میں سے نکلے ہیں اور ساتھ فہرست ہیں انکو اپنے اخبار میں جگہ دیویں میرے خیال میں یہ شعر اجتک شائع نہیں ہوے - ایک مرتبہ وہ جب گھر سیالکوٹ تھے رات کو اپنا کر انکو لکھوائی تھی - جو یادداشت کرنے پر مجھکو دیدئے گئے جب یہ کاغذات میں پڑے رہے ان کو اوراق سے نکلوا کر فہرست میں و بھیج رہا ہوں -

عنایتکم

عطا محمد

اقبال منزل

3 [illegible]

ص ۸۸

اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب کا مندرجہ بالا خط مہر صاحب کے نام ہے جسمیں وہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو اقبال کچھ اشعار لکھ رہے تھے جو اقبال نے انہیں دے دئے تھے۔ بعد میں عطا محمد صاحب نے اس خط کے ساتھ اس نظم کو مہر صاحب کے پاس بغرض اشاعت بھیج دیا۔ اشعار ,,پیام مشرق'' (۱۳۶-۱۳۷) میں شائع ہو چکے ہیں جسکا عکس صفحہ ۸۹ کے سامنے دیا گیا ہے۔

تنهائی

به بحر رفتم و گفتم به موج بیتابی - همیشه در طلب استی چه مشکلی داری ؟
هزار لؤلؤ لالاست در گریبانت - درون سینه چو من گوهر دلی داری ؟
تپید و از لب ساحل رمید و هیچ نگفت

بکوه رفتم و پرسیدم این چه بیدردیست - رسد بگوش تو آه و فغان غم زده ئی ؟
اگر بسنگ تو لعلی ز قطرهٔ خون است - یکی در آ بسخن با من ستم زده ئی
بخود خزید و نفس درکشید و هیچ نگفت .

ره دراز بریدم ز ماه پرسیدم - سفر نصیب ! نصیب تو منزلیست که نیست ؟
جهان ز پرتو سیمای تو سمن زاری - فروغ داغ تو از جلوهٔ دلیست که نیست ؟
سوی ستاره رقیبانه دید و هیچ نگفت

شدم بحضرت یزدان گذشتم از مه و مهر - که در جهان تو یک ذره آشنایم نیست
جهان تهی ز دل و مشت خاک من همه دل - چمن خوش است ولی در خور نوایم نیست
تبسمی بلب او رسید و هیچ نگفت

محمد اقبال

به شکریه غلام رسول مهر

لاہور ۷ر دسمبر ۲۴ء

ڈیر چودھری غلام رسول۔ السلام علیکم۔

میں نے پرسوں ایک خط "زمیندار" میں اشاعت کی غرض سے لکھا تھا۔ اس میں سکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور کا نام لکھنا بھول گیا۔ مہربانی کر کے لفظ سکرٹری انجمن کے آگے "شیخ عبدالعزیز صاحب" کے الفاظ بڑھا دیجیے اور خط کے آخر میں یہ فقرہ بھی لکھ دیجیے کہ

"مجھے معلوم نہیں اخباروں میں جو خبر اس وفد کے متعلق شائع ہوئی ہے اس کا ذمہ دار کون ہے"

مخلص محمد اقبالؔ

ڈیر چودھری صاحب۔ السلام علیکم۔

"الطرق الحکمیہ فی سیاستہ الشرعیہ" (حافظ ابن قیم) اور "اعلام الموقعین"[1] مرحمت فرمایئے۔

یہ بھی فرمایئے کہ مولوی عبدالقادر صاحب قصوری[2] سے تشریف لائے یا نہیں۔ آج شام آیئے بھی۔ والسلام

محمد اقبالؔ

---

[1] الطرق الحکمیہ اور اعلام الموقعین دونوں حافظ ابن قیم کی تصنیفات ہیں۔ ان کا موضوع فقہی مسائل ہیں۔ اقبالؔ نے مدراس میں جو لکچر دیئے ان کی تیاری کے سلسلے میں ان کتب سے استفادہ کیا تھا۔

[2] مولوی عبدالقادر قصوری پرانے قوم پرست راہنما تھے اور کانگرس کے پُرجوش حامی۔ سیاسی اختلاف کے باوجود اقبالؔ کے ان سے بڑے اچھے مراسم تھے۔ اقبالؔ ان کی اصابت رائے کے قائل تھے

لاہور ۸ مارچ ۲۸ء

ڈیر مہر صاحب۔ السلام علیکم۔

میں نے سنا ہے امام ابن تیمیہ کی کتاب التقدیر کا اردو ترجمہ ہو کر چھپ گیا ہے۔ اگر یہ کتاب مل سکے تو اس کا ایک نسخہ بہم پہنچایئے[1]

میں نے جو تقریر کونسل میں مالگذاری والے رزولیوشن پر کی تھی اس کی نقل ارسال کرتا ہوں۔ افسوس کہ دفتر نے وہ مسودہ نہیں بھیجا جو میں نے درست کر کے ان کو دیا تھا۔ بہرحال مطلب معلوم ہو جائے گا۔[2]

اگر آپ مناسب خیال کریں تو اس کا اردو ترجمہ چھاپ دیں۔ اس کے متعلق پنجاب کے زمینداروں کے نام ایک کھلی چٹھی چھاپنے کا ارادہ ہے جس کے لئے آپ سے مشورہ کروں گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

[1] کتاب التقدیر کا صحیح نام شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل ہے۔ اس کا اردو ترجمہ کتاب التقدیر کے نام سے چھپا ہے۔ حافظ ابن قیم کی تصنیف ہے۔ ابن تیمیہ کی نہیں۔ اقبال اپنے لکچروں کی تیاری کے سلسلے میں اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے۔

[2] اس تقریر کا اردو ترجمہ لطیف احمد شیروانی کی مرتبہ کتاب حرف اقبال (دائم ثناء اللہ، ریلوے روڈ، لاہور) بار سوم جنوری ۱۹۵۵ء کے صفحات ۹۴-۱۰۰ میں موجود ہے۔ اس تقریر میں اقبال نے یہ موقف اختیار کیا کہ زمین کے محاصل کو انکم ٹیکس کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ یہ تقریر پنجاب کونسل میں ۲۳ فروری ۱۹۲۸ء کو کی گئی تھی۔

شملہ ۲۸ر جولائی ۲۹ء

جناب ایڈیٹر صاحب انقلاب

السلام علیکم۔ ۲۶ر جولائی کے انقلاب میں آپ نے نواب احمد یار خاں صاحب کے ایک مکتوب کا حوالہ دیا ہے۔ میں اس مکتوب کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ سطور ذیل اپنے اخبار کے کسی کالم میں شائع فرما کر مجھے ممنون فرمایئے۔

نواب صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ کسی مطبوعہ پمفلٹ میں وہ تمام تجاویز درج تھیں جن پر اب انقلاب متوجہ ہے اور اس پمفلٹ کی تجاویز پر تمام مسلم ارکانِ کونسل نے دستخط ثبت کئے تھے۔ اس واسطے نواب صاحب موصوف کے خیال میں اس مسلم کشی کے لئے صرف پنجاب سائمن کمیٹی کے ممبر ہی ذمہ دار نہیں بلکہ تمام مسلم ارکانِ کونسل ذمہ دار ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا یہ مطبوعہ پمفلٹ وہی تحریر ہے جس پر آپ نے متعدد مضامین انقلاب میں لکھے تھے اور جس کی تجاویز کے خلاف لاہور کے تمام میونسپل وارڈوں نے ریزولیوشن پاس کئے تھے۔ یہ ریزولیوشن بھی غالباً آپ کے اخبار میں شائع ہو چکے ہیں۔

پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات کا مجھے کوئی علم نہیں۔ ان کی رپورٹ اب تک شائع نہیں ہوئی لیکن نواب صاحب کے خط سے جس کا ملخص آپ نے انقلاب میں شائع کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خطرہ بالکل بجا ہے اور پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات وہی ہیں جو مذکورہ بالا پمفلٹ میں درج تھیں۔ بہرحال

میں نے متعدد ارکان کونسل سے دریافت کیا۔وہ سب کے سب پمفلٹ مذکورہ کی تجاویز پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ نواب احمد یار خاں صاحب سے بھی میں نے گفتگو کی۔وہ فرماتے ہیں کہ کوئی میٹنگ کسی جگہ ہوئی تھی جہاں مسلم ارکان کونسل نے ان تجاویز پر دستخط کئے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کے پاس ان حضرات کے دستخط محفوظ ہوں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہوا اور نہ کسی پمفلٹ کی تجاویز پر میں نے دستخط کئے ہیں[1]۔ جن ارکانِ کونسل سے میں نے دریافت کیا ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں:

سردار حبیب اللہ۔ مسٹر دین محمد۔ سید محمد حسین شاہ۔ مولوی سر رحیم بخش۔ پیر اکبر علی۔ ملک محمد امین شمس آبادی۔ مسٹر غلام یٰسین

---

[1] ہندوستان کی تاریخ میں آئینی اصلاحات کا تدریجی ارتقاء ایک دلچسپ موضوع ہے۔ انہی اصلاحات کے سلسلے میں برطانوی حکومت نے ۱۹۲۸ء میں ایک کمیشن مقرر کیا جو اپنے صدر کے نام سے سائمن کمیشن کہلایا۔ یہ کمیشن ۳ فروری ۱۹۲۸ء کو ہندوستان پہنچا۔ اس کمیشن کے تمام اراکین برطانوی باشندے تھے۔ اسی بنا پر کانگریس نے اس سے مقاطعہ کا فیصلہ کیا لیکن مسلمانوں کی اکثریت اس مقاطعے کے حق میں نہیں تھی۔ سائمن کمیشن کی مدد کے لئے ہر صوبے میں کمیٹیاں بنائی گئیں جو کونسل کے ممبران پر مشتمل تھیں۔ پنجاب سائمن کمیٹی نے جو سفارشات تیار کیں وہ پنجاب کے مسلمانوں کے جائز حقوق کے مطابق نہ تھیں۔ روزنامہ انقلاب میں ان کے خلاف مقالے لکھے گئے۔ اس کمیٹی کی سفارشات شائع ہونے سے قبل ایک پمفلٹ شائع ہوا تھا جس میں ایسی باتیں درج تھیں جن سے شبہ ہوتا تھا کہ کمیٹی کی سفارشات اسی نوعیت کی ہوں گی۔ نواب احمد یار خاں نے جو یونینسٹ پارٹی کے سکرٹری تھے اخباروں میں ایک مکتوب چھپوایا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سفارشات کو پنجاب کونسل کے تمام مسلم ارکان منظور کر چکے ہیں۔ اقبال اس زمانے میں کونسل کے ممبر تھے۔

ان حضرات نے بڑے زور سے نواب احمد یار خاں صاحب کے بیان کی تردید کی۔ مسٹر دین محمد تو شاید اس مضمون کی کوئی تحریر بھی آپ کی خدمت میں اشاعت کے لیۓ ارسال کر چکے ہیں۔

والسلام۔

محمد اقبال۔ شملہ

ڈیر چودھری غلام رسول۔

رسالہ معارف بابت ماہ اگست ۲۹ء اگر آپ کے پاس ہو تو بھجوائیے۔ اس میں ایک مضمون سنت پر ہے اسے دیکھنا مطلوب ہے۔ والسلام۔

محمد اقبال

بخدمت مولانا غلام مرشد۔ مولانا احمد علی
مولانا ظفر علی خاں۔ سید حبیب۔ مولوی نور الحق
سید عبدالقادر۔ مولانا مہر صاحبان[1]

جناب مکرم۔

السلام علیکم۔ ایک نہایت ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے۔

---

[1] مولانا غلام مرشد جو کافی عرصے تک بادشاہی مسجد کے خطیب رہے۔

مولانا احمد علی (مرحوم) جنھوں نے انجمن خدام الدین لاہور کی بنیاد ڈالی۔ وہ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے داماد اور شاگرد تھے۔

مولانا ظفر علی خاں مرحوم ایڈیٹر و مالک روزنامہ "زمیندار" و سیاسی راہنما اور ادیب تھے۔

سید حبیب روزنامہ "سیاست" لاہور کے ایڈیٹر تھے۔

آج آٹھ بجے شام غریب خانہ پر تشریف لا کر مجھے ممنون فرمایئے۔ مشورہ طلب امر نہایت ضروری ہے[1]۔ امید کہ آپ تکلیف معاف فرمائیں گے۔

مخلص محمد اقبال بیرسٹر لاہور

۵ ستمبر ۲۹ء

لاہور، یکم ستمبر ۳۰ء

جناب مدیر انقلاب السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے بیش قیمت کالموں کی وساطت سے میں ان بے شمار احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے میرے والد مرحوم کی وفات پر مجھ سے اور میرے اعزہ سے اظہار ہمدردی فرمایا۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ چونکہ فرداً فرداً خطوط اور برقی پیامات کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ میرا دلی شکریہ میرے احباب تک پہنچا کر مجھے ممنون فرمایئے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

ڈیر مہر و سالک۔

کل برکت علی محمڈن ہال میں مجوزہ کانفرنس کے متعلق جلسہ

مولوی نور الحق، مالک روزنامہ مسلم آؤٹ لک لاہور۔ Muslim Outlook

سید عبد القادر مرحوم اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر تاریخ اور صاحب دل بزرگ تھے۔

[1] ضروری امر جیسا کہ مہر صاحب بیان کرتے ہیں، مسلمانوں کے فقہی مسائل کے متعلق مشورہ تھا۔

ہے[1]۔ اگر تجویز متفقہ طور پر قرار پا گئی تو استقبالیہ کمیٹی وہیں بن جائے گی۔ آپ اس جلسہ میں ضرور تشریف لاویں اور وقت پر (یعنی پورے گیارہ بجے صبح) تشریف لاویں۔ خلیفہ شجاع الدین صاحب[2] کی طرف سے آپ کو اطلاع بھی پہنچے گی۔ والسلام۔

اوروں کو بھی ساتھ لائیے۔

محمد اقبالؔ

۲۲ر نومبر ۳۰ء

غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون ؕ

ڈیر مہر صاحب۔ السلام علیکم۔

خلیفہ صاحب (خلیفہ شجاع الدین) وہ شجرہ مانگتے ہیں۔ مہربانی کر کے واپس فرمائیے۔ وہ اس کا کوئی اور انتظام کرنا چاہتے ہیں۔

محمد اقبالؔ

---

[1] ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو اقبالؔ نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے وہ خطبہ پڑھا جس میں پہلی بار واضح الفاظ میں مسلمانوں کے لئے ایک مثبت قومی نصب العین کا نقشہ پیش کیا۔ اس جلسہ سے تقریباً ایک مہینہ پہلے یہ خط لکھا گیا۔ برکت علی محمڈن ہال لاہور میں موچی دروازے سے باہر ایک مشہور ہال ہے جہاں اکثر جلسے ہوتے رہے۔

[2] خلیفہ شجاع الدین مرحوم اقبالؔ کے ساتھ مسلم لیگ کے پرجوش کارکن تھے اور بعد میں پنجاب اسمبلی کے صدر بھی رہے۔

۱۰ر جولائی ۱۹۳۱ء

ڈیر مہر صاحب

آج کے مسلم آوٹ لک[1] کے صفحہ ۹ پر نارتھ انڈیا مسلم سٹیٹ پر جج پلوڈن کے خیالات ہیں جو نہایت دل چسپ ہیں۔ ان کا ترجمہ کر کے انقلاب میں شائع کیجیے۔

۱۷ر یا ۱۸ر جولائی کو بھوپال جانا ناممکن ہو گیا ہے۔ مغل پورہ کالج انکوائری ۲۰ر سے شروع ہو گی اور مجھے گواہی دینا ہے جو ۲۰ر اور ۲۴ر کے درمیان ہو گی[2]۔ کل کمشنر لاہور کا خط اس مضمون کا آیا ہے

والسلام۔

شاید ۲۱ر کو بھوپال جا سکیں گے[3]

محمد اقبال

---

[1] مسلم آوٹ لک Muslim Outlook لاہور کا واحد مسلم انگریزی روزنامہ تھا۔ جج پلوڈن Plaudon پنجاب ہائی کورٹ کا جج تھا۔ نارتھ انڈیا مسلم سٹیٹ سے مراد شمالی ہندوستان کے صوبوں پر مشتمل ایک علیحدہ ریاست کا تصور ہے جو اقبال نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے خطبۂ صدارت (۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء) میں پیش کیا تھا۔

[2] لاہور میں مغل پورہ انجینیرنگ کالج جو اب انجینیرنگ یونیورسٹی میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس وقت اس کالج کا پرنسپل وٹیکر Whittaker تھا جس نے کالج کے ایک پروفیسر صدیقی کو برطرف کر دیا۔ اس کے خلاف مسلمان طلبا نے سٹرائک کر دی جو کل صوبہ تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ حکومت نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جس کے سامنے دوسرے اشخاص کے علاوہ اقبال نے بھی شہادت دی تھی۔

[3] ۱۹۳۱ء میں آزادیٔ کشمیر کی تحریک پہلی دفعہ منظم ہو کر عوامی تحریک بنی تھی۔ مہاراجہ ہری سنگھ والیٔ کشمیر نے نواب بھوپال کی وساطت سے کوشش کی کہ کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ اس غرض کے لئے نواب بھوپال نے اقبال کو بھوپال بلایا اور ایک مرتبہ دہلی بلایا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ گفتگوئے مصالحت کامیاب نہ ہو سکی۔

شملہ ۲۳ر جولائی

ڈیر مہر صاحب

السلام علیکم۔ مجھ کو بھی شعیب[1] صاحب کا تار آیا تھا جس کا جواب میں نے ان کو دے دیا تھا۔ انشاء اللہ ۲۷ر تک لاہور پہنچ جاؤں گا۔ وہاں سے ان کو تار دے دوں گا۔ ۲۶ر کو یہاں کشمیر کے معاملات کے متعلق مشورت ہوگی۔ لاہور سے انشاء اللہ بھوپال چلیں گے۔ والسلام

چودھری سے سلام کہیے۔ نیز سالک صاحب سے۔

محمد اقبال

۱۶ر اگست ۳۱ء

ڈیر مہر صاحب۔

السلام علیکم۔ آپ کے اخبار میں یہ شائع ہوا ہے کہ جموں کے حوادث کے متعلق جو پرسوں رونما ہوئے تمام فوٹو لے لئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سری نگر میں جو آتش بازی ہوئی اس کے فوٹو بھی میں نے سنا ہے موجود ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے کسی دوست یا نامہ نگار کی معرفت تمام مذکورہ بالا فوٹو حاصل کریں گے یہ کام بڑا ضروری اور مفید ہے۔ اس کے لئے فوراً کوشش شروع کیجئے اور میرے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے سب کو حاصل کر لیجیے۔[2]

---

[1] شعیب قریشی مرحوم ان دنوں نواب بھوپال کے سکرٹری تھے۔

[2] دسمبر ۱۹۳۲ء میں کل ہند کشمیر مسلم کانفرنس کا ایک اجلاس لاہور میں منعقد ہوا جس میں حکومت کشمیر

آپ کا جہاز مکتوب ہو چکا یا نہیں ؟ چودھری صاحب تو رہ گئے۔[1] والسلام

محمد اقبال

۳۰ر جنوری ۳۲ء

ڈیر مہر صاحب

السلام علیکم۔ میں تو دہلی کے لئے تیار تھا اور اب علی بخش بستر وغیرہ بھی باندھ چکا تھا۔ خیال تھا کہ گوٹ کی تکلیف جو مجھے گذشتہ رات ہو گئی تھی آج شام تک رفع ہو جائے گی۔ میں نے اس کا علاج بھی کیا مگر اب گرگابی پہنی تو تکلیف بڑھ گئی۔ اس واسطے میں دہلی نہ جا سکوں گا۔ میری طرف سے ورکنگ کمیٹی کی خدمت میں

نے نظم ونسق اور مسلمانوں کی حق تلفی کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ تھوڑی مدت کے بعد کشمیر میں دو واقعات رونما ہوئے جنھوں نے کشمیر میں آگ لگا دی۔

پہلا واقعہ تو یہ تھا کہ ایک ہندو سب انسپکٹر نے ایک مسجد کے امام صاحب کو خطبہ پڑھنے سے روک دیا جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ دوسرا واقعہ یہ تھا کہ جموں سنٹرل جیل میں ایک ہندو سپاہی نے قرآن مجید کی بے حرمتی کی۔ اس پر ایک شخص عبدالعزیز نے اشتعال انگیز تقریر کی۔ پولیس نے عبدالعزیز کو قید کر کے عدالت میں پیش کیا۔ مقدمہ کی سماعت کے موقعہ پر مسلمانوں کا ایک کثیر ہجوم عدالت کے باہر جمع ہو گیا۔ پولیس نے انھیں منتشر کرنے کیلئے فائرنگ کی جس سے بے شمار آدمی ہلاک ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کا ہے۔ اقبال کے خط میں انہی واقعات کی تصویروں کا ذکر ہے۔

[1] اقبال اور مہر صاحب دوسری گول میز کانفرنس (دسمبر ۱۹۳۱ء) میں شرکت کے لئے لندن جا رہے تھے۔ چودھری صاحب سے مراد چودھری محمد حسین مرحوم ہیں جو اقبال کے مخلص اور عزیز دوست تھے۔

اور نیز سیٹھ صاحب کی خدمت میں معذرت کہہ دیجئے۔ والسلام[1]

محمد اقبالؔ

ڈیر مہر صاحب۔

میں تو آج دہلی جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا مگر جاوید کا بخار بدستور ہے۔ رات بھی اسے ایک سو پانچ ہو گیا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب نے دیکھا ہے۔ ان کو شبہ ہے کہ بخار میعادی ہے۔ پختہ پتہ کل صبح کے معائنے سے ہو گا۔ اس تشویش کی حالت میں میرے لئے سفر مشکل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔ آپ میری طرف سے ہز ہائی نس کی خدمت میں معذرت کریں کہ میں ان کے حکم کی تعمیل میں سفر کے لئے تیار تھا مگر مذکورہ بالا ناگہانی افتاد کی وجہ سے رک گیا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ بہت متشوش ہوں۔[2]

والسلام۔

محمد اقبالؔ

۲۹ر فروری ۳۲ء

---

[1] اس زمانے میں آل انڈیا مسلم کانفرنس اسلامی حقوق کے متعلق ضروری تحریکات کی سب سے بڑی کفیل تھی۔ اقبال پہلے اس کی مجلس عاملہ کے رکن تھے، پھر صدر بن گئے تھے۔ اس کے اجلاس میں شرکت کے لئے وقتاً فوقتاً دہلی جایا کرتے تھے۔ مہر صاحب بھی مجلس عاملہ کے رکن اور اقبال کے ہمراہ دہلی جانے والے تھے سیٹھ صاحب سے مراد سیٹھ عبداللہ ہارون ہیں جنھوں نے اقبال کو اجلاس میں شریک ہونے کی تاکید کی تھی۔

[2] نواب بھوپال نے حضرت علامہ اور مہر صاحب کو دہلی بلوایا تھا۔ اقبال نے اپنی روانگی ملتوی ہونے پر مہر صاحب کو یہ مکتوب لکھا تھا۔

ڈیر مہر صاحب

السلام علیکم۔ گذشتہ رات پنڈت موتی لال نہرو کا ایک تار مرے نام آیا تھا جس کا مقصود یہ تھا کہ میں اس بیان پر دستخط کروں جو دہلی سے شائع ہوا ہے اور جو آج کے انقلاب میں بھی شائع ہوا ہے۔ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تار دیا گیا ہے۔[1]

Committed to joint statement already issued from Lahore. Sorry cannot now sign another statement conference essential

Mohammad Iqbal

۱۷ر اگست ۱۹۳۲ء

محمد اقبال

---

۲۹ ر دسمبر ۳۲ء

لندن

برخوردار مختار و جاوید کو بعد دعا کے واضح ہو کہ اس سے پہلے میں نے جو خطوط اپنے بمبئی پہنچنے کی تاریخ کے متعلق چودھری صاحب

---

[1] ۱۶ر اگست ۱۹۳۲ء کو حکومت برطانیہ نے فرقہ وارانہ فیصلہ کا اعلان کیا جو ہندوؤں کے لئے ناقابل قبول تھا چنانچہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوششیں پھر سے شروع ہوئیں لیکن یہ کوششیں مسلمانوں کے متحدہ محاذ کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوئیں۔

یا منشی طاہر دین یا کسی اور کو لکھے ہیں ان سب کو منسوخ تصوّر کیجئے۔ پہلے ارادہ یہی تھا مگر بعد میں دیکھا تو جہازوں کی روانگی کی موزوں تاریخیں نہ ملیں۔ اس واسطے اب میں ہسپانیہ، جرمنی اور آسٹریا ہوتا ہوا ۱۰ فروری ۳۳ء کو وینس سے بمبئی کے لئے جہاز لوں گا۔ اس جہاز کا نام ' کانٹے وردی' ہے اور یہ بمبئی ۲۲ فروری کی صبح کو پہنچے گا۔ باقی خطوط کے متعلق اور علی بخش کے متعلق چودھری صاحب کے خط میں ہدایات لکھ چکا ہوں۔ علی بخش ایک آدھ روز پہلے بمبئی پہنچ جائے اور میرا بستر ہمراہ لائے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ جاوید اور منیرہ کو دعا۔ سب کو سلام۔

والسلام [۱]

محمد اقبالؔ

اس خط کے مضمون سے چودھری صاحب اور منشی طاہر دین کو مطلع کر دینا۔

یکم فروری ۳۳ء

ڈیر مہر صاحب

السلام علیکم۔ کل انقلاب کے بہت سے نمبر اقبالؔ شیدائی

---

[۱] اقبالؔ نے یہ خط لندن سے اس وقت لکھا تھا جب وہ تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کر کے واپس آنے والے تھے۔

منشی طاہر دین اقبالؔ کے منشی تھے۔ علی بخش ان کا پرانا وفادار ملازم ہے۔

چودھری صاحب سے مراد چودھری محمد حسین مرحوم ہیں۔

صاحب[۱] سے مل گئے جن کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ ۲۶ر جنوری کو ہسپانیہ کے سفر سے واپس آیا۔ اب ۱۰ر فروری کو وینس سے اطالی جہاز "کانٹے وردی" پر سوار ہوکر ۲۲ر کی صبح کو انشاء اللہ العزیز بمبئی پہنچ جاؤں گا۔

ہسپانیہ میں جو کچھ دیکھا ایک خط کے ظرف تنگ میں کیوں کر سما سکتا ہے! اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا چودھری محمد حسین صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے اور گھر میں بھی خیر خیریت بھیج دیجیے۔

خان صاحب ذکار الدین کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے[۲]۔ ان کے اعزہ تک میری طرف سے تعزیت پہنچایئے۔ مجھے ان میں سے کسی کا ایڈریس معلوم نہیں۔ سالک صاحب کس رنگ میں ہیں؟

محمد اقبال

۱۲ر مارچ ۳۳ء

ڈیر مہر صاحب

عطیہ بیگم صاحبہ کا خط بمبئی سے آیا ہے جس میں آپ کے نام

---

[۱] اقبال شیدائی انگریزی دور حکومت کے مشہور انقلابی جو پیرس میں مقیم تھے۔ پاکستان بننے کے بعد وہ وطن واپس آئے۔

[۲] خان ذکار الدین بستی دانش منداں جالندھر کے رہنے والے اقبال کے عزیز دوستوں میں سے تھے۔

بھی ایک پیغام ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے جو تراشے آپ کو تعلیم نسواں اسلام کے متعلق ۲ سال ہوئے دئے تھے یا بھیجے تھے وہ واپس ارسال کر دئے جائیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ میں نے متعدد خطوط لکھے مگر آپ کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان کے تراشے ان کی خدمت میں واپس ارسال کر دیں گے۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

ڈیر مہر صاحب

کل مع الخیر میڈرڈ پہنچے۔ یہاں سے قرطبہ غرناطہ وغیرہ جائیں گے۔ ۱۸ فروری تک وینس پہنچنا ہے۔

آج یہاں کے وزیر تعلیم سے ملاقات ہوئی اور پروفیسر آسن سے جنھوں نے دنتے کی ڈوائن کامیڈی اور اسلام پر کتاب لکھی ہے۔ صدر جمہوریہ سے غالباً ملاقات ہوگی۔[1] امید ہے سب طرح خیریت ہوگی۔ چودھری صاحب سے مضمون واحد۔

محمد اقبال

---

[1] ۱۹۳۲ء کے موسم سرما میں اقبال تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے انگلستان گئے۔ واپسی پر اندلس سے ہوتے ہوئے جنوری ۱۹۳۳ء کو میڈرڈ پہنچے۔ یہ خط ایک مصوّر کارڈ کی پشت پر لکھا گیا ہے جس کا عکس شامل کتاب ہے۔ ڈاکخانہ کی مہر سے ثابت ہے کہ یہ خط ۴ فروری ۱۹۳۳ء کو لاہور میں موصول ہوا۔

قیام ہسپانیہ میں اقبال نے ایک لیکچر دیا تھا جس میں پروفیسر آسن نے صدارت کی تھی۔ اس اجلاس کی روئداد جو ایک اسپینی اخبار نے شائع کی تھی اس کتاب کے دوسرے حصے میں درج کی جا رہی ہے۔

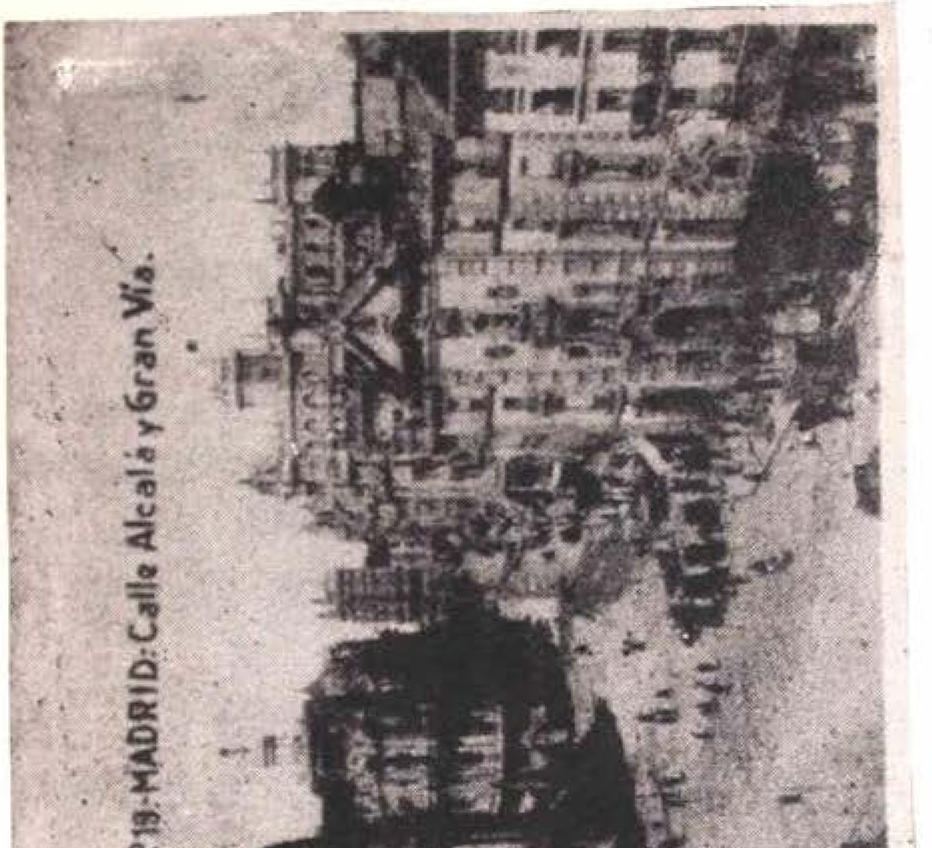
Nº19-MADRID: Calle Alcalá y Gran Vía.

(۲۲)

G. Rasul Esq.
Editor Daily انقلاب

Lahore

(India)

LAHORE
DELY.
4 III 33
1 30PM

ڈیر مہر صاحب — [illegible]

[illegible]

غالباً ملاقات ہو گی — امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا

چودھری صاحب سے [illegible]

محمد اقبال

ڈیر مہر صاحب

یہ اس خط کی نقل [۱] ہے جو مسٹر آصف علی بیرسٹر دہلی نے ان حضرات کے نام لکھا تھا جن کے دستخط آج تک مسلم لیگ والی مینی فیسٹو پر تھے۔ آپ کے ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں۔ ''ہمدم'' کا لیڈر اور مفتیٔ اعظم کے متعلق جو نوٹ ہے وہ بھی پڑھ لیجئے۔

اس کے علاوہ اقبال شیدائی کا خط پیرس سے آیا ہے۔ وہ آپ سے متوقع ہے کہ ساہوکاروں اور سود کے متعلق چند مضامین لکھیں جو عام ہوں۔ ان میں پنجاب کے مسلمانوں کے قرضے کا بھی عام طور پر ذکر ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایسے مضامین مسلمانوں کے متعلق ہمدردی پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوں گے۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور ۱۶ / جون ۳۳ء

جناب مہرین

ایک ضروری مشورہ آپ دونوں سے مطلوب ہے اس واسطے

---

[۱] روزنامہ ''الامان'' (دہلی) کے مولوی مظہر الدین نے ایک خط اقبال کے نام بھیجا تھا جس کے ساتھ مسٹر آصف علی بیرسٹر کے ایک انگریزی خط کی نقل منسلک تھی۔ مسٹر آصف علی نے اپنے خط میں اپیل کی تھی کہ مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنانے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اس دور کا ذکر ہے جب لیگ کی حالت بالکل خراب ہو چکی تھی اور قائد اعظم انگلستان میں مقیم تھے۔

اقبال نے آصف علی کے انگریزی خط کی نقل پر یہ رقعہ مہر صاحب کے نام لکھا تھا۔

آج معمول سے سویرے لاہور تشریف لائیے اور دفتر جانے سے پہلے مجھ سے ملتے جائیے کیونکہ آپ سے مشورہ کرنے کے بعد ان تاروں کا جواب دیا جائے گا جو شملہ سے آئے ہیں۔[۲] والسلام

محمد اقبالؔ

ڈیر مہرؔ صاحب۔

مضمون سے مطلع ہوا۔ یہ خط واپس ارسال ہے کہ آپ کو اطمینان ہو جائے کہ اور کوئی اسے نہ دیکھے گا۔ کل صبح یہیں آ جایئے گا، اکٹھے چلیں گے۔ والسلام

محمد اقبالؔ

اگر آپ نہیں آسکتے تو بتایئے کونسی گاڑی میں آ رہے ہیں؟ فرانٹیر میل یا بمبئی میل یا کوئی اور گاڑی؟[۳]

محمد اقبالؔ

۱۴ اگست ۱۹۳۳ء

---

[۱] مہرین سے مراد مہر صاحب اور عبدالمجید سالک مرحوم ہیں۔

[۲] یہ وہ دور تھا جب اقبال تیسری گول میز کانفرنس سے واپس آئے تھے (فروری ۱۹۳۳ء) اور مارچ ۱۹۳۳ء میں حکومت برطانیہ نے حکومت ہند کے جدید دستور کا خاکہ قرطاس ابیض کی شکل میں شائع کیا تھا جس سے سارے ملک میں ہنگامہ خیز اختلافات رونما ہوئے۔ مسلمانوں نے عام طور پر اس پر چند اعتراضات کیے لیکن مجموعی طور پر اس کو عارضی طور پر قبول کرنا پسند کیا۔ اس دور میں مختلف حلقوں کی طرف سے ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں میں باہمی سمجھوتے کی کوششیں شروع ہوئیں جو پہلے کی طرح بے مقصد ہو کر رہ گئیں۔

[۳] مہر صاحب نے اپنے خط مورخہ ۱۴ اگست ۳۳ء میں اقبال کو لکھا تھا کہ بھوپال سے شعیب صاحب کا خط آیا ہے جس میں انھوں نے مطلع کیا ہے کہ وہ اور نواب صاحب بھوپال، کشمیر جاتے ہوئے ۱۵ اگست کو ۴ ½ بجے صبح لاہور سے گزریں گے اور نواب صاحب کی خواہش ہے کہ وہ لاہور اسٹیشن پر علامہ اقبال سے ملاقات

ڈیر مہر صاحب ۔

یہ خط مفتی صاحب کا ہے۔ شاید آپ کو بھی آیا ہوگا۔ اگر ملک فیروز خاں یہاں ہوں تو ان کے مشورہ سے کوئی تقریر مفتی صاحب کی زیر اہتمام انجمن حمایت الاسلام لاہور ہو جائے تو بہتر ہے۔ اس بارے میں مولوی غلام محی الدین صاحب سے بھی مشورہ کر لیجئے۔ میں بھی ان کو فون کرتا ہوں۔[۲]

محمد اقبال

۲ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

کریں۔ نیز یہ تاکید کی ہے کہ ان کے آنے کی اطلاع مخفی رکھی جائے۔ چنانچہ اقبال اور مہر صاحب نے نواب صاحب سے ملاقات کی۔ مہر صاحب کا بیان ہے کہ یہ ملاقات سیاسی نوعیت کی نہ تھی بلکہ محض نواب صاحب اقبال سے ملنے کے خواہش مند تھے۔

(اقبال نے اپنا یہ خط مہر صاحب کے اسی خط پر تحریر کر کے مہر صاحب کو واپس بھیج دیا تھا)

[۱] اقبال کی یہ تحریر خط کے ایک لفافے پر ہے جو مفتی فلسطین امین الحسینی نے اقبال کو بھیجا تھا۔ اقبال نے یہ خط بجنسہ مہر صاحب کو بھیج دیا۔ مفتی صاحب ان دنوں تاج کمپنی لاہور کے دفتر میں آ کر مقیم ہوئے تھے۔ وہ چندہ جمع کرنے ہندوستان آئے تھے تاکہ اس سرمائے سے ان یہودی سرمایہ داروں کا مقابلہ کیا جا سکے جو فلسطین میں عربوں کی زمینیں خرید رہے تھے۔

[۲] مولوی غلام محی الدین قصوری مرحوم جو بعد میں انجمن حمایت الاسلام کے صدر ہوئے۔

خطوط بنام شاکر صدیقی صاحب

شاکر صدیقی صاحب ایک زمانے میں چک جھمرہ ضلع لائل پور میں مقیم تھے۔ مخزن کے دورِ ثانی میں سردار کیسرا سنگھ کچھ عرصے تک اس کے دائرہ ادارت سے منسلک تھے۔ ان کے ایماء پر شاکر صدیقی صاحب نے اقبال سے اصلاح سخن کے لئے خط لکھنے شروع کئے۔ یہ سلسلہ ۱۹۱۲ء میں شروع ہوا۔ اقبال نے حسبِ عادت شاگردی سے انکار کیا لیکن شاکر صاحب کے استقلال کے باعث ان کی کلام پہ اصلاح کرتے رہے۔ یہ خطوط اسی کوشش کا نتیجہ ہیں۔

مکرمی !

اردو زبان میں آپ سے زیادہ نہیں جانتا کہ آپ کے کلام کو اصلاح دوں۔ باقی رہے شاعرانہ خیالات و سوز و گداز یہ سیکھنے سکھلانے کی شے نہیں، قدرتی بات ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ مجھ کو اپنے مشاغلِ ضروری سے فرصت کہاں کہ کوئی ذمہ داری کا کام اپنے سر پر لوں۔ میں نے آپ کے اشعار پڑھے ہیں۔ میری رائے میں آپ اس جھگڑے میں نہ پڑیں تو اچھا ہے۔[1]

آپ کا خادم

محمد اقبال

لاہور

۲۲ر جون ۱۹۱۵ء

مخدومی

آپ کا عنایت نامہ مل گیا ہے۔ آپ نے جس حسنِ ظن کا اظہار کیا ہے اس کے لئے میں آپ کا سپاس گذار ہوں۔ افسوس ہے کہ دیوان ابھی تک شائع نہیں ہو سکا۔ اس کی وجہ کچھ میری عدیم الفرصتی اور کچھ یہ کہ فارسی مثنوی موسوم بہ "اسرارِ خودی" مکمل ہو کر پریس کے لئے لکھی جا چکی ہے۔ چند دنوں میں شائع ہو جائے گی۔ اس کی اشاعت کے بعد دیوان کی طرف توجہ

---

[1] لفافے پر ڈاک خانے کی مہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۸ر ستمبر ۱۹۱۲ء کا ہے۔

کروں گا۔ یہ مثنوی ایک نہایت مشکل کام تھا۔ الحمد اللہ کہ باوجود مشاغل دیگر میں اس کام کو انجام تک پہنچا سکا۔ ماسٹر نذر محمد صاحب کی خدمت میں آداب عرض کر دیں[1] والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال لاہور

مکرم بندہ

مثنوی کا دیباچہ کسی قدر پیامات کے سمجھنے میں ممد ہوگا۔ وہاں لفظ "خودی" کی بھی تشریح ہے۔ آپ کی نظم اچھی ہے مگر اس میں بہت سے نقائص ہیں۔ میں نے ان پر نشان کر دیئے ہیں۔ اصلاح کی فرصت نہیں رکھتا۔ ماسٹر نذر محمد صاحب کو دکھایئے وہ درست کر دیں گے۔ الفاظِ حشو سے پرہیز کرنا چاہیے۔ آپ کی نظم میں بہت سے الفاظ حشو ہیں۔ محاورہ کی درستی کا بھی خیال ضروری ہے۔ "سودا" سر میں ہوتا ہے نہ دل میں علیٰ ہذا القیاس عہد کو یا وعدہ کو بالائے طاق رکھتے ہیں نہ بالائے بام وغیرہ۔ اسی طرح مرکب کی عنان ہوتی ہے نہ زمام۔ بہت سے الفاظ مثلاً "چونکہ" "تعاقب" وغیرہ اشعار کے لئے موزوں نہیں ہیں، ان سے احتراز اولیٰ ہے۔

---

[1] ماسٹر نذر محمد صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس جو ملازمت سے سبکدوش ہوکر گوجرانوالہ میں رہائش پذیر ... شاکر صاحب ان دنوں گوجرانوالہ میونسپل کمیٹی میں اوورسیر تھے۔

"ہے خوشی تجھ کو کمال... الخ" کے دوسرے مصرعے میں "ہ" کی "ہ" تقطیع میں گرتی ہے۔ سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یہ نظم طویل ہے۔

محمد اقبال لاہور

۶؍جولائی ۱۵ء

لاہور

۱۴؍اگست ۱۵ء

مخدومی۔ السلام علیکم۔

آپ کے اشعار پڑھ کر میری آنکھوں سے آنسو نکل گئے۔ یہ آنسو خوشی کے نہ تھے بلکہ تاسف کے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ظن کو جو میری نسبت ہے صحیح ثابت کرے اور مجھ کو ان باتوں کی توفیق عنایت کرے جن کا آپ ذکر کرتے ہیں اور اس حسنِ ظن کے عوض میں جو آپ ایک مسلمان کی نسبت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اجر جزیل عطا کرے اور حبیب کریم کے عشق و محبت کی نعمت سے مالا مال کرے۔ آمین۔

"یعنی مدہوشوں کو تو آمادۂ پیکار کر"

اس مصرعے میں پیکار کا لفظ ٹھیک نہیں ہے۔ یوں کہ سکتے ہیں:

یعنی اپنی محفل بے ہوش (یا مدہوش) کو ہشیار کر

اور بھی خامیاں اس نظم میں ہیں جو یقیناً دو چار بار پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو جائیں گی۔ مگر میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ

اس نظم کو شائع نہ کریں۔ میرے لئے پرائیویٹ شرمندگی کافی ہے۔ اس کے علاوہ یہ آپ کے پرائیویٹ تاثرات ہیں، پبلک کا ان سے آگاہ ہونا کچھ ضروری نہیں ہے۔

گذشتہ خط میں جو آپ نے نظم لکھی تھی اس میں ایک لفظ "زمام" تھا جس پر میں نے اعتراض کیا تھا۔ غالباً میں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ زمام کا لفظ ناقہ یا شتر کے لئے خاص ہے، مرکب کے لئے عنان چاہیے۔ اس کے بعد میرے دل میں خود بخود شبہ سا پیدا ہو گیا۔ میں نے فارسی کی لغات میں جستجو کی۔ معلوم ہوا کہ زمام کا لفظ مرکب کے لئے بھی آسکتا ہے گو ناقے کے لئے یہ لفظ خصوصیت سے مستعمل ہوتا ہے۔ صاحب بہار عجم نے کوئی سند ایسے استعمال کی نہیں لکھی مگر چونکہ انھوں نے فارسی الفاظ و محاورات کی تحقیق و تدقیق میں بڑی محنت و جانفشانی کی ہے اس واسطے ان کے بیان بلا سند کو بھی قابل اعتبار سمجھنا چاہیے۔ یہ اس واسطے لکھتا ہوں کہ آپ اس غلطی میں مبتلا نہ رہیں جو میری لاعلمی کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ والسلام

آپ کا خادم
محمد اقبال

مکرمی۔

الفاظ کے اعتبار سے اس نظم میں کوئی غلطی نہیں ہے معانی کے اعتبار سے البتہ بعض شعر قابلِ اعتراض ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ

جو فارسی ترکیبیں آپ استعمال کرتے ہیں ان کا مطلب اچھی طرح سے نہیں سمجھتے۔ والسلام

آپ کو بھی عید مبارک ہو۔[۱]

محمد اقبال

یہ نظم ویسی ہے جیسی پہلے تھی۔

مضمون یعنی موضوع انتخاب کرنے میں بڑی احتیاط لازم ہے۔ بعض اشعار ایسے ہیں کہ ان کے پڑھنے سے ہنسی آتی ہے اور مصنف کی نسبت اچھا خیال دل میں نہیں بیٹھتا۔ والسلام۔ مجھے فرصت کم ہوتی ہے۔ اس واسطے پے در پے خطوط کا جواب دینے سے قاصر ہوں[۲]

محمد اقبال

مکرم بندہ

میں نے آپ کے اشعار کی خامیوں پر نشان لگا دیے ہیں۔ ان پر مفصل لکھنے کی فرصت نہیں۔ تراکیب و الفاظ کی ساخت و انتخاب محض ذوق پر منحصر ہے اور ایک حد تک زبان فارسی کے علم پر۔ آپ فارسی زبان کی کتابیں خصوصاً اشعار پڑھا کریں۔

---

[۱] شاکر صدیقی نے اپنی ایک نظم "ہلالِ عید" بغرضِ اصلاح بھیجی تھی۔ خط میں تو کوئی تاریخ درج نہیں لیکن لفافے پر ڈاک خانہ کی مہر ۱۳ اگست کی ہے۔ شاکر صاحب کا خط یکم شوال ۱۳۳۳ھ کا ہے۔

[۲] یہ خط اقبال نے شاکر صدیقی صاحب کے خط کی پشت پر ہی لکھ دیا۔ خط کے لفافے پر ۲۲، اگست (۱۹۱۵ء) ۱۸، کلی کے ڈاک خانے کی مہر ہے۔

مثلاً دیوان بیدل، نظیری نیشاپوری، صائب، جلال اسیر، عرفی، غزالی مشہدی، طالب آملی وغیرہ۔ ان کی مزاولت سے مذاق صحیح خود بخود پیدا ہو گا اور زبان کے محاورات سے بھی واقفیت پیدا ہو گی۔ عروض کی طرف خیال لازم ہے۔ اس نظم کا پہلا مصرع ہی بہ اعتبار عروض غلط ہے۔ زنجیرِ فقیر، وزیرِ عسکری، روکشئ تفسیر، خوانِ مسلم کا خوشہ چین وغیرہ (دو لفظ پڑھے نہیں گئے) پست اور خلاف محاورہ ہیں۔ خوان کا خوشہ چیں نہیں کہتے، خرمن کا خوشہ چین ہوتا ہے۔ خوان کا زلہ ربا کہتے ہیں۔ "ہے" "کے" "ی" کو طول دینا برا معلوم ہوتا ہے موسیقیت (؟) کے اعتبار سے، علیٰ ہذا القیاس۔

"آہ" میں "ہ" کی آواز کو چھوٹا کرنا یوں بھی برا ہے۔ ایک ہی مصرع اردو میں چار اضافتیں بری معلوم ہوتی ہیں، اس سے فارسی والے بھی محترز ہیں۔[1]

محمد اقبال

مکرم بندہ

اضافت کی حالت میں اعلان نون غلط ہے کبھی نہ کرنا چاہیے۔ طول ہرگز نہ ہونا چاہیے میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا۔

اتنے شعروں میں صرف دو شعر جن پر نشان کر دیا ہے

---

[1] جناب شاکر صدیقی نے اپنے خط (۲۳ اکتوبر ۱۹۱۵ء) کے ساتھ ایک نظم "ہرن مینارہ" بغرض اصلاح بھیجی تھی۔ یہ خط اسی خط کے جواب میں ہے۔

اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ تلمذ سے مجھے معاف فرمایئے۔[1]

محمد اقبال لاہور

مکرم بندہ۔ السلام علیکم۔

آپ کے حسنِ ظن کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ افسوس ہے آپ کا ترجمہ میری رائے ناقص میں اشاعت کے قابل نہیں ہے۔ آپ کو اس کی اشاعت سے روکنا نہیں چاہتا۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے اس کی اشاعت میں کوئی اعتراض نہیں[2]۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

۲۴ جون ۱۹۲۴ء

جناب من۔

میری رائے میں یہ استعارہ درست نہیں[3]۔

محمد اقبال ۲۹ اکتوبر ۲۹ء

---

[1] شاکر صدیقی صاحب نے ایک غزل بغرض اصلاح بھیجی تھی۔ اس کے جواب میں یہ خط موصول ہوا۔ لفافے پر مہر لوکل پوسٹ آفس کی ۲۴ مارچ ۱۹۱۰ء کی ہے۔ جن دو اشعار کے متعلق اقبال نے پسندیدگی کا اظہار کیا وہ درج ذیل ہیں۔

کسی کامل سے رسم و راہ میری جان پیدا کر ۔۔۔ علاج خاطر ناکام کا سامان پیدا کر

رقابت لے دل مضطر نہیں اچھی زلیخا سے ۔۔۔ ہزاروں جس میں ہوں یوسف تو وہ کنعان پیدا کر

تلمذ سے معاف فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ شاکر صاحب اس غزل کے مقطع میں لکھتے ہیں؛

رموز شعر کی خاطر تم اقبال سے جلدی ۔۔۔ تن بے جان نظم خود میں شاکر جان پیدا کر

[2] شاکر صدیقی صاحب نے اقبال کی فارسی نظم "تنہائی" کا اردو ترجمہ کیا تھا جسے انھوں نے شائع کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔

[3] شاکر صدیقی صاحب نے اپنے خط میں پوچھا تھا کہ "اشک ندامت" کو "کوہ نور" سے تشبیہ دینا درست ہے

لاہور

۲؍جون ۳۱ء

جناب من۔

السلام علیکم۔ 'انجم' واحد دیکھنے میں نہیں آیا۔ اصلاح سے معاف فرمایئے کہ نہ فرصت ہے نہ اہلیت۔ والسلام

محمد اقبال

ہیں۔ اقبال نے اسی خط کی پشت پر یہ فقرہ لکھ کر واپس بھیج دیا۔

خطوط بنام ڈاکٹر مظفر الدین قریشی

ڈاکٹر مظفر الدین قریشی جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ کیمیا کے صدر رہے۔ ان کے والد خلیفہ نظام الدین اقبال کے پرانے رفیق تھے پہلے دو خطوط کو چھوڑ کر باقی تمام خطوط اقبال کے آخری مرض کے متعلق ہیں۔ اس بیماری کا حال ۱۹۳۵ء تک سید نذیر نیازی کے 'مکتوبات اقبال' میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ غالباً اس کے بعد حکیم نابینا صاحب حیدرآباد دکن چلے گئے۔ لہٰذا اقبال نے ان سے رابطہ رکھنے کے لئے ڈاکٹر مظفر الدین قریشی سے خط و کتابت شروع کی۔ بیماری سے متعلق پہلا خط ۲۲ جنوری ۱۹۳۷ء کا ہے اور آخری خط ۳۰ مارچ ۱۹۳۸ء کا ہے۔ گویا یہ خطوط اقبال کی وفات سے تقریباً ۲ ماہ پہلے تک کے ہیں۔

لاہور

۳۰ راگست ۳۶ء

ڈیر مظفر الدین۔

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ مری صحت پہلے سے کسی قدر اچھی ہے مگر حیدر آباد کے طویل سفر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ "ضربِ کلیم" کتاب خانہ طلوع اسلام۔ ۲۵۔ میکلوڈ روڈ لاہور نے خرید کر لی ہے، انہیں سے طلب فرمایئے۔ نیازی صاحب مدیر "طلوع اسلام" نے مجھے بتایا تھا کہ ضرب کلیم کا اشتہار اخبار "رہبر دکن" میں دیا گیا ہے۔ نہ معلوم اب تک کیوں شائع نہیں ہوا۔[1]

زیادہ کیا لکھوں۔ جاوید آداب کہتا ہے اور علی بخش بھی سلام عرض کرتا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور

۲ رستمبر ۳۶ء

ڈیر پروفیسر مظفر۔

مجلۂ عثمانیہ مجھے مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ قبول کیجیے۔ میں یہ مضمون غالباً پہلے بھی پڑھ چکا ہوں۔ میری طرف سے آپ

---

[1] "ضرب کلیم" پہلی بار جولائی ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔

اپنے دوست کا بہت بہت شکریہ ادا کیجئے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ گرمی کا زور کم ہو رہا ہے۔ اب کے لاہور میں بارش بہت کم ہوئی۔ مثنوی فارسی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" عنقریب شائع ہو گی۔[1] والسلام

محمد اقبال

لاہور

۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

ڈیر ڈاکٹر قریشی

السلام علیکم۔ ملفوف خط حکیم عبدالوہاب انصاری المعروف بہ حکیم نابینا برادر اکبر ڈاکٹر انصاری کے لئے ہے۔ وہ حال ہی میں حضور نظام کی دعوت پر حیدر آباد گئے ہیں اور معلوم نہیں کب تک وہاں ٹھہریں گے۔ مہربانی فرما کر ان کا پتہ معلوم کیجئے، اور ملفوفہ خط میری طرف سے ان کی خدمت میں پیش کر کے استدعا کیجئے کہ مطلوبہ دوا تیار کر کے ارسال فرمائیں۔ بلکہ آپ خود ان سے دوا لے کر بذریعہ پارسل ارسال کر دیں تو اور بھی اچھا ہو گا۔ براہ عنایت میرے لئے اتنی زحمت گوارا فرمایئے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

---

[1] یہ کتاب ستمبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔

لاہور ۱۶ر اکتوبر ۱۹۳۷ء

ڈیر پروفیسر مظفرالدین

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے بہت جلد میرے خط کی طرف توجہ کی۔ چونکہ حکیم صاحب دور تشریف لے گئے ہیں اس واسطے آئندہ میں آپ ہی کو زحمت دیا کروں گا۔ اُمید ہے کہ آپ معاف فرما دیں گے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل باتیں فوراً عرض کر دیجئے: اول۔ دس بارہ سال ہوئے جب مجھ کو درد گردہ ہوا تھا اور حکیم صاحب قبلہ نے ہی اس کا علاج کیا تھا۔ اس طویل عرصہ کے بعد گذشتہ رات یعنی ۱۵ر اور ۱۶ر اکتوبر کی درمیانی رات کو پھر اس درد کا دورہ ہوا۔ دورہ شدید نہ تھا لیکن تمام رات اور دن کا کچھ حصہ بے چین رکھنے کے لئے کافی تھا۔ اس وقت کہ قریباً چار ہیں مجھے افاقہ ہے۔ جو دوا ابھی حکیم صاحب میرے لئے تیار فرمائیں اس میں اس امر کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ دوئم۔ عام کمزوری۔ سوئم۔ عام قبض کی شکایت۔ چہارم۔ خون میں سوداوی جراثیم۔ یہ سب باتیں حکیم صاحب قبلہ کو معلوم ہیں۔ میں نے صرف یاددہانی کے لئے عرض کیا ہے۔ آپ اس خط کے پہنچتے ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوں تاکہ دوا تیار ہونے سے پہلے وہ ان باتوں کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

میری بصارت کمزور ہو گئی ہے اس واسطے اب میری خط وکتابت یا تو جاوید کرتا ہے یا دیگر احباب۔ آپ اگر کالی سیاہی سے سفید کاغذ پر لکھیں تو آپ کا خط میں خود بھی پڑھ سکوں

گا۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ جاوید آداب کہتا ہے۔ والسلام

محمد اقبالؔ

ہاں ایک ضروری بات لکھنا بھول گیا۔ حکیم صاحب سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ آیا سونے کا کشتہ میرے لئے مفید ہے یا مضر ہے۔ حکیم صاحب کے ایک دوست جنھوں نے دیر تک ان کے ساتھ کام کیا ہے یعنی شاہزادہ غلام محمد خاں کشتۂ طلاء کا استعمال میرے لئے مفید بتاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کشتۂ یاقوت کا استعمال بھی وہ میرے لئے مفید بتاتے ہیں۔ میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ حکیم صاحب قبلہ کے مشورہ کے بغیر میں کوئی کشتہ استعمال نہیں کر سکتا۔ اس خط کے جواب کا انتظار ہے۔

لاہور

۲۵ اکتوبر ۳۷ء

ڈیر پروفیسر مظفرالدین

السلام علیکم۔ آپ کا مرسلہ پیکٹ دواؤں کا مل گیا جس کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے آپ کو کئی ایک دفعہ اور بھی تکلیف دینا پڑے گی۔ سب تکلیفوں کے لئے ابھی سے شکریہ قبول کیجئے۔ پیکٹ میں سے ترکیب استعمال کا کاغذ نہیں نکلا شاید وہ آپ کے خط میں ہو گا۔ اگر نہیں تو حکیم صاحب سے دریافت کر کے مہربانی کر کے لکھئے۔ دواؤں کے نام حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) روح الذہب (۲) روح الذہب جدید

(۳) حب تقویت صلب ۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

میو روڈ ۔ لاہور

۱۸ر نومبر ۳۷ء

ڈیر ڈاکٹر مظفر

السلام علیکم۔ حکیم صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل باتیں عرض کر دیجئے۔

(۱) دوا کا استعمال باقاعدہ ہو رہا ہے لیکن پیٹھ کا درد جو پہلے روح الذہب کے کھانے سے دور ہو گیا تھا اب پھر ہوتا ہے۔ یہ درد عموماً رات کو ہوتا ہے۔ دن میں نہیں۔ یہ شکایت سُن کر جو کچھ حکیم صاحب ارشاد فرمائیں اس سے مجھے جلد مطلع فرمائیں۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

لاہور

۲۰ر نومبر ۱۹۳۷ء

ڈیر ڈاکٹر مظفر الدین

اس سے پہلے میں آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اُمید ہے کہ

آپ کو مل گیا ہوگا۔ اس خط میں ایک پڑیہ ملفوف ہے جس میں وہ پتھر کا ریزہ ہے جو کل میرے پیشاب کے ساتھ خارج ہوا۔ حکیم صاحب نے جو دوا تقویت صلب کی ارسال فرمائی تھی اس پتھر کا اتنی جلد خارج ہونا اسی دوا کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں خاص طور پر عرض کی تھی کہ گردوں کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ بہر حال یہ پتھر کا ریزہ ان کو دکھا دیجئے اور میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کیجیے۔

نیز مندرجہ ذیل باتیں ان کی خدمت میں عرض کیجیے۔

اول۔ پشت کا درد۔ اس کے متعلق پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور آپ کے خط کا منتظر ہوں۔ یہ درد اب پہلے کی نسبت کم ہوگیا ہے۔ صرف رات کو ہوتا ہے اور رات کو بھی جو سختی پہلے اس میں تھی اب اس میں تخفیف ہے۔

دوم۔ بلغم۔ میری طرف سے حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ اس شکایت کی طرف خاص توجہ دیں۔ گرمی میں یہ بلغم بہت کم تھی۔ اب جوں جوں سردی زیادہ ہوتی جاتی ہے بلغم میں بھی زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ صبح قریباً ایک گھنٹہ تک بلغم جاری رہتی ہے۔ دوسرے اوقات میں کبھی آتی ہے کبھی نہیں آتی ہے۔ بلغم پکی ہوتی ہے اور اس کے نکل جانے سے آواز میں صفائی اور ترقی پیدا ہوتی ہے۔ ڈاکٹروں کا یہ خیال ہے کہ قلب کے قریب سے جو نالی گذرتی ہے اسی میں بلغم پیدا ہوتی ہے۔ شاید اطباء اس کا سرچشمہ دماغ بتاتے ہیں۔ بہر حال یہ خط حکیم صاحب قبلہ کو سُنا دیجیے

اور اگر کوئی دوا دافع بلغم وہ تجویز فرمائیں تو مہربانی کرکے اسے جلد بھجوا دیجئے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ اُمید ہے کہ آپ کا مزاج اچھا ہوگا۔ جاوید اچھا ہے۔ امید ہے کہ آپ کا جاوید بھی اچھا ہوگا۔

محمد اقبالؔ

۸ر دسمبر ۱۹۳۷ء

ڈیر پروفیسر قریشی

آپ کا خط مل گیا ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت آداب عرض کریں۔ باقی رہا ان کا اعتراف کمال سو اس وقت ہندوستان کیا بلکہ تمام ایشیا میں اسلامی طب انہیں کے نام سے زندہ ہے۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں یہ دو شعر عرض کر دیجئے۔ جو ایک علیحدہ کاغذ پر لکھتا ہوں[1]۔ والسلام

محمد اقبال

ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میری آنکھوں میں موتیہ اتر آیا ہے اور اپریشن ماہ مارچ میں ہوگا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجئے کہ وہ سرمہ جو آپ نے عنایت فرمایا تھا مفید ثابت نہ ہوا۔ کیا اسلامی طب میں موتیہ کا کوئی علاج نہیں؟

---

[1] افسوس ہے کہ یہ کاغذ جس پر اشعار درج تھے دستیاب نہ ہو سکا۔

میو روڈ۔ لاہور

۱۴ر دسمبر ۳۷ء

آپ کے گذشتہ خط سے معلوم ہوا تھا کہ حکیم صاحب نے مری بلغم اور کھانسی کے لئے ایک نئی دوا تجویز کی ہے جو دو چار روز میں بھیج دی جائے گی۔ مجھے اس دوا کا ہر روز انتظار رہتا ہے۔ مہربانی فرما کر یہ دوا جلد بھجوا دیجیے۔ عنایت ہو گی۔ باقی خدا کا فضل ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں سلام پہنچے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

لاہور

۱۸ر دسمبر ۱۹۳۷ء

ڈیر پروفیسر قریشی

حکیم صاحب قبلہ کی فوری توجہ مندرجہ ذیل تین باتوں کی طرف دلائیں۔

(۱) وہ دوائی جو مونگ کے دانہ کے برابر روزانہ استعمال کے لئے تھی ایک مدت (جب سے آئی ہے) سے استعمال ہو رہی ہے مگر بلغم کی تولید پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔

(۲) تھوڑی سی حرکت کرنے مثلاً کپڑے بدلنے یا دس بیس قدم چلنے سے میرا دم پھول جاتا ہے اور اس کے بعد جب تک

پانچ سات منٹ بیٹھ نہ جاؤں یا لیٹ نہ جاؤں دم ٹھیک نہیں ہوتا۔ معلوم نہیں کہ یہ نتیجہ اعصاب کی کمزوری کا ہے یا پھیپھڑوں یا قلب کی کمزوری کی وجہ سے۔ یہ بات حکیم صاحب کی خاص توجہ کی مستحق ہے۔ اس سے پہلے اگرچہ دم پھولتا تھا تاہم اس طرح نہیں ہوتا تھا۔ میری استدعا یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی خاص دوا تجویز فرمائی جائے۔

(۳) معلوم ہوتا ہے کہ میرے جسم میں یورک ایڈ کا مواد ہے جو کبھی نقرس کی شکل میں نمودار ہوتا ہے کبھی پٹھہ یا زانو کی تکلیف کی صورت میں۔ حملہ اگرچہ شدید نہیں ہوتا تاہم کوئی مہینہ خالی نہیں جاتا جب یہ تکلیف نہ ہو۔ اس کے لئے بھی خاص اہتمام کی ضرورت ہے۔

مہربانی فرماکر آپ خود حکیم صاحب کے پاس جائیں اور لفظ بلفظ یہ خط ان کو پڑھ کر سنائیں اور جو کچھ وہ فرمائیں اس سے فوراً مجھے مطلع فرمائیں۔ والسلام

محمد اقبالؔ

ڈیر پروفیسر قریشی صاحب

سرمہ مرسلہ حکیم صاحب موصول ہو گیا ہے۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں شکریہ ادا کیجئے۔ والسلام

محمد اقبالؔ

۳۰ دسمبر (سن ندارد)

لاہور

۲۲ر جنوری ۱۹۳۷ء

ڈیر پروفیسر قریشی

آپ کا خط آج موصول ہوا ہے۔ میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ گولیاں ارسال کردہ حکیم صاحب موصول ہو گئی ہیں۔ معجون جس کی نسبت آپ لکھتے ہیں کہ ترک کر دی جائے وہ میں نے پہلے ہی ترک کر دی تھی۔ باقی ایک معجون حکیم صاحب کی بھیجی ہوئی میرے پاس اور ہے جو مونگ کے برابر ناشتہ کے درمیان کھائی جاتی تھی۔ اگر حکیم صاحب کا ارشاد ہو تو بدستور سابق اسی کا استعمال کیا جائے گا۔ مگر پیشتر اس کے کہ میں اس کا استعمال شروع کروں آپ حکیم صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل باتیں عرض کریں۔

ڈاکٹر صاحب کے معائنہ کے مطابق قلب اور پھیپھڑوں کی حالت اچھی ہے۔ حکیم قرشی صاحب جو ہمارے طبیہ کالج کے پرنسپل ہیں ان کو نبض بھی دکھائی گئی تھی۔ وہ بتاتے ہیں کہ نبض کی حالت بھی اچھی ہے۔ عام دیکھنے والے بھی میرے چہرے سے بیماری کا قیاس نہیں کر سکتے۔ بایں ہمہ میری سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ ذرا سی حرکت سے میرا دم پھول جاتا ہے۔ تھوڑا سا چلنا پھرنا، کپڑے بدلنا، پاخانے آنا جانا، یہاں تک کہ مسلسل پانی کا آدھا گلاس پینا یہ سب چیزیں تنفس پر اثر کرتی ہیں۔ بعض دفعہ رات کو پچھلے پہر بھی تنفس تکلیف دیتا ہے اور حکیم قرشی صاحب کے جوشاندہ جس میں عناب، گاؤزباں اور ابریشم وغیرہ ہے،

کے پینے سے آرام ملتا ہے۔ ریح کے اخراج سے بھی تنفس پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ تنفس کی تکلیف شدت برودت کی وجہ سے ہے یا ریح کی وجہ سے۔ حکیم صاحب قبلہ بہتر اندازہ کر سکتے ہیں، غالباً ریح کی وجہ سے ہے۔ قریباً چار سال ہوئے ہیں حکیم صاحب نے فرمایا تھا کہ تمہاری بیماری اصل میں مرض دمہ کی ایک ہلکی سی صورت ہے۔ اب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کا ارشاد بالکل بجا تھا۔ تنفس کی یہ حالت اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ کچھ نہ کچھ دم پھولتا تھا مگر موجودہ حالت صرف اسی موسم سرما میں ہوئی ہے، اس سے پہلے نہ تھی۔ اس واسطے میری استدعا ہے کہ حکیم صاحب ان حالات کی طرف خاص توجہ فرمائیں۔ یہ حالت سننے کے بعد اگر حکیم صاحب کا یہ ارشاد ہو کہ وہی مونگ کے دانہ والی معجون کا استعمال جاری رکھنا مناسب ہے تو میں اس استعمال کروں گا۔

حکیم قرشی صاحب جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے فرماتے ہیں کہ دواء المسک اور خمیرہ گاؤ زبان عنبری کا استعمال میرے لئے بہت مفید ہو گا۔ مہربانی فرما کر آپ اس بارے میں حکیم صاحب سے مشورہ فرمائیں اور جو کچھ ان کی رائے ہو اس سے مجھے مطلع فرمائیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ بھی بخیریت ہوں گے۔ لاہور میں سردی کی بہت شدت ہے۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور

۲۲ جنوری ۱۹۳۷ء

ڈیر پروفیسر قریشی

عرض حال پہلے خط میں کر چکا ہوں جو اُمید ہے کہ آپ تک پہنچ گیا ہوگا اور آپ نے اسے حکیم صاحب کی خدمت میں پڑھ کر سنا بھی دیا ہوگا۔ آج معلوم ہوا کہ تینوں قسم کی گولیاں یعنی روح الذہب قدیم، روح الذہب جدید اور حبّ تقویت صلب قریب الاختتام ہیں۔ شاید دس بارہ روز کے لئے ہوں۔ باقی وہ دوائی جو مونگ کے دانے کے برابر کھائی جاتی ہے ابھی کافی ہے۔ اس کی نسبت میں پہلے خط میں لکھ چکا ہوں کہ بلغم پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ باقی حالات پہلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے اور آپ کا بچہ بھی خوش و خرم ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور

۳۱ جنوری ۱۹۳۸ء

ڈیر پروفیسر قریشی

دوائی جو آپ نے ارسال کی ہے آج موصول ہو گئی ہے۔ کل

یہ خط اور اس سے اگلا خط دونوں ۲۲ جنوری کے ہیں لیکن غلطی سے خط لکھنے والے نے ۱۹۳۸ء کی جگہ ۱۹۳۷ء لکھ دیا۔ ہم نے متن میں ۱۹۳۷ء رہنے دیا ہے جیسا کہ اصل خطوں میں ہے۔ ان خطوں کی ترتیب صحیح تاریخ کے مطابق ہے۔

سے انشاء اللہ اس کا استعمال شروع ہوگا اور ایک ہفتہ کے بعد انشاء اللہ اس کے اثرات سے مطلع کروں گا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلغم بند ہو جائے تو کسی قدر تکلیف دیتی ہے اور اگر ہر صبح آسانی کے ساتھ نکل جائے تو مقابلتاً حالت بہتر رہتی ہے۔ بہر حال جو دوائی آپ نے اب بھیجی ہے اس کے استعمال کے بعد زیادہ یقین کے ساتھ کہہ سکوں گا۔ دوسری بات جو حکیم صاحب کی توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ میرے انگوٹھے، زانو یا جسم کے اور حصوں میں کبھی کبھی درد ہوتا ہے۔ یہ درد اگرچہ شدید نہیں ہوتا تاہم دو چار دن تکلیف ضرور دیتا ہے۔ ہر مہینہ میں ایک آدھ دفعہ ضرور ہوتا ہے۔ تھوڑی سی حرکت سے دم پھول جانے کے متعلق میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ یہ بات سب سے زیادہ توجہ کے قابل ہے۔ قبض کی شکایت بھی عموماً رہتی ہے۔ تین چار روز ہوئے ڈاکٹر سے قلب اور پھیپھڑوں کا معائنہ کرایا تھا۔ وہ دونوں کی حالت ٹھیک بتاتے ہیں۔ روح الذہب کے ساتھ اگر کوئی معجون حکیم صاحب ایسی تیار فرمائیں کہ جس میں درد، بلغم اور دم پھول جانے یعنی تینوں کا خاص لحاظ رکھا جائے تو شاید یہ معجون بہت موثر ہو۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت آداب عرض کریں۔ والسلام

محمد اقبالؔ

لاہور ۳، فروری ۱۹۳۸ء

ڈیر پروفیسر قریشی

معجون جو آپ نے حکیم صاحب سے لے کر ارسال کی ہے وہ میں نے دو روز استعمال کی ہے اور دو روز میں اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ بلغم کا اخراج بہت کم ہو گیا ہے، مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ بلغم کی تولید بھی کم ہو گئی ہے۔ کیونکہ بلغم کا اخراج نہ ہونے سے میری آواز پر نمایاں اثر پڑا ہے یعنی گلا بیٹھ گیا ہے۔ پہلے یہ تھا کہ بلغم کے ہر صبح اخراج ہو جانے سے آواز صاف رہتی تھی لیکن اس دوائی کے استعمال سے اخراج تو کم ہوتا ہے مگر آواز بیٹھ جاتی ہے۔ تولید پر میرے خیال میں اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

آپ نے سُرمہ کے متعلق استفسار کیا تھا۔ اس کا جواب لکھنا میں بھول گیا۔ آپ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کریں کہ اس سُرمے سے بینائی میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ ڈاکٹر صاحب یہی کہتے ہیں کہ سُرموں سے اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ مارچ یا اس کے بعد میں اپریشن کا وقت بتاتے ہیں۔ اس کے علاوہ حکیم صاحب کی خدمت میں یہ بھی عرض کریں کہ میری بھوک کم ہو گئی ہے اور نیند بھی پہلے کی طرح مسلسل نہیں آتی۔ جاوید آداب کہتا ہے۔ امید ہے کہ آپ کا بچہ تندرست ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور

۱۶ر فروری ۱۹۳۸ء

ڈیر پروفیسر قریشی

گولیاں جو آپ نے حکیم صاحب سے لے کر ارسال فرمائی ہیں موصول ہوگئی ہیں۔ باقی دوا کا انتظار ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے مجھ کو زیادہ تر شکایت ایسی بھی ہے کہ ذرا سی حرکت سے دم پھول جاتا ہے اور کبھی کبھی رات کو تنفس کی تکلیف بھی ہوتی ہے۔ ممکن ہے یہ شدت سرما کی وجہ سے ہو جو آج کل لاہور میں غیر معمولی طور پر وسط فروری میں نمایاں ہو گئی ہے۔ کمخوابی کی بھی شکایت ہے۔ مسلسل نیند صرف رات کے آخری گھنٹوں میں آتی ہے۔ پہلے گھنٹوں میں وقتاً فوقتاً اس میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ سرمے کی نسبت میں پہلے لکھ چکا ہوں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ باقی آپ کہتے ہیں کہ حیدرآباد آیئے۔ دل تو حکیم صاحب سے ملنے کو بہت چاہتا ہے اور ملاقات کی ضرورت بھی ہے۔ اس کے علاوہ حیدری صاحب بھی دعوت دیتے ہیں مگر افسوس کہ صحت اتنے طویل سفر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ عثمانیہ یونیورسٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مجھ کو ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی جائے۔ اس فیصلے کے لئے میں صدر اعظم صاحب اور نواب مہدی یار جنگ بہادر کا شکر گزار ہوں۔ نواب مہدی یار جنگ صاحب نے لکھا تھا کہ حیدرآباد آیئے، آپ کی آسائش کا پورا انتظام کیا جائے گا۔ مگر افسوس ہے کہ صحت اجازت نہیں

دی۔ حیدری صاحب نے مجھ پر ایک مزید عنایت کی اور وہ یہ
کہ اقبال ڈے کے موقعہ پر حضور نظام کے توشہ خانے سے بھی
ایک ہزار روپیہ عطا فرمایا مگر افسوس کہ میں اس عطیے کو قبول نہ
کرسکا[1]۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ امید ہے کہ آپ کا
بچہ اچھا ہوگا۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال

لاہور
۱۸ فروری ۱۹۳۸ء
ڈیر پروفیسر قریشی

میں آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں مفصل حالات عرض کر دیئے تھے۔ امید ہے کہ آپ نے وہ خط حکیم صاحب کو سنا دیا ہوگا۔ یہ خط بھی اس کے ہمراہ سنا دیجیے۔

کل آپ کو خط لکھ چکنے کے بعد رات کو مجھے تنفس کی بہت تکلیف رہی قریباً ۱۲ بجے شب سے ۲ بجے صبح تک۔ صبح اٹھ کر میں نے ڈاکٹر کو بلوایا اور معائنہ کروایا۔ انھوں نے بھی اس امر کی تصدیق کی ہے کہ یہ دمہ ہے۔ مگر اس دمہ کو پھیپھڑوں سے کوئی تعلق نہیں

---

[1] اس واقعہ کا ذکر ارمغان حجاز (ص ۲۷۷) کی ایک نظم میں موجود ہے جس کا آخری شعر یہ ہے:

غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات

ہے بلکہ یہ وہ دمہ ہے جو قلب کے اعصاب کی کمزوری سے پیدا ہوتا ہے۔ میں تو خیال کرتا تھا کہ شاید شدت سرما یا ریح کے باعث تکلیف ہو جاتی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ اس کی اصل وجہ قلب کی کمزوری ہے۔ حکیم صاحب کا بھی یہی خیال تھا اسی واسطے میں نے ان کو ڈاکٹری معائنے کے نتیجے سے مطلع کرنا ضروری سمجھا ہے تاکہ اگر میرے لئے کوئی اور معجون تیار کریں تو اس نتیجہ کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ باقی حالات آپ کو پہلے لکھ چکا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

جاوید منزل۔ لاہور

۲۹ مارچ (سن موجود نہیں)

ڈیر پروفیسر مظفر الدین

افسوس ہے میں اتنے دنوں تک آپ کو یا کسی اور دوست کو کوئی خط نہیں لکھ سکا۔ دمہ کے متواتر دوروں سے بہت تکلیف رہتی ہے یہاں تک کہ ایک وقت زندگی سے بھی مایوسی ہو گئی۔ اس وقت نیازی صاحب کے اصرار سے یہ غلطی کی گئی کہ حکیم صاحب کی آمد کی کوشش کرنے کے لئے آپ کو تار دیا گیا۔ میں اس غلطی کے لئے جس کے ذمہ دار زیادہ تر میرے احباب ہیں، بہت نادم ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ حضور نظام کے

پرائیویٹ ملازم ہیں سینکڑوں مریض ان کے زیر علاج ہوں گے جن کو چھوڑ کر آنا ان کے لئے نہایت مشکل ہے۔ اس کے علاوہ اتنے طویل سفر کے متحمل نہیں۔ بہر حال آپ حیدری صاحب کی خدمت میں اس غلطی کی معذرت کر دیجئے اور اس کے لئے مزید کوشش ترک کر دیجئے۔

دو دوائیاں جو آپ نے بھیجی تھیں ان کا استعمال آج آٹھ نو روز سے جاری ہے۔ دوروں کے تواتر میں بہت افاقہ ہے۔ اور صحت اپنی اصلی حالت کی طرف رفتہ رفتہ عود کر رہی ہے۔ ہاں پیٹھ کا درد جس کا حال حکیم صاحب کو اچھی طرح سے معلوم ہے باقی ہے یا ایک مدّت کے بعد عود کر آئی ہے۔ ڈاکٹر یہی کہتے ہیں کہ اس درد کا تعلق بھی قلب کی کمزوری سے ہے۔ حکیم صاحب کی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ پیٹھ کے اوپر کے نصف حصہ میں یعنی گردن سے لے کر دونوں شانوں کے درمیان تک یہ درد ہوتی ہے۔ اس شکایت کے علاوہ دوسری شکایت یہ ہے کہ اجابت باقاعدہ اور کھُل کر نہیں ہوتی۔ تیسری شکایت یہ ہے کہ رات کو نیند شب کے پہلے حصہ میں کم آتی ہے۔ آخری حصہ میں البتہ کچھ نیند آتی ہے۔ پیٹھ کی درد بالعموم رات کو ہوتی ہے۔ یہ تینوں شکایات یعنی

(۱) پیٹھ کی درد

(۲) اجابت کا کھل کر نہ ہونا اور

(۳) نیند کی کمی

حکیم صاحب کی خصوصی توجہ کے لائق ہے۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں بہت بہت سلام اور شکریہ عرض کیجئے۔ اگر ان کی مرسلہ دوائیوں سے مجھ کو مقابلتاً کچھ صحت ہو گئی اور میں سفر کے لائق ہو گیا تو بہت ممکن ہے کہ میں خود ان کی خدمت میں زبانی مشورت کے لئے حاضر ہوں گا۔ فی الحال ڈاکٹروں نے مجھ کو سفر سے بالکل منع کر دیا ہے یہاں تک کہ اگر ایک کمرہ سے دوسرے کمرے تک جانا ہو تو مجھ کو چارپائی پر ہی لے جایا جاتا ہے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ حیدری صاحب کی خدمت میں اگر آپ حاضر ہوں تو میری طرف سے سلام عرض کر دیجئے۔ باقی جو شعر انھوں نے طلب فرمائے ہیں میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا۔ پہلا شعر میرے ذہن سے اتر گیا ہے۔ اگر وہ شعر یاد آ گیا اور اگر یاد نہ آیا تو نیا شعر لکھ کر تینوں شعر لکھ کر بھیج دوں گا۔ آپ ان کو اطمینان دلائیں۔

آپ کے جاوید کو پیار۔ والسلام

اس خط کا جواب اور اگر حکیم صاحب کوئی دوائی تجویز فرمائیں تو دوا جلد ارسال فرمائیں۔

محمد اقبال

(تاریخ ندارد)

ڈیر پروفیسر مظفر الدین۔

اس سے پہلے دو خط لکھ چکا ہوں اور اُمید کرتا ہوں

کہ آپ نے وہ دونوں خطوط حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں پیش کر دیے ہوں گے جس سے ان کو میری تمام موجودہ شکایات معلوم ہو گئی ہوں گی۔ جو دوا آپ نے بھیجی تھی وہ بیس روز کے لیے تھی۔ آج بارہ روز گزر گئے ہیں صرف ۸ روز کی خوراک باقی ہے۔ یہ آٹھ روز اس خط و کتابت میں صرف ہو جائیں گے اور جب یہ خط آپ کو ملے گا میرے پاس صرف چار روز کی دوا ہو گی۔ مہربانی کر کے اس خط کے پہنچتے ہی حکیم صاحب کی توجہ دلائیں۔ ان شکایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو میں پہلے خطوں میں لکھ چکا ہوں یا تو اسی دوا میں ترمیم کی جائے یا کوئی اور دوا تجویز فرمائی جائے۔

حیدری صاحب کے مطلوبہ اشعار علیحدہ کاغذ پر لکھتا ہوں۔ یہ ان کی خدمت میں پیش کر دیجیے۔ افسوس ہے کہ تیسرا شعر میرے حافظہ سے اتر گیا ہے مگر موجودہ دونوں شعر بھی بہت مربوط ہیں۔ انشاءاللہ تندرست ہونے پر اور بھیج دوں گا۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور

جاوید منزل

۳۰ مارچ ۳۸ء

ڈیر پروفیسر مظفر الدین۔

کل میں آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں میں نے تین

شکایات لکھی تھیں۔ یعنی اجابت کا کھل کر نہ ہونا، نیند کا نہ آنا اور پیٹھ کی درد۔ دو باتیں اور تھیں جن کو لکھنا بھول گیا۔ یعنی پیشاب کا کم آنا۔ ایک پاؤں میں خفیف سا ورم ہونا جو غالباً خرابیٔ جگر کی علامت ہے۔ یہ باتیں اس سے پہلے نیازی صاحب حکیم صاحب کی خدمت میں لکھ چکے ہیں۔ احتیاطاً میں بھی لکھتا ہوں۔

میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے حیدر آباد کی طرف سے میرے اعتراض کئے جانے کے متعلق حیدری صاحب سے ذکر کیا۔ شاید آپ کو سارے حالات معلوم نہیں اس وجہ سے آپ نے ان سے ذکر کر دیا ورنہ حالات اس قسم کے ہیں کہ حیدری صاحب سے اس بات کا ذکر کرنا نامناسب ہے۔ آئندہ احتیاط رکھنا چاہیے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ آپ کے بچے جاوید کو دعا۔

محمد اقبالؔ

خطوط بنام جناب ضیاء الدین برنی

ان خطوط کے مکتوب الیہ جناب ضیاء الدین برنی ہیں جو بی اے کا امتحان دینے کے بعد لاہور گئے۔ خواجہ حسن نظامی کا تعارفی خط لے کر وہ اقبالؔ کے ہاں پہنچے اور اس طرح ان سے راہ و رسم کا آغاز ہوا۔

مکرم بندہ۔ تسلیم

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ میں اس عزت کا نہایت مشکور ہوں جو آپ مجھے دینا چاہتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ میں اسے قبول کرنے سے قاصر ہوں اور اس وجہ سے کہ مجھے اس قسم کے نام و نمود سے قطعی اجتناب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے معاف فرمادیں گے [1]

تعجب ہے کہ اس واقعہ کو آپ کشیدگی تعلقات سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اس واقعہ سے پہلے میرے آپ کے کوئی تعلقات نہیں تھے اور میں نے اس موقع پر جو کچھ عرض کیا تھا اس میں میں اخلاقی اعتبار سے بالکل حق بجانب تھا۔ اس کو آپ بخوبی سمجھتے تھے اور یقیناً اب بھی سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اور معاملہ ہوتا یا اب ہو تو میں ہر طرح آپ کی مدد کے لئے حاضر ہوں [2] والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال

۱۷ / اپریل ۱۵ء

---

[1] برنی صاحب چاہتے تھے کہ وہ اپنی کتاب "کلید اخبار بینی" کو اقبال کے نام سے معنون کریں۔ اس کے لئے انھوں نے اقبال سے اجازت طلب کی تھی۔

[2] لاہور میں جب ملاقات ہوئی تو باتوں باتوں میں برنی صاحب کو معلوم ہوا کہ اقبال بی اے کے فلسفے کے مضمون کے ممتحن ہیں۔ انھوں نے جسارت کرکے اپنا رول نمبر پیش کردیا جس پر اقبال خفا ہوگئے اور ملاقات منقطع ہوگئی۔ "کشیدگی تعلقات" سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

لاہور

۲۰ر اپریل ۱۵ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ اگر کتاب کو مرے نام سے معنون کرنے سے اس کی قدر و قیمت میں کوئی اضافہ ہو سکتا جو آپ کی مالی منفعت یا کسی اور فائدہ کا باعث ہوتا تو میں ضرور اجازت دیدیتا مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کا یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ مجھے اخباری دنیا یا اخبار نویسی سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر چونکہ آپ مصر ہیں اس واسطے میں اپنا پہلا خط واپس کرتا ہوں اور یہ عرض کرتا ہوں کہ میں کتاب دیکھ کر ہی آخری فیصلہ کروں گا۔ لیکن آپ مجھ سے یہ عہد کریں کہ اگر کتاب دیکھ کر میں نے اجازت نہ دی تو آپ اس سے ناراض نہ ہوں گے۔ اس واقعہ کا کوئی اثر مرے دل پر نہ تھا اور نہ اب ہے۔ آپ بلا تکلف جب چاہیں میرے غریب خانے پر تشریف لاویں۔ والسلام

آپ کا خادم
محمد اقبال

مکرم بندہ۔

آپ کی کتاب[1] مفید ثابت ہو گی۔ اردو خوانوں کیلئے بالخصوص اس قسم کی کتاب کی ضرورت تھی۔ اگر آپ اس کتاب کے ڈیڈیکیشن سے مجھے معزز کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کی راہ میں حائل ہونا نہیں

[1] کتاب سے مراد "کلید اخبار نویسی" ہی ہے

چاہتا۔ شوق سے ڈیڈیکیٹ کیجئے۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال لاہور

۲۲ر مئی ۱۵ء

لاہور

۳۰ر اکتوبر ۱۵ء

مکرمی۔ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ تصوف کی کتاب پر نظرثانی کرنے کے لئے میں کسی طرح اہل نہیں کیونکہ مجھے تصوف سے معمولی واقفیت ہے اور وہ بھی سطحی۔ اس کام کے لئے موزوں تر آدمی خواجہ حسن نظامی ہیں۔ میری رائے میں تصوف پر بہت سی کتابیں تمام اسلامی زبانوں میں موجود ہیں جن کا مطالعہ عام اسلامی پبلک کے لئے کچھ مفید ثابت نہیں ہوا۔ البتہ اگر آپ تصوف کی تاریخ لکھیں اور بتائیں کہ تاریخی اعتبار سے تصوف کا تعلق اسلام سے ہے یا نہیں تو یہ رسالہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔[لے] والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال لاہور

[لے] برنی صاحب جب تھیوسوفیکل سکول کانپور میں ٹیچر تھے تو انھیں تصوف پر ایک مضمون لکھنے کو کہا گیا تھا۔ انھوں نے خواہش کی کہ اقبال ان کے مضمون پر نظرثانی کر دیں۔

مکرم بندہ۔ السلام علیکم۔

افسوس ہے کہ مجموعۂ اشعار اب تک شائع نہ ہو سکا۔ امید ہے کہ جنگ کے بعد شائع ہوگا۔ "مینارِ دل پہ اپنے ..... الخ"[1] اس غزل کو اس قصّے سے کوئی تعلق نہیں جو آپ نے سنا ہے پیغام محبت کے جواب میں جو نظم میں نے لکھی تھی وہ اور ہے۔ مدت ہوئی 'مخزن' میں شائع ہوئی تھی۔

مہدی و مسیح کے متعلق جو احادیث ہیں ان پر علامہ ابنِ خلدون نے اپنے مقدمہ میں مفصل بحث کی ہے۔ ان کی رائے میں یہ تمام احادیث کمزور ہیں۔ جہاں تک اصولِ فنِ تنقیدِ احادیث کا تعلق ہے میں بھی ان کا ہمنوا ہوں مگر اس بات کا قائل ہوں کہ مسلمانوں میں کسی بڑی شخصیت کا ظہور ہوگا۔ احادیث کی بنا پر نہیں بلکہ اور بنا پر میرا عقیدہ یہی ہے۔

ماجد علی صاحب کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری نہ اس فقرہ کا مطلب پوری طرح ذہن میں آیا ہے کہ کچھ عرض کر سکوں۔

جو سوال آپ نے مجھ سے کیا ہے اس سے پہلے یہ طے ہونا چاہیے کہ consistency کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خود نقیضین، کی تحلیل

---

[1] اقبال کی ابتدائی دور کی غزلوں میں سے ایک غزل (بانگ درا صفحہ ۱۱۲) کا مقطع ہے۔ ؎

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں — اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

اسی غزل کا ایک اور شعر تھا جو بانگ درا کی طباعت کے وقت حذف کر دیا گیا ہے

مینارِ دل پہ اپنے خدا کا نزول دیکھ — یہ انتظار مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

برنی صاحب نے "مینارِ دل" کی ترکیب سے اندازہ لگایا تھا کہ شاید مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرف اشارہ ہے۔

اور ہم آغوشی ہو[1]۔ یہ مسئلہ نہایت دقیق ہے جس کے متعلق اس خط میں لکھنا آسان نہیں۔ اس کا فائدہ کچھ نہ ہوگا، آپ میرا مفہوم نہ سمجھ سکیں گے۔

محمد علی صاحب[2] کے شعر میں سن چکا ہوں۔ آپ نے ان کو اپنے خط میں نقل کرنے کی زحمت کی اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال لاہور

۳۱ر اگست ۱۶ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کی مدت کی خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ میں مجموعہ مرتب کر رہا ہوں[3]۔ کچھ نظموں کی نظر ثانی باقی ہے۔ بعض دولت مند دوستوں نے اسے نہایت عمدہ کاغذ پر چھاپنے کا تہیہ کیا ہے۔ ان کی خواہش ہے روپیہ وہ خرچ کریں اور فائدے تمام و کمال میں اٹھاؤں

---

[1] ماجد علی غلط ہے۔ مکتوب الیہ نے مولوی عبدالماجد دریا بادی کی ایک کتاب 'لیڈر شپ کی نفسیات' کے اردو ترجمے کا حوالہ دے کر سوال کیا تھا۔ اس کتاب میں لکھا تھا کہ انسان کی سیرت ہے۔

[2] محمد علی سے مراد مولانا محمد علی جوہر ہیں جو ان دنوں چھنڈوارہ میں نظر بند تھے۔

[3] برنی صاحب نے دوسرے بے شمار احباب کی طرح اقبال سے خواہش کی تھی کہ وہ اپنا مجموعہ کلام مرتب کر کے چھپوا دیں۔

دل اس کے قبول کرنے میں بھی متامل ہے۔ والسلام

محمد اقبال

۲۲ر دسمبر ۲۰ء

لاہور

لاہور

۱۲ر اپریل ۲۲ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

میں بوجہ عارضۂ نقرس کئی روز سے صاحبِ فراش ہوں اس واسطے آپ کے خط کا جواب نہ لکھ سکا۔

آپ نے جہاں آرا بیگم کی سوانح عمری بہت اچھی لکھی ہے اس کی زندگی واقعی ایک نیک مسلم عورت کا نمونہ ہے۔ علالت کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ معاف فرمائیے۔ میرے نثر کے مضامین صرف چند ایک ہیں اور وہ بھی محفوظ نہیں۔ والسلام

محمد اقبال

خطوط بنام جناب میر خورشید احمد

مکتوب الیہ جناب میر خورشید احمد اُن دنوں حکومتِ ہند کے محکمہ امور خارجہ میں ملازم تھے۔ پاکستان بننے کے بعد گلگت ایجنسی میں رہے۔ آج کل راولپنڈی میں مقیم ہیں۔

مکرمی!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں شملہ میں آفتاب دیکھنے کو ترس گیا۔ اس کے علاوہ اندیشہ تھا کہ ہوا کی رطوبت سے نقرس عود نہ کر آئے۔

شعر زیر بحث کے متعلق یہ عرض ہے کہ دوسری پارٹی کا خیال صحیح ہے۔ اعتقادات کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے بعض اسلامی فرقے (خاصۃً احمدی) مسیحؑ و علی مرتضیٰؓ کو نصاریٰ کا خدا اور شیعوں کا علیؓ کہہ کر گالیاں دے لیتے ہیں۔ خود مرزا صاحب مرحوم اور ان کے مرید مولوی عبدالکریم نے شیعوں کی تردید میں یہی افسوسناک طریقہ اختیار کیا ہے[1]۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ چودھری محمد حسین صاحب سے سلام کہیے گا۔ والسلام

محمد اقبال سیالکوٹ

۲۵ اگست ۱۹۲۲ء

---

[1] اقبال کی نظم "ابرِ گہر بار" یا "فریادِ امت" کا ایک شعر ہے:

یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علیؓ شیعوں کا ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

غالباً اس شعر کے مفہوم کے متعلق اختلاف تھا۔ اقبال سے پوچھا گیا تو انھوں نے واضح کیا کہ اس میں عقاید کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے۔ مناظروں میں بعض اصحاب نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف بُرے انداز میں باتیں کرتے اور ٹوکا جاتا تو کہہ دیتے ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں کہتے بلکہ انجیلوں کے مسیح کو کہتے ہیں۔ یہی طریقہ بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کے متعلق اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اقبال نے خود اجمالاً اشارہ کر دیا ہے۔ گویا اقبال کا یہ شعر اس طریقِ مناظرہ و گفتگو کے خلاف ہے۔

مخدومی!

السلام علیکم۔ والانامہ ملا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

مولوی عبدالسلام کی دونوں کتابوں سے میں بہت مستفیض ہوا۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں بہت بہت آداب عرض کیجئے، نیز التماس دعا بھی کیجئے۔ کرسمس کے دنوں میں دلّی آنے کی امید نہیں۔ البتہ فروری میں ممکن ہے۔ انشاءاللہ العزیز مولوی صاحب سے بھی شرف نیاز حاصل ہوگا۔ غزل مطلوب کے جتنے اشعار یاد ہیں عرض کرتا ہوں۔

کبھی اے حقیقت منتظر! نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

طرب آشنائے خروش ہو، تو نوا ہے محرم گوش ہو
وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوت پردۂ ساز میں

دم طوف کرمک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن
نہ ترے فسانۂ سوز میں، نہ مری حدیث گداز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں[1]

---

[1] یہ غزل بانگ درا (صفحہ ۳۲۰-۳۲۱) میں شائع ہو چکی ہے۔ اشعار کی ترتیب کے فرق کے علاوہ تیسرے

شاید دو چار شعر اور ہوں گے لیکن اس وقت یاد نہیں آئے، پھر عرض کروں گا۔ جو شعر آپ نے خط میں لکھا ہے معلوم نہیں کس کا ہے مگر شعر خوب ہے۔

حضور سرورِ کائنات کو مخاطب کر کے چند اشعار میں نے لکھے تھے جو مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے۔ مجھے یقین ہے انھیں پسند آئیں گے۔

تیغ لا در پنجۂ این کافر دیرینہ دہ
باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الّائے من
از سپہر بارگاہت یک جہاں وافر نصیب
جلوۂ داری دریغ از وادیِ سینائے من
با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یا رسول اللہ! او پنہان و تو پیدائے من[1]

مخلص

محمد اقبال لاہور

۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء

مخدومی!

تسلیم۔ سائل صاحب (دہلوی) کا جواب میری رائے ناقص میں

شعر کا آخری مصرع بانگ درا میں یوں ہے: ع نہ تری حکایت سوزیں نہ مری حدیث گدازمیں۔ بانگ درا میں ایک شعر زاید ہے

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا   ترا دل ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

[1] یہ اشعار "پیام مشرق" (صفحہ ۲۲۰-۲۲۱) میں چھپ چکے ہیں۔

صحیح ہے۔ اصل عربی لفظ درّہ (درۃ التاج) ہے۔ جمع اس کی دار آتی ہے اور شاید درادی بھی۔ فارسی میں بغیر تشدید بھی لکھتے ہیں۔ درِثمین، درمکنون، درِیتیم، درِخوشاب، درِشاہوار، درِنایاب، جہاں تک مجھے معلوم ہے سب درست ہیں۔ اگر ان ترکیبوں میں دریکتا وغیرہ مع التشدید بھی لکھیں تو بھی درست ہے۔ افسوس ہے سند اس وقت مجھے کوئی یاد نہیں۔ اگر مطالعہ میں آ گئی تو لکھ بھیجوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ دُرِیکتا اور دُرّ یکتا دونوں درست ہیں۔ نیازؔ صاحب فتح پوری کا استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ قاآنی نے ایزد یکتا (حالانکہ یکتا ایزد کی صفت معنایۃً ہونی چاہیے) اور رخ یکتا بھی لکھا ہے۔ ایسی صورت میں دریکتا میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔

ساقی نامہ و کشمیر کے متعلق بعض لوگوں کا گلا سن کر مجھے تعجب ہوا۔ افسوس ہے ہندوستان سے فارسی رخصت ہوگئی۔ سعدیؔ نے محض قومی رقابت سے کشمیریوں کی ہجو کی ہو گی کیونکہ ایک زمانہ میں کشمیر ایران کا ہمسر رہ چکا ہے۔ میں نے تو دُکھڑا رو یا ہے اور یہ بات سیاق اشعار سے صاف ظاہر ہے۔ دُکھڑے کی بنا بھی واقعات پر ہے جن کا میں نے کشمیر میں خود مشاہدہ کیا[1]

---

[1] ساقی نامہ "پیامِ مشرق" کی مشہور نظم ہے جو اقبال نے نشاط باغ کشمیر میں کہی تھی۔ اس میں بہار کا منظر پیش کرنے کے بعد ساقی (خدا) سے دعا کی گئی ہے کہ وہ باشندگانِ کشمیر کے دلوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کر دے۔ اس کے چند اشعار جنھیں ہجو تصور کیا گیا ہے یہ ہیں ؎

کشیری کہ با بندگی خوگرفتہ　　بتے می تراشد ز سنگ مزارے

پنجاب کے کشامرہ کی حالت کشمیر کے کشامرہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ نظم کا موضوع کشامرۂ کشمیر ہیں نہ کشامرۂ پنجاب۔ جو لوگ میرے اشعار کو کشمیریوں کی ہجو تصور کرتے ہیں وہ شعر کے مذاق اور مقاصد سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان کے لئے یہی جواب کافی ہے کہ میرے آباؤ اجداد اہلِ خطہ میں سے ہیں۔

شملہ میں . . . . . کے لئے حاضر ہونا پڑے گا مگر معلوم نہیں یہ رسم کب ادا کی جائے گی[1]

محمد اقبال لاہور

۲۶ مئی ۱۹۲۲ء

بر بنا گوش تو اے نیک تر از دُرِّ یتیم
سنبل تازہ ہمے برد مرا زنقرہ سیم (فرخی)

اس شعر سے ظاہر ہے کہ دُرّ مع التشدید واحد ہے اور اس کی صفت میں لفظ یتیم واقع ہے جس کے معنی بے نظیر و یکتا کے ہیں۔ والسلام!

محمد اقبال از لاہور

۳۱ مئی ۱۹۲۲ء

ضمیرش تہی از خیالِ بلندے | خودی ناشناسے ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنتِ او | نصیبِ تنش جامۂ تار تارے
نہ در دیدۂ او فروغِ نگاہے | نہ در سینۂ او دلِ بے قرارے

ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

[1] غالباً نائٹ ہڈ کی رسم کی طرف اشارہ ہے جو خاص اہتمام سے ادا کی جاتی تھی۔

مکرمی!

تسلیم۔ لفظ دُر مع التشدید جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔ میں آج قصیدہ بُردہ پڑھ رہا تھا۔ اس میں یہ شعر نظر آیا:۔

فالدّر یزداد حسناً وّ ہو منتظم

ولیس ینقص قدراً غیر منتظم

یعنی موتی حُسن کے اعتبار سے بڑھ جاتا ہے جب سلسلہ میں منسلک ہو اور اگر منسلک نہ ہو تو بھی اس کی قدر گھٹتی نہیں۔

ایسی صورت میں دُرِّ یکتا کیونکر غلط ہو سکتا ہے؟ اگر یہ لفظ جمع ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ یکتا کا لفظ اس کی صفت نہیں ہو سکتا۔

والسلام!

محمد اقبالؔ لاہور

یکم جون ۱۹۲۳ء

مکرم بندہ!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں، جہاں آپ چاہیں چھپوائیں۔ ہمایوں بھی اچھا رسالہ ہے۔

امام شرف الدین کا لقب "بُصیری" ہے۔ عربوں میں تخلص کا دستور نہ تھا۔ میں نے مثنوی رموزِ بیخودی میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

اے بصیری را ردا بخشندہ — بربطِ سلمیٰ مرا بخشندہ

والسلام — محمد اقبالؔ لاہور

۲۰ جون ۱۹۲۳ء

مکرمی جناب خورشید!

امین صاحب کا میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجئے۔ قطعہ ان کا بہت اچھا ہے۔ کسی اخبار میں اس کی اشاعت کر دیجئے شاید زمیندار اس مطلب کے لئے بہتر ہوگا۔

تعجّب ہے عربی شعر جناب (نگار) کسی عجمی کا بتاتے ہیں۔ وہ شعر حضرت بصیؔری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو مصر کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ ان کا نام امام شرف الدین ہے۔ چھٹی صدی کے آخر میں مکّہ میں پیدا ہوئے اور ساتویں صدی کے وسط میں بمقام قاہرہ ان کا انتقال ہوا۔ خالص عرب تھے۔ مشہور قصیدہ بُردہ جس کا لوگ ورد کرتے ہیں انہی کی تصانیف سے ہے۔ والسلام

میں انشاء اللہ اگست میں شملہ آؤں گا۔

محمد اقبالؔ لاہور

۲۶ جون ۱۹۲۳ء

خطوط بنام تمکینؔ کاظمی صاحب

یہ چند خطوط تمکین کاظمی صاحب کے نام ہیں جو حیدرآباد دکن میں مقیم تھے۔

جناب من !

تسلیم ۔ نوازش نامہ ابھی ملا ہے ۔ میں ذاتی طور پر ترجموں کا قائل نہیں ہوں ۔ تاہم آپ چند اشعار ترجمہ کر کے بھیجئے تو میں رائے دینے کے قابل ہو سکوں گا ۔ اس سے پہلے جو نمونے تراجم کے وصول ہوئے بہت ناقص تھے ۔ میں نے خود اسرارِ خودی پہلے اردو میں لکھنی شروع کی تھی مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا ۔ جو حصہ لکھا گیا تھا اس کو تلف کر دیا گیا ۔ کئی سال بعد پھر یہی کوشش میں نے کی ۔ قریباً ڈیڑھ سو اشعار لکھے مگر میں ان سے مطمئن نہیں ہوں ۔

محمد اقبالؔ لاہور

۱۶ اگست ۲۸ء

جناب من !

تسلیم ۔ میں نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے ۔ افسوس کہ ناقص اور بعض بعض جگہ غلط ہے ۔ میری رائے میں اس ترجمے سے اردو لٹریچر کو کچھ فائدہ نہ ہوگا ۔ محض لفظی ترجمہ ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ شاید مُضر ہے ۔ میری دوستانہ رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اوقات کیلئے کوئی بہتر مصرف تلاش کریں ۔ امید ہے کہ اس بے لاگ رائے سے آپ ناخوش نہ ہوں گے ۔

محمد اقبالؔ لاہور

۴ ستمبر ۲۸ء

جنابِ من!

تسلیم ۔ نوازش نامہ مل گیا ہے۔ "زبورِ عجم" پر شوق سے مضمون لکھئے میری طرف سے اجازت ہے۔ فی الحال علالت کی وجہ سے بہت کم لکھتا پڑھتا ہوں۔ دردِ گردہ نے دو ماہ تک بیقرار کیا۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں اور صحت کے خیال سے چند روز کے لئے شملہ میں مقیم ہوں۔ لاہور جاتے ہی فرصت کے اوقات الٰہیاتِ اسلامیہ پر لیکچر لکھنے میں صرف ہوں گے جن کا وعدہ میں مسلم ایسوسی ایشن مدراس سے کرچکا ہوں۔ اگر فروری ۲۹ء تک یہ لیکچر لکھ سکا تو مدراس میں پڑھے جائیں گے۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔

محمد اقبالؔ شملہ

۱۸ ستمبر ۲۸ء

لاہور

۷ جولائی ۱۹۲۸ء

میر ولی اللہ خوش نویس ائمہ جامع مسجد دہلی کے خاندان سے ہیں اور یہ وہ محترم خاندان ہے جس کے مورثِ اعلیٰ کو شہنشاہ شاہجہاں علیہ الرحمۃ نے بخارا سے بلا کر امام جامع مسجد مقرر کیا تھا۔ میر ولی اللہ کے دادا مولانا حافظ امیر الدین مرحوم و مغفور ابوظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے استاد تھے۔ ان کے والد حافظ سیّد محمد سعید سلطنت دکن اور بھوپال کے وظیفہ خوار تھے جو ان کو ان

کی خاندانی شرافت ونجابت وتقویٰ کی بنا پر عطا کیا گیا تھا میرے نزدیک اس خاندان کے افراد قدر کے مستحق ہیں۔

محمد اقبالؔ بیرسٹرایٹ لا۔

خطوط بنام منشی سراج دین

منشی سراج دین جموں اور کشمیر میں افسر مال تھے۔

شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش کشمیر کے نامور رئیس تھے لیکن بعد میں ان کی حالت پتلی ہو گئی۔ پنجاب نیشنل بنک سرینگر نے ان کے خلاف عدالت سے ڈگری کرائی اور ہزاروں کی جائداد سینکڑوں میں نیلام کرا دی۔ اس میں کافی بے ضابطگیاں بھی ہوئیں

منشی سراج دین نے جو شیخ محمد بخش مرحوم کے داماد تھے، اقبال کو اس سلسلے میں سرینگر بلایا۔ اقبال اور مولوی احمد دین وکیل تقریباً دو ہفتے اس مقدمے کے سلسلے میں سرینگر رہے۔

ان خطوط میں جو اقبال نے منشی صاحب کو لاہور سے لکھے اسی مقدمے کا ذکر ہے۔

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا والانامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

آپ سے رخصت ہو کر پانچ بجے شام راولپنڈی پہنچ گئے اور ۶ بجے شام کی ٹرین بھی مل گئی۔ رستے میں بھی خدا کے فضل و کرم سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ کی مستعدی، خدمت گزاری اور مہمان نوازی کی تعریف کرتے کرتے منزل ختم ہو گئی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

میرا خیال تھا کہ آپ کے مقدمہ میں حکم سنا دیا گیا ہوگا۔ مگر سیٹھ کریم بخش صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ جج صاحب بہادر رخصت سے واپس آکر حکم سنائیں گے۔ آپ سیٹھ صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اگر وہ اشتہار نیلام جو پنڈت جانکی ناتھ نے پیش کیا ہے، مثل پر نہیں ہے تو اس کا کچھ اثر نہ ہونا چاہیے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ وہ مسلمان کی آخری امید ہے۔ سیٹھ صاحب اور بڑے شیخ صاحب سے کہیے کہ درود شریف پڑھنے سے غفلت نہ کریں۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے لئے یہ بات خاص کر حلاّل مشکلات ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ میری طرف سے سب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔ گرمی کی شدت ہے، بارش مطلق نہیں ہوئی اور نہ اس کے بظاہر کوئی علامات نظر آتے ہیں — خواجہ اسد اللہ صاحب (ایڈوکیٹ سری نگر، کشمیر) ملیں تو

میرا سلام ان سے ضرور کہیے۔ والسلام
بخدمت سیٹھ کریم بخش صاحب مضمون واحد

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۱ر جولائی ۱۹۲۱ء

مخدومی منشی صاحب

السلام علیکم۔ آپ کی علالت کی خبر معلوم کر کے تردّد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ نقل فیصلہ مرسلہ سیٹھ کریم بخش صاحب مل گئی ہے اور میں نے فیصلہ بہ غور پڑھا ہے۔

دفعہ ۷ھ کے متعلق جج صاحب بہادر نے جو کچھ لکھا ہے میری رائے میں غلط ہے۔ ہائی کورٹ میں اس کی چارہ جوئی ہو سکتی ہے لیکن اگر عدالت ہائی کورٹ اس امر میں ہم سے متفق ہو اور واقعات پر متفق نہ ہو تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں اس واسطے زیادہ ضروری امر واقعات کے متعلق ہے۔

واقعات کے متعلق یہ عرض ہے کہ جج صاحب نے وہی بات لکھی ہے اور اپنے فیصلے کو اسی بات پر مبنی کیا ہے جس کا احساس ہمیں پہلے ہی تھا یعنی یہ بات کہ واقعات اور بے ضابطگیوں سے ڈگری دار کی بدنیتی ثابت نہیں ہوتی۔ میں نے یہ تمام باتیں پہلے ہی عرض کر دی تھیں۔ سب سے بڑی کمزوری اس مقدمہ میں یہی ہے۔ مجھے امید نہیں کہ ہائی کورٹ جہاں تک بے ضابطگیوں اور غلطیوں کا تعلق ہے، اے ڈی حکیم صاحب[1] سے مختلف تجویز کرے۔

---

[1] سشن جج

شیخ صاحبان اپنی جگہ سوچ لیں اور اس تمام زیر باری کا اندازہ کر لیں جو اپیل وغیرہ کا نتیجہ ہو گی۔ اگر معمولی مالیت کا مقدمہ ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ مقدمہ کی مالیت بھی بڑی ہے اور اخراجات وکلاء وغیرہ بھی اسی حیثیت سے ہوں گے۔ غرض ان تمام امور کو ملحوظ رکھ کر آخری فیصلہ کرنا چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی زیر باری میں اور اضافہ ہو۔ وجوہاتِ اپیل دو چار روز تک لکھ کر ارسالِ خدمت کر دوں گا۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ اپیل دائر کر دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ چند ابتدائی غلطیوں کی وجہ سے اس مقدمہ کا فیصلہ آپ کے حق میں نہ ہو سکا مگر خدا تعالیٰ کی درگاہ سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ صورت نہیں تو اللہ تعالیٰ سیٹھ صاحبان کے لئے کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔ سیٹھ صاحبان کی خدمت میں السلام علیکم۔

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۳ر اگست ۱۹۲۱ء

ڈیر منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ انشاء اللہ آپ کے ارشاد پر غور کیا جائے گا۔

افسوس کہ رحمان راہ[1] کامل طور پر نہ بچا، گو پھانسی سے بچ گیا۔ لالہ کنور سین[2] صاحب سے لاہور میں میں نے اس مقدمہ کا مفصل ذکر

---

[1] رحمان راہ سری نگر کا ایک باشندہ تھا اور وہ قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھا۔ یہ مقدمہ سری نگر ہی میں اقبال کو ملا تھا۔ یہ شخص پھانسی سے تو بچ گیا مگر قید ہو گیا

[2] جسٹس کنور سین جج ہائی کورٹ کشمیر بھی اقبال کی طرح مولانا میر حسن کے شاگرد تھے۔ عربی فارسی خوب جانتے تھے۔

کیا تھا اور تمام بڑی بڑی باتیں ان کو سمجھا دی تھیں اور یہ بھی درخواست کی تھی کہ مقدمہ کی سماعت جموں میں کریں تو میں بغیر مزید فیس کے بحث کروں گا مگر افسوس کہ وہ مقدمہ کشمیر میں سنا گیا۔

بہر حال میں نے منشی اسد اللہ کی تحریر پر اپنی بحث کے مفصل نوٹ ان کو بھیج دیئے تھے جو عدالت میں پیش کر دیئے گئے تھے۔ لالہ کنور سین صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری بحث کے مفصل نوٹ مثل پر موجود ہیں۔ اس وقت اگر میعاد کا سوال نہ اٹھایا جاتا تو مقدمہ مہاراجہ (سر پرتاپ سنگھ) کے سامنے ہی غالباً فیصلہ ہو جاتا۔ مگر منشی اسد اللہ صاحب یہ خیال کرتے رہے کہ بارِ دیگر مقدمہ کونسل کے سامنے پیش ہوگا جہاں رحمان راہ کی بریت کی توقع ہے اس واسطے اس وقت التوا کو غنیمت سمجھا گیا ورنہ میں نے تو مہاراجہ صاحب کو بھی کہہ دیا تھا کہ آپ ابھی فیصلہ کر دیں کیونکہ دوبارہ یہاں آنے کا خرچ مؤکل اپنی غریبی کی وجہ سے نہ اٹھا سکیں گے مگر منشی اسد اللہ صاحب کا یہی خیال تھا کہ التوا بہتر ہے مگر افسوس کہ بعد میں ان کا خیال پورا نہ ہو سکا اور کونسل اب تک نہ بن سکی۔ وہ غلطی سے یہ سمجھتے رہے کہ اس فیس میں جو انھوں نے مجھ کو دی تھی میں دوبارہ کشمیر آجاؤں گا مگر یہ کیونکر ممکن تھا۔

اس کے علاوہ مہاراجہ صاحب کے سامنے میں نے یہ سب کچھ کہہ دیا تھا۔ بہر حال اب میں نے سنا ہے کہ وہ گورنمنٹ آف انڈیا میں لالہ کنور سین صاحب کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہتے ہیں میں نے مندرجہ بالا طویل حالات لکھ کر آپ کو تکلیف دی ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ اگر رحمان راہ کے وارثوں کا ارادہ اپیل کرنے کا مصمم ہو

تو میں بغیر کسی مزید فیس کے ان کی اپیل لکھ دوں گا۔ آپ یہ امر ان کے گوش گذار کر دیں۔

چونکہ کشمیر میں یہ معاملہ ہندو مسلمان سوال بن گیا ہے اس واسطے ممکن ہے رحمان راہ کے وارثوں کو یہ خیال ہو کہ گورنمنٹ آف انڈیا کا قانونی ممبر بھی تو ایک کشمیری پنڈت ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور وقت بھی ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے مہاراجہ کی طرف سے اگر کسی کو پھانسی کا حکم ہو تو اس کی اپیل گورنمنٹ آف انڈیا میں ہوتی ہے۔ قید کا اگر حکم ہو تو اس کی اپیل نہیں ہوتی۔ بہر حال اگر ان کا ارادہ ہو تو مجھے اس میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ اس صورت میں آپ ان سے کہ دیں کہ میری بحث کے مفصل نوٹ اور دیگر کاغذات بھیج دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

والسلام!

مخلص محمد اقبالؔ لاہور

۲۰ راپریل ۱۹۲۲ء

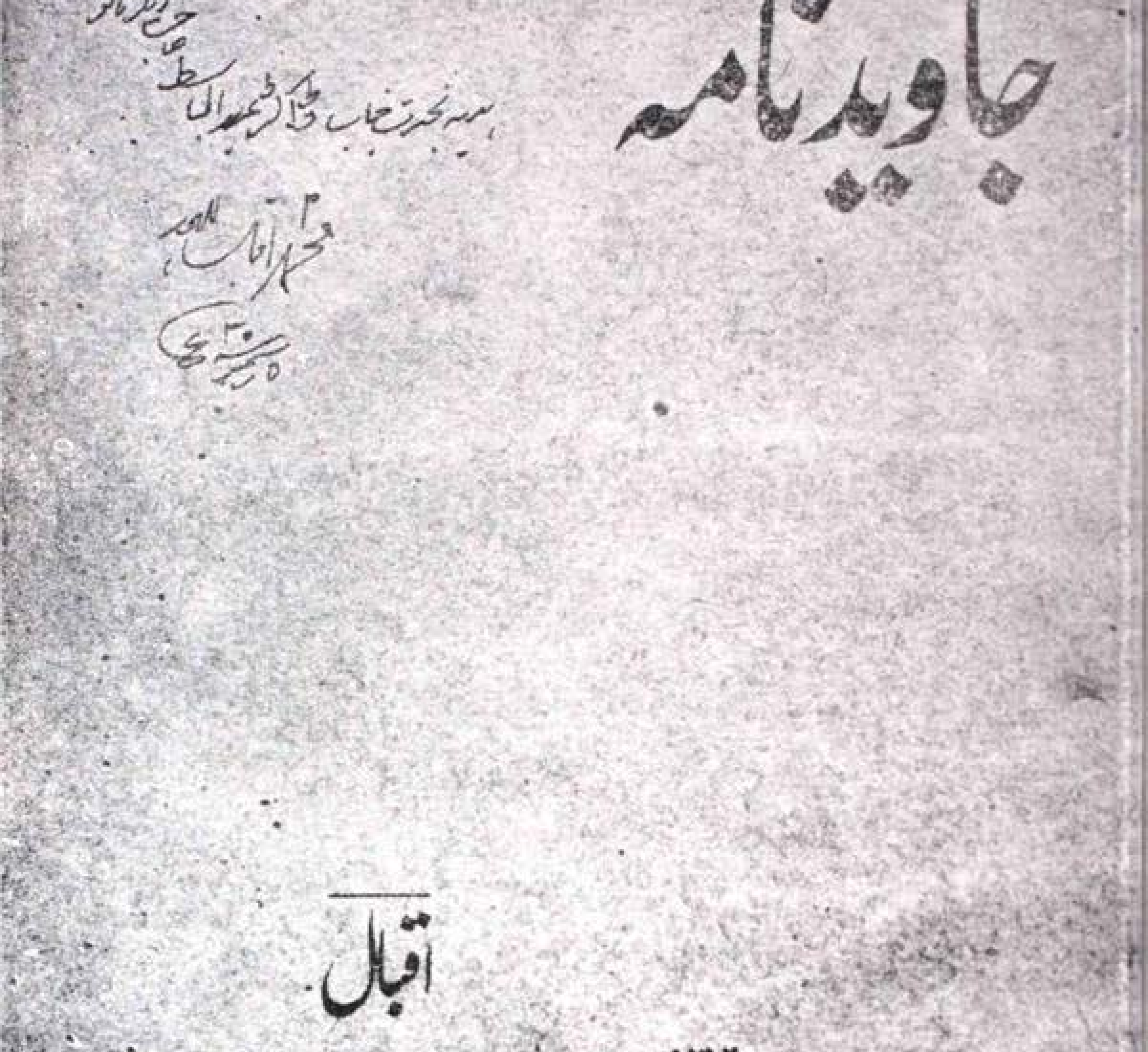

١٦٣

اس نسخے کا عکس جو اقبال نے ڈاکٹر عبدالباسط ریڈیالوجسٹ بھوپال کو بھیجا تھا

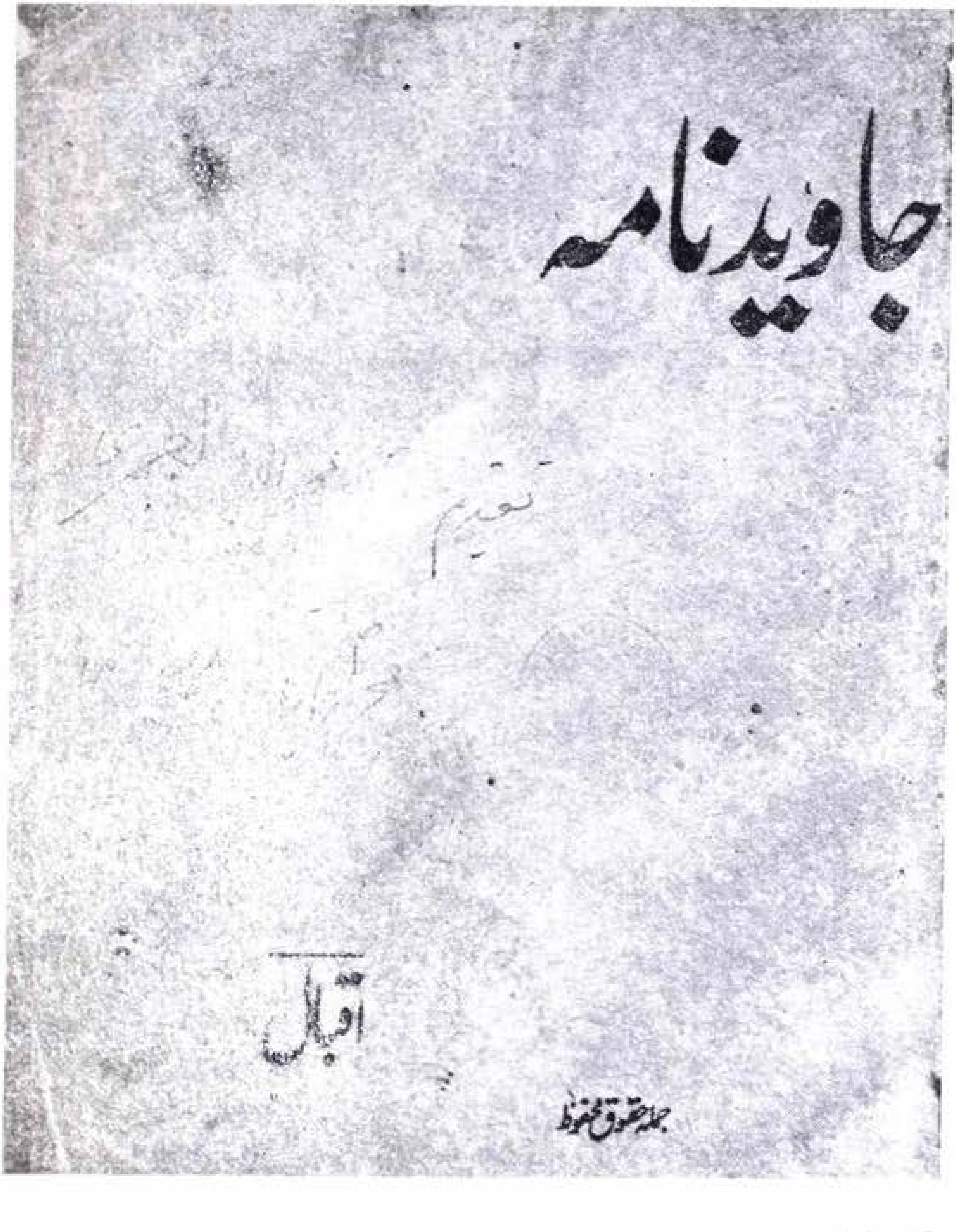
جاوید نامہ

اقبال

جملہ حقوق محفوظ

ص ۱۶۵

اس نسخے کا عکس جو اقبال نے غازی محی الدین اجمیری کو
بطور ہدیہ دیا تھا

متفرق خطوط

نظریہ قومیت کے بارے میں اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک صاحب طالوت نے جنھیں اقبال اور مولانا مدنی دونوں سے عقیدت تھی مراسلت کے ذریعہ یہ اختلافات یا غلط فہمی دور کرا دی تھی۔ مولانا مدنی اور اقبال کے بیانات کئی بار طبع ہو چکے ہیں لیکن اقبال نے جو خطوط طالوت کو لکھے وہ بھی اگرچہ طبع ہو چکے ہیں لیکن کم یاب ہیں۔ اس لئے انھیں اس مجموعے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ آخری خط جو اسی سلسلے کی کڑی ہے ایڈیٹر روزنامہ "احسان" کے نام ہے۔

۱۶ر فروری ۱۹۳۸ء

جناب من

مولانا حسین احمد صاحب کے معتقدین اور احباب کے بہت سے خطوط میرے پاس آئے۔ ان میں سے بعض میں تو اصل معاملہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے مگر بعض نے معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کیا اور مولوی صاحب کو بھی اس ضمن میں خطوط لکھے ہیں۔ چنانچہ آپ کے خط میں مولوی صاحب کے خط کے اقتباسات درج ہیں۔ اس واسطے میں نے آپ ہی کے خط کو جواب کے لئے انتخاب کیا ہے۔ جواب انشاء اللہ اخبار "احسان" میں شائع ہو گا۔ میں فرداً فرداً علالت کی وجہ سے خط لکھنے سے قاصر ہوں۔ فقط

مخلص

محمد اقبال

۱۰ر فروری ۱۹۳۸ء

جنابِ من

سلام مسنون۔ میں حسبِ وعدہ آپ کے خط کا جواب "احسان" میں لکھوانے کو تھا کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی جس کا گوش گزار کر دینا ضروری ہے۔ امید ہے کہ آپ مولوی صاحب کو خط لکھنے کی زحمت گوارا فرما کر اس بات کو صاف کر دیں گے۔ جو اقتباسات آپ نے ان کے خط سے درج کئے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ اگر ان کا مقصود ان الفاظ سے صرف ایک امر واقعہ کو بیان کرنا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا، کیونکہ فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایشیا میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔ البتہ اگر ان کا یہ مقصد تھا کہ ہندی مسلمان بھی اس نظریے کو قبول کر لیں تو پھر بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ کسی نظریے کو اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا وہ اسلام کے مطابق ہے یا منافی۔ اس خیال سے کہ بحث تلخ اور طویل نہ ہونے پائے اس بات کا صاف ہو جانا ضروری ہے کہ مولانا کا مقصود ان الفاظ سے کیا تھا۔ ان کا جو جواب آئے وہ آپ مجھے روانہ کر دیجئے۔ مولوی صاحب کو میری طرف سے یقین دلائیے کہ میں ان کے احترام میں کسی اور مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں۔ البتہ اگر مذکورہ بالا ارشاد سے ان کا مقصد وہی ہے جو میں نے اوپر لکھا ہے تو میں ان کے مشورے کو اپنے ایمان اور دیانت کی رُو سے اسلام

کی روح اور اس کے اساسی اصولوں کے خلاف جانتا ہوں۔
میرے نزدیک ایسا مشورہ مولوی صاحب کے شایانِ شان نہیں اور وہ مسلمانانِ ہند کی گمراہی کا باعث ہوگا۔ اگر مولوی صاحب نے میری تحریروں کو پڑھنے کی کبھی تکلیف گوارا فرمائی ہے تو انھیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں نے اپنی عمر کا نصف حصہ اسلامی قومیت اور ملت کے اسلامی نقطۂ نظر کی تشریح و توضیح میں گزارا ہے محض اس وجہ سے کہ مجھ کو ایشیا کے لئے اور خصوصاً اسلام کے لئے فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایک خطرۂ عظیم محسوس ہوتا تھا۔ کسی سیاسی جماعت کا پروپیگنڈا کرنا نہ میرا اس سے پہلے مقصد تھا نہ آج مقصود ہے بلکہ وہ شخص جو دین کو سیاسی پروپیگنڈے کا پردا بناتا ہے، میرے نزدیک لعنتی ہے

مخلص

محمد اقبال

جناب ایڈیٹر صاحب

احسان، لاہور

السلام علیکم۔

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے اس میں اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد کہ "زمانۂ حال میں اقوام اوطان سے بنتی ہیں" محض برسبیلِ تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی

اعتراض نہیں۔ اور اگر مولانا نے مسلمانِ ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریۂ وطنیت اختیار کریں تو دینی پہلو سے اس پر مجھ کو اعتراض ہے۔ مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار الانصاری میں شائع ہوا مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:۔

لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے اور ان کو ایک ہی رشتے میں منسلک کرکے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔ ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتۂ اتحاد بجز متحدہ قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض یہی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانان ہندوستان کو مشورہ دیا ہے۔ اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار احسان میں شائع ہوا ہے۔ لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا جس کی ایک نقل انھوں نے مجھ کو بھی ارسال کی ہے۔ اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں:۔

مرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا اس میں کوئی کلام نہیں اور اگر مشورہ مقصود ہے تو خلاف دیانت ہے۔ اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ

تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈال لی جائے۔ میں عرض
کر رہا تھا کہ "موجودہ زمانے میں قومیں اوطان
سے بنتی ہیں"۔ یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی
نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا
جاتا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیئے۔ خبر ہے، انشا نہیں
ہے۔ کسی ناقل نے مشورے کا ذکر بھی نہیں کیا۔ پھر
اس مشورے کو نکال لینا کس قدر غلطی ہے"۔

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریۂ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ میں مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوشِ عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنھوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے صلہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں۔ خدا تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے۔ نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیّت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔

محمد اقبال

یہ تینوں خطوط شیخ مبارک علی صاحب تاجر و ناشر کتب لاہور کے نام ہیں جو اقبال کی کتابوں کی طباعت کرایا کرتے تھے۔ یہ خطوط اسی کاروباری نوعیت کے ہیں۔

مکرم بندہ

۱۔ کاپی جو تیار تھی بھیج دیجئے تاکہ میں دیکھ دوں۔

۲۔ کاپی کے خالی حصے کے لئے جو شعر میں نے دئے تھے وہ کاپی میں لکھے گئے یا نہیں۔ اگر عبدالمجید نے انھیں نقل کرلیا ہو تو وہ کاپی بھی بھیج دیں[1]۔

۳۔ "خردہ" کا مسودہ مجھے بھیج دیجئے کہ اس میں اور چند اشعار کا اضافہ کر دوں۔

محمد اقبال

جناب شیخ مبارک علی صاحب

بانگ درا کی طباعت وغیرہ کا بل کریمی پریس کی طرف سے مرے پاس آگیا ہے جس کو میں ادا کر دوں گا۔ آپ اسے ادا کرنے کی زحمت گوارا نہ کریں۔

لیکن عبدالمجید صاحب کاتب کا بل ابھی تک میرے پاس نہیں آیا۔ اگر آپ نے ادا کر دیا ہے تو بہتر۔ اگر ابھی

---

[1] عبدالمجید پروین رقم جس نے اقبال کی اکثر کتابوں کی کتابت کی تھی۔

"خردہ" سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ "پیام مشرق" کی کتابت کے متعلق ہے جو پہلی بار ۱۹۲۳ء میں طبع ہوئی

تک ادا نہیں ہوا تو اطلاع دیجیے کہ اس سے بل منگوا کر ادا کر دیا جائے۔ والسلام

محمد اقبالؔ لاہور

۲۶ اگست ۳۴ء

مکرم بندہ

مندرجہ ذیل کاغذ مرسل ہیں۔

(۱) پیشکش (۲) ٹائٹل پیج۔ اس پر حسب فرمائش وغیرہ نہ لکھا جائے نہ کتاب کی پشت پر کسی اور کتاب کا اشتہار دیا جائے۔ کاغذ کی ایک طرف کتاب کا نام وغیرہ ہے، دوسری طرف وسط میں لفظ "کاپی رائٹ" ہے۔ (۳) دیباچہ (۴) گزشتہ کاپی میں جو جگہ خالی رہ گئی تھی اس کے لیے اشتہار۔ مہربانی کر کے عبد المجید سے میری طرف سے درخواست کیجیے کہ وہ اب اس کام کو ختم کر کے کہیں باہر جائے، اس سے پہلے نہ جائے کیونکہ اس تھوڑے سے کام کے لئے تمام کتاب میں دیر ہو جائے گی۔ ایک دو دن کا کام ہے اور وہ آسانی سے ایک دو روز کے لئے اپنا سفر ملتوی کر سکتے ہیں۔ اگر ان کو روکنا ناممکن ہو تو کیا یہ ممکن نہیں کہ پیشکش اور دیباچہ وغیرہ آپ اور کسی کاتب سے لکھوا لیں؟ مجھے اندیشہ ہے کہ عبد المجید کو سفر میں زیادہ دن لگ جائیں گے اور کام رکا رہے گا۔ بہر حال میں یہ کام آپ پر چھوڑتا ہوں۔ اگر وہ ایک دو روز کے لئے اپنا سفر ملتوی

ص ۳۷۰ بشکریہ جناب ممتاز حسن

وہ نسخہ جو اقبال نے چودھری ظفر اللہ کو دیا تھا

کر دیں تو ان کی مہربانی ہے، نہیں تو جس طرح آپ مناسب سمجھیں کریں۔

باقی کاپیاں جو کل ختم ہو گئی ہوں گی ارسال کیجئے کہ میں ان کو دیکھ لوں[1]۔ والسلام

محمد اقبالؔ

وصل بلگرامی "مرقع" (لکھنو) کے مدیر تھے جو ۱۹۲۶ء میں شروع ہوا اور کوئی ۲ سال تک جاری رہا۔ وصل بلگرامی نے اقبالؔ سے فرمائش کی کہ وہ رسالے کے سرورق کے لئے کوئی مناسب شعر لکھ بھیجیں۔ اس کے جواب میں اقبالؔ نے ایک شعر تجویز کیا۔ جو وصل بلگرامی کو پسند نہ آیا اور انھوں نے ایک اور شعر کا مطالبہ کیا۔

دوسرا شعر جو اقبالؔ نے موزوں کیا وہ وصل بلگرامی کو پسند آگیا اور اس کے بعد "مرقع" کے ہر شمارے میں سرورق پر چھپتا رہا۔

لاہور

۱۸ر نومبر ۱۹۲۵ء

مخدومی، تسلیم

یہ ایک شعر حاضر ہے۔ معلوم نہیں سرورق کے لئے موزوں ہوگا یا نہیں۔

---

[1] "پیشکش" شاید اقبال کی دو کتابوں میں تھی۔ ایک اسرار خودی (طبع اوّل) اور دوسری پیامِ مشرق۔ پہلی کی تاریخ طباعت ۱۹۱۵ء ہے اور دوسری کی ۱۹۲۳ء۔ اسی کی روشنی میں اس خط کی تاریخ کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

ندارد عشق سامانے ولیکن تیشۂ دارد

شگافد سینۂ کہسار و پاک از خون پرویز است

مخلص

محمد اقبالؔ

مخدومی، تسلیم

گفتند دلآزار کہ پربستہ نکوتر

گفتم کہ ز بند دو جہاں رستہ نکوتر

گفتند ز خلوت کدۂ خویش بروں آ

گفتم شرر جستہ زنا جستہ نکوتر

گفتند کہ دربارۂ او چیزے دگرے گو

گفتم چو گل از باد صبا خستہ نکوتر

دانت کے درد سے اب افاقہ ہے۔ ہمدردی کا شکریہ قبول فرمائیے ٹائیٹل پیج کے لئے شاید یہ شعر موزوں ہوں۔

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ

عشق کارے ست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

مخلص

اقبالؔ

ان خطوط کے مکتوب الیہ جناب وحید احمد مدیر "نقیب" (بدایوں) ہیں۔ یہ رسالہ پہلے ۱۹۱۹ء میں جاری ہوا اور کچھ عرصے کے بعد بند ہو گیا۔ ۱۹۲۱ء میں دوبارہ

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کارے است کہ بے آہ و فغان نیز کنند

(عطیہ علامہ سر اقبال)

مرقع

دار الادب لکھنؤ کا مقبول و جہاں عزیز جریدہ

مرتبہ

سید مقبول حسین وصل بلگرامی

بخدمت جناب ڈاکٹر سید عبد الباسط صاحب مدیر [illegible]

محمد اقبال لاہور

یکم اگست ۳۶ء

ضربِ کلیم

یعنی

اعلانِ جنگ دورِ حاضر کے خلاف

نہیں مقام کی خوگر طبیعتِ آزاد
ہوائے سیر مثالِ نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر

اقبال

کاپی رائٹ

ص ۱۷۵

جاری ہوا۔ اقبالنامہ حصہ اوّل (صفحہ ۴۲۵ - ۴۲۸) میں یہی خطوط عشرت رحمانی کے نام سے درج ہیں لیکن بقول جناب عابد رضا بیدار یہ خطوط وحید احمد کو لکھے گئے تھے جیسا کہ تیسرے خط کی آخری سطر سے ظاہر ہوتا ہے (دیکھئے اقبالنامہ حصہ اوّل صفحہ ۴۲۸): "معلوم نہیں کون سا شعر آپ کے پاس امانت ہے۔ بہتر ہے چھاپ دیجئے۔"

لاہور

۴ ستمبر

مکرمی تسلیم

"نقیب" کے لئے دو تین اشعار حاضر ہیں:

از من اے باد صبا گوے بہ دانائے فرنگ
عقل تا بال کشوداست گرفتار تراست
برق را این بہ جگرمی زند آں رام کند
عشق از عقل فسوں پیشہ جگردار تراست
چشم جز رنگ گل و لالہ نہ بیند ورنہ
آنچہ در پردۂ رنگ است پدیدار تراست[1]

مخلص

محمد اقبال

---

[1] یہ تین اشعار نقشِ فرنگ کے عنوان سے 'پیامِ مشرق' (صفحہ ۲۲۵ - ۲۲۶) میں شامل ہیں۔

لاہور

۷ ستمبر ۱۹۲۱ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ملا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کے پاس میرا کوئی اور شعر ہوگا۔ اس شعر میں کیا رکھا ہے۔ اگر آپ کو مضمون لکھنے کی زحمت گوارا ہی کرنا ہے تو ایک رباعی حاضر کرتا ہوں۔ اس پر لکھیئے اور اس شعر کو نہ چھاپیئے اور اس پر مضمون لکھنے کا خیال ترک کیجیئے۔

وہ رباعی مندرجہ ذیل ہے:

تو اے کودک منش خود را ادب کن
مسلمان زادۂ، ترکِ نسب کن
برنگ احمر و خون ورگ و پوست
عرب نازد اگر، ترکِ عرب کن

اس زمانے میں سب سے زیادہ بڑا دشمن اسلام اور اسلامیوں کا نسلی امتیاز و ملکی قومیت کا خیال ہے۔ پندرہ [تیرہ لکھ کر کاٹ دیا اور اسے پندرہ بنایا] برس ہوئے جب میں نے پہلے پہل اس کا احساس کیا۔ اس وقت میں یورپ میں تھا اور اس احساس نے میرے خیالات میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی آب وہوا نے مجھے مسلمان کر دیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے۔ کبھی فرصت ہوئی تو اپنے قلب کی تمام سرگزشت قلمبند کروں گا جس سے مجھے یقین رہے) بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا۔

اس دن سے جب یہ احساس مجھے ہوا آج تک برابر اپنے تحریروں میں یہ ہی خیال میرا مطمح نظر رہا ہے۔ معلوم نہیں میری تحریروں نے اور لوگوں پر اثر کیا یا نہیں کیا لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس خیال نے میری زندگی پر حیرت انگیز اثر کیا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبالؔ

یہ خطوط شاہ سلیمان پھلواروی کے نام ہیں جو برصغیر ہند و پاک کے بلند پایہ عالم و صوفی تھے۔ اسرارِ خودی کی طباعت پر ملک میں جو ہنگامہ ہوا تو خواجہ حسن نظامی نے بھی مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق اقبالؔ کے خیالات سے شدید اختلاف کرتے ہوئے اس سلسلہ میں اقبالؔ اور شاہ صاحب کو خطوط لکھے جن میں اقبالؔ پر اعتراضات کیے گئے تھے۔ شاہ صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار ایک خط میں فرمایا جو "خطیب" میں شائع ہوا اور اقبالؔ نے خواجہ صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ شاہ صاحب سے رجوع کریں۔ بہر حال خواجہ صاحب اور اقبالؔ کے درمیان اختلاف رائے شاہ صاحب اور اکبر الہ آبادی کی مداخلت سے رفع ہوگیا۔

لاہور، ۲۴ر فروری ۱۶ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا السلام علیکم

آپ کا خط جو "خطیب" میں شائع ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ

میری مثنوی اسرارِ خودی آپ تک نہیں پہونچی۔ ایک کاپی ارسالِ خدمت کرتا ہوں تاکہ آپ یہ اندازہ کر سکیں کہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے جو اتہامات مجھ پر لگائے ہیں وہ کہاں تک درست ہیں۔

آپ نے جو خط شائع کیا ہے اس کے حرف حرف سے مجھے اتفاق ہے اور میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے خدا لگتی بات کہی۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کوئی بدظنی نہیں بلکہ مجھے ان سے محبت ہے میرے والد کو فتوحات اور فصوص سے کمال توغل رہا ہے اور چار برس کی عمر سے میرے کانوں میں ان کا نام اور ان (کی) تعلیم پڑنی شروع ہوئی۔ برسوں تک ان دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں رہا گو بچپن کے دنوں میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی تاہم محفل درس میں ہر روز شریک ہوتا۔ بعد میں جب عربی سیکھی تو کچھ کچھ خود بھی پڑھنے لگا اور جوں جوں علم اور تجربہ بڑھتا گیا میرا شوق اور واقفیت زیادہ ہوتی گئی۔ اس وقت میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کی تعلیمات تعلیم قرآن کے مطابق نہیں ہیں اور نہ کسی تاویل و تشریح سے اس کے مطابق ہو سکتی ہیں لیکن یہ بالکل ممکن ہے کہ میں نے شیخ کا مفہوم غلط سمجھا۔ کئی سالوں تک میرا یہی خیال رہا ہے کہ میں غلطی پر ہوں گو اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں ایک قطعی نتیجے تک پہونچ گیا ہوں لیکن اس وقت بھی مجھے اپنے خیال کے لئے

کوئی ضد نہیں۔ اس واسطے بذریعہ عریضہ ہذا آپ کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ آپ از راہ عنایت و مکرمت چند اشارات تسطیر فرمادیں میں ان اشارات کی روشنی میں فصوص اور فتوحات کو پھر دیکھوں گا اور اپنے علم و رائے میں مناسب ترمیم کرلوں گا۔ اگر آپ ایسا ارشاد فرمادیں تو میں مدت العمر آپ کا شکرگزار رہوں گا۔

تجلیٔ ذاتی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ اکبر فرماتے ہیں:۔

"وما بعد ھذا التجلی الا العدم المحض فلا تطمع ولا تحب فی ان ترق من ھذہ الدرجۃ من التجلی الذاتی" اس میں شیخ نے تجلیٔ ذاتی کو انتہائی مقام قرار دیا ہے اور اس کے بعد عدم محض۔ حضرت مجدد نے یہ فقرہ ایک مکتوب میں نقل کیا ہے۔ میری کتابیں اس وقت لاہور میں موجود نہیں ہیں کہ صفحہ و مقام کا پتہ دے سکتا۔

میرا یہ ہرگز عقیدہ نہیں کہ جن بزرگوں کا آپ نے ذکر کیا ہے انھوں نے قرمطی تحریک سے افاضہ کیا۔ یہ خواجہ حسن نظامی صاحب کا بہتان ہے۔ بعض صوفیہ کی تحریروں اور علمائے قرمطی کی تحریروں میں مماثلت ہونا اور بات ہے۔

یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ میں نے اپنی کسی تحریر میں کوئی سوالات نہیں کیے۔ خواجہ صاحب نے خود یہ تنقیحات قائم کی ہیں جو ان کے خیال میں میری تحریر سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ بات دیانت کے خلاف ہے کہ ان سوالوں کو جو خواجہ صاحب

نے آپ کی خدمت میں ارسال کئے میری طرف منسوب کیا جائے اور ان کا نام "ڈاکٹر اقبال کے آٹھ سوال" رکھا جائے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ اس عریضے کے جواب کا انتظار رہے گا۔ والسلام

آپ کا خادم
محمد اقبال

لاہور

۹ ر مارچ ۱۶ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا السلام علیکم

جناب کا والانامہ (ملا) جس کو پڑھ کر مجھے بہت اطمینان ہوا۔

مجھے اس کا یقین تھا کہ آپ کو مثنوی پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمال روحانی کے ساتھ علم و فضل سے آراستہ کیا ہے۔ میں نے خواجہ حسن نظامی کو بھی لکھا تھا کہ مثنوی سے اختلاف نہ کیجئے، دیباچے میں جو بحث ہے اس پر لکھیے۔ مگر افسوس ہے کہ انھوں نے آج تک ایک حرف بھی اس کے متعلق نہیں لکھا۔ آپ کی تحریر سے مجھے یقیناً فائدہ ہوگا مگر میری استدعا ہے کہ مثنوی کے متعلق بھی جو خیال آپ نے خط میں ظاہر فرمایا ہے اس مضمون میں ظاہر فرمایئے کہ جو غلط فہمی خواجہ حسن نظامی کے مضامین سے پیدا ہوگئی ہے وہ دور ہو جائے۔ دیباچے کی بحث ایک علیحدہ بحث ہے اور

وحدۃ الوجود کا مسئلہ اس میں ضمناً آ گیا ہے۔ اس مسئلے کے متعلق جو کہ میرا خیال ہے وہ میں نے پہلے خط میں عرض کر دیا تھا۔ فارسی شعراء نے جو تعبیر اس مسئلے کی کی ہے اور جو جو نتائج اس سے پیدا کئے ہیں ان پر مجھے سخت اعتراض ہے۔ یہ تعبیر مجھے نہ صرف عقائد اسلامیہ کی مخالف معلوم ہوتی ہے بلکہ عام اخلاقی اعتبار سے بھی اقوام اسلامیہ کے لئے مضر ہے۔ یہی تصوف عوام کا ہے اور شیخ علی حزیں نے بھی اسی کو مدِ نظر رکھ کر کہا تھا کہ "تصوف برائے شعر گفتن خوب است" لیکن حقیقی اسلامی تصوف کا میں کیونکر مخالف ہو سکتا ہوں کہ خود سلسلۂ عالیۂ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے تصوف کراہت سے دیکھا ہے۔ بعض لوگوں نے ضرور غیر اسلامی عناصر اس میں داخل کر دئے ہیں۔ جو شخص غیر اسلامی عناصر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے وہ تصوف کا خیر خواہ ہے نہ (کہ) مخالف۔ انہیں غیر اسلامی عناصر کی وجہ سے ہی مغربی محققین نے تمام تصوف کو غیر اسلامی قرار دے دیا ہے اور یہ حملہ انھوں نے حقیقت میں مذہب اسلام پر کیا ہے۔ ان حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ تصوف اسلامیہ کی ایک تاریخ لکھی جائے جس سے معاملہ صاف ہو جائے اور غیر اسلامی عناصر کی تقطیع ہو جائے۔ سلاسلِ تصوف کی تاریخی تنقید بھی ضروری ہے اور زمانہ حال کا علم النفس جو مسالہ تصوف پر حملہ کرنے کے لئے تیار کر رہا ہے اس کا پیشتر سے ہی علاج ہونا ضروری ہے۔ میں نے اس پر کچھ لکھنا

شروع کیا ہے مگر میری بساط کچھ نہیں۔ یہ کام اصل میں کسی اور کے بس کا ہے۔ میں صرف اس قدر کام کر سکوں گا کہ جدید مذاق کے مطابق تنقید کی راہ دکھلا دوں۔ زیادہ تحقیق و تدقیق مجھ سے زیادہ واقف کار لوگوں کا کام ہے۔

آپ کے مکتوبات نہایت دلچسپ ہیں اور حفاظت سے رکھنے کے قابل، نہ کہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ میں نے ان کو خود پڑھا ہے اور بیوی کو پڑھنے کے لئے دیا ہے۔ یہ اعتراف ضرور کرتا ہوں کہ بعض بعض مقامات سے مجھے اختلاف ہے اور یہ سب مقامات مسئلہ وحدت الوجود سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب آپ اپنے مضمون میں زیادہ تشریح سے کام لیں گے تو ممکن ہے کہ مجھے اختلاف نہ رہے کیونکہ مکتوبات میں ایک آدھ جگہ مسئلہ مذکور کی ایک ایسی تعبیر بھی ہے جس سے مجھ کو مطلق اختلاف نہیں اور نہ کسی مسلمان کو ہو سکتا ہے۔ امید ہے کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبالؔ لاہور

یہ خط خواجہ حسن نظامی کے نام ہے اور اسرار خودی کے مباحث کے متعلق ہے۔ جناب شاہ سلیمان پھلواروی اور اکبر الہ آبادی کی تحریک پر اقبالؔ اور خواجہ حسن نظامی میں جو تلخی پیدا ہو گئی تھی وہ ختم ہو گئی لیکن بعد میں "ستارۂ صبح" (لاہور) میں کچھ مضمون شائع ہونے شروع ہوئے تو خواجہ حسن نظامی کو مغالطہ ہوا کہ

یہ اقبال نے لکھے ہیں اور وہ بدمزگی پھر تازہ ہو گئی۔ اس پر میر غلام بھیک نیرنگ نے خواجہ حسن نظامی کو وضاحتی خط لکھ کر غلط فہمی کو رفع کیا چنانچہ خواجہ صاحب نے اقبال کو یہ معذرت کا خط لکھا۔

محب الفقراء جناب شیخ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب

السلام علیکم۔

آج محبّی میر نیرنگ صاحب (غلام بھیک مرحوم) کے خط نے مجھے ایک بڑے مغالطے سے بچا لیا اور میں ان کا از حد ممنون ہوں کہ انھوں نے اپنی ذاتی طمانیت کا اظہار کر کے مجھ کو ایک بدگمانی کے گناہ سے نجات دی۔ میں آپ سے معذرت کرنے کو یہ خط لکھتا ہوں۔ مجھے لاہور کے متعدد حضرات نے تحریری و زبانی اطلاعیں دی تھیں کہ اخبار "ستارۂ صبح" (لاہور) کی آڑ میں آپ ہی مگر مجھے میر نیرنگ کا سب سے زیادہ یقین ہے۔ اس لئے میں اپنی بدگمانی کو واپس لے کر آپ سے عذر کرتا ہوں۔ اب مجھے اس تگ و دو میں آپ سے کوئی سروکار نہ ہو گا۔

مخلص دیرینہ

حسن نظامی

اس معذرت نامہ کے جواب میں اقبال نے خواجہ صاحب کو مندرجہ ذیل خط تحریر کیا۔

لاہور

۱۱ر جنوری ۱۹۱۸ء

مخدوم و مکرم جناب خواجہ صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط کئی دن سے آیا رکھا ہے۔ مجھے مصروفیت رہی اس وجہ سے جواب نہ لکھ سکا۔ معاف کیجئے گا۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ میر نیرنگ صاحب نے آپ کو خط لکھا ہے جس نے آپ کو "بدگمانی کے گناہ" سے بچا لیا۔

الحمدللہ علیٰ ذالک

آپ کو معلوم ہے تقریباً دو سال ہوئے میں نے ان اعتراضات کے جواب میں جو آپ نے مثنوی "اسرارِ خودی" پر کئے تھے چند مضامین مسائل تصوف پر لکھے تھے جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسئلہ "وحدت الوجود" ان معنوں میں کہ ذات باری تعالیٰ ہر شے کی عین ہے قرآن سے ثابت نہیں۔ اور روحانیت میں اسلامی تربیت کا طریق "صحو" ہے نہ "سکر"۔ آپ ہی کے اخبار "خطیب" میں حضرت صوفی قاری شاہ سلیمان نے ان دونوں مسائل کے متعلق میرے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ باوجود اس کے کہ مجھے ہمیشہ اس بات کا تعجب رہا کہ آپ اور آپ کے احباب اس اختلاف کی وجہ سے مجھے کیوں دشمن تصوف سمجھتے ہیں؟ یہ اختلاف کوئی نئی بات نہیں بلکہ حضرات صوفیہ میں ایک عرصے سے موجود ہے۔ بہرحال جن خیالات کا اظہار میں نے اخبار "وکیل" میں کیا تھا ان کی صحت و صداقت کا مجھے اب تک یقین ہے گو ان پر بحث کرنا کئی وجوہ

سے غیر ضروری جانتا ہوں۔ عوام بلکہ خواص کو بھی ان اصولی امور میں کوئی دلچسپی نہیں اور نہ اس قسم کے مباحث اخباروں کیلئے موزوں ہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ مولانا اکبر (الہ آبادی) نے (جن کا ادب و احترام میں اس طرح کرتا ہوں جس طرح کوئی مرید اپنے پیر کا احترام کرے) مجھے لکھا کہ یہ بحث غیر ضروری ہے۔ اس دن سے آج تک میں نے ایک سطر بھی ان مباحث پر نہیں لکھی۔ گو ذاتی فائدے کے خیال سے مطالعہ جاری رکھتا ہوں۔ اب جو مولوی ظفر علی خاں صاحب نے اخبار "ستارۂ صبح" میں یہ بحث دوبارہ چھیڑی تو بوجہ ان دیرینہ تعلقات کے جو میرے اور ان کے درمیان ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ اس بحث میں مجھے کمال دلچسپی ہے بعض لوگوں کو یہ بدگمانی ہوئی کہ "ستارۂ صبح" کے مضامین میں لکھتا ہوں یا لکھواتا ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میرے قلم سے ایک سطر بھی اس بحث پر نہ نکلی اور نہ میں نے مولوی صاحب موصوف (ظفر علی خاں) کو کوئی مضمون لکھنے کی تحریک کی ہے بلکہ پرائیویٹ گفتگو میں کئی امور میں میں نے ان سے اختلاف کیا ہے! اس کے علاوہ میں تو اصولی بحث کو جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں اخباروں کے لئے موزوں نہیں سمجھتا چہ جائیکہ کسی اور کو اس کے جاری رکھنے کی تحریک کروں۔ البتہ موجودہ نتائج کے حالات پر لکھنے اور ہمدردانہ لہجے میں ان کے خیالات و رسوم کی تنقید کرنے سے قوم کو ضرور فائدہ ہو گا۔ اگر مولوی

ظفر علی خاں یا آپ اس طرف توجہ کریں تو "چشم ما روشن دل ما شاد"۔ غرض کہ آپ کو میری نسبت بدگمانی کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی اور اگر کسی وجہ سے بدگمانی ہو بھی گئی تو آپ مجھ سے براہ راست دریافت کر سکتے تھے۔ لوگ تو اس قسم کی باتیں اڑایا ہی کرتے ہیں۔ دو چار روز کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اقبال نے اپنی ٹوپی ہمارے قدموں پر رکھ کر ہم سے معافی مانگی ہے اور آئندہ کے لئے توبہ کی ہے۔ میں نے انھیں یہ جواب دیا کہ جن لوگوں کے عقائد و عمل کا ماخذ کتاب و سنت ہے اقبال ان کے قدموں پر ٹوپی کیا سر رکھنے کو تیار ہے! اور ان کی صحبت کے ایک لحظہ کو دنیا کی تمام عزت و آبرو پر ترجیح دیتا ہے۔ لیکن جو باتیں خواجہ حسن نظامی کی طرف سے منسوب کرتے ہو تو اس کے لغو ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ اگر آپ چاہیں تو یہ خط شائع کر سکتے ہیں۔ والسلام

محمد اقبال از لاہور

نوٹ:۔ اس مراسلت کے بعد خواجہ حسن نظامی نے اپنے ایک مضمون "جناب اقبال و حسن نظامی" مطبوعہ ہفت روزہ "خطیب" میں یہ اعلان کیا: "گذشتہ ایام میں جناب شیخ اقبال صاحب بیرسٹر پی۔ ایچ۔ ڈی اور حسن نظامی کے درمیان مسئلہ تصوف میں اختلاف واقع ہوا تھا۔ گفتگو آگے بڑھتی مگر ایک طرف تو جناب ڈاکٹر صاحب کو مولانا سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی نے روکا اور دوسری جانب مجھے بھی ممانعت فرمائی۔ میں حضرت اکبر کی ذات کو اپنا مرشد معنوی تصور کرتا ہوں اس لئے اس گفتگو سے دستبردار ہو گیا۔ اور خلقت کی اس شہرت کو برداشت کرتا رہا کہ حسن نظامی اقبال سے علمی بحث نہ کر سکا کیونکہ بدنامی بہتر تھی اپنے رہنمائے روح کی عدم تعمیل ارشاد سے۔"

ذیل کے دو خط اقبال نے جناب شیخ عطاءاللہ کے نام تحریر کئے تھے۔

از لاہور

۱۰ اپریل ۰۹ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ شیخ صاحب اسلام علیکم

آپ کی تصنیف شہادت الفرقان علی جمع القرآن کئی روز ہوئے مجھے شیخ عتیق اللہ صاحب سے ملی تھی۔ میں عرصہ سے آپ کی تحریر کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ عدیم الفرصت رہا۔ معاف کیجئے گا۔

یہ چھوٹا رسالہ نہایت لاجواب ہے اور میں اس کے طرز استدلال کو نہایت پسند کرتا ہوں۔ آپ کی محنت واقعی داد کے قابل ہے۔

اور آپ اس بات کے لئے تحسین کے مستحق ہیں کہ قانونی مشاغل میں دینی خدمات کا موقع بھی نکال لیتے ہیں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

یورپ میں اس مضمون پر تحقیق ہوئی اور ہو رہی ہے خصوصاً علمائے جرمنی کے درمیان ایک شخص موسوم بہ فان کریمر نے جرمن زبان میں ایک مبسوط کتاب "تاریخ القرآن" لکھی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ کبھی فرصت ملے تو اس کے بعض حصص کا ترجمہ اردو میں کر ڈالوں۔ کتاب کا انداز عالمانہ اور منصفانہ ہے اگرچہ مجموعی لحاظ سے اس کا مقصد ہماری آرا اور عقاید کے خلاف ہے میرا

مقصد ترجمے سے صرف یہ ہے کہ ہمارے علماء کو یورپ والوں کے طرز استدلال و تحقیق معلوم ہو۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محمد اقبال

لاہور

۶ر جنوری ۲۲ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ شیخ صاحب اسلام علیکم۔

والا نامہ ملا۔ جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

اگرچہ نمائشی چیزوں سے دل گریز کرتا ہے اور میرے قلب کی کیفیت یہ ہے کہ

دلم بہ ہیچ تسلّی نمی شود حاذق
بہار دیدم و گل دیدم و خزاں دیدم

بوجہ تعلقات دیرینہ آپ کے خط نے مجھے خاص طور متاثر کیا جس کے لئے میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں۔ حضرت قبلہ گاہی کی خدمت میں آپ کی مبارک باد پہونچا دوں گا۔ عزیز عتیق اللہ قریباً ہر روز ملتا ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا اور زاویہ نشینی کی وجہ سے قرآن کریم پر غور و خوض کرنے (کا) بہتر موقع آپ کو ملتا ہو گا

مخلص

محمد اقبال

ان دو خطوں کے مکتوب الیہ جناب میاں عبدالرشید ہیں جنھوں نے اپنے پہلے خط میں کچھ فلسفیانہ شکوک کا اظہار کیا تھا۔ میاں صاحب نے یہ خط ۸رجون ۱۹۳۶ء کو لکھا تھا جب وہ دیال سنگھ کالج میں ایم اے ریاضی کے طالب علم تھے۔ اقبالؔ نے اسی خط پر اپنا جواب لکھ کر انھیں واپس بھیج دیا تھا۔

آپ کے خط کے جواب کے لئے ایک دفتر چاہیئے جو میں لکھنے سے قاصر ہوں۔ دوسرا زمانۂ حال کے فلسفہ اور سوشل حالات کا بغور مطالعہ ضروری ہے جس کے لئے چند برسوں کی ضرورت ہے۔ آپ کے سوالات ویسے ٹیکنیکل ہیں جیسے ریاضی کے مسائل جن کو بغیر خاص تربیت و تعلیم کے سمجھنا مشکل ہے۔

محمد اقبالؔ

لاہور

۱۲راگست ۳۶ء

جناب من۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں خوش ہوں کہ آپ کے شکوک رفع ہوئے۔ زیادہ تدبر سے اور باتیں معلوم ہوں گی

آپ کے دوست جب چاہیں تشریف لائیں، میں ہمیشہ گھر پر ہوتا ہوں، بوجہ علالت باہر بہت کم جاتا ہوں۔

پارلیمنٹری بورڈ کا کام زیادہ تیزی سے ستمبر کے بعد شروع ہوگا جب کہ ان لوگوں (کی) درخواستیں نامزدگی کے لئے وصول

ہو جائیں گی جو بورڈ کے ٹکٹ پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں۔ نامزدگی درخواست پر ہوتی ہے بغیر اس کے نہیں کی جاتی۔ بورڈ کا اجلاس ۲۳ اگست کو ہونے والا ہے۔ اس میں نامزدگی کے لئے درخواستیں وصول ہونے کی آخری تاریخ مقرر ہوگی۔ میں نے علالت کی بنا پر استعفا دیا تھا۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ تمام امور سوچ سکوں۔ والسلام

محمد اقبالؔ

ان خطوط کے مکتوب الیہ جناب سید عبدالواحد معینی ہیں جن کو اقبالیات سے کافی شغف ہے۔

---

۱۲ ستمبر ۳۴ء

جناب من۔ اسلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ قبول کیجئے۔ میں ابھی تک علیل ہوں۔ یونانی دوا کے استعمال سے صحت عامہ بہت اچھی ہوگئی ہے مگر آواز پر ابھی کوئی نمایاں اثر نہیں ہوا۔ دعا فرمایئے۔ والسلام

محمد اقبالؔ

جناب من۔ تسلیم

میں اکتوبر میں لاہور ہی میں حاضر رہوں گا سوائے ۲۵ ر

۲۶، ۲۷، اکتوبر کے کہ ان ایام مولانا حالی مرحوم کی سنٹنری پانی پت میں ہو گی۔ وہاں جانے کا وعدہ ہے۔ صحت نسبتاً اچھی ہے۔ والسلام

مخلص محمد اقبالؔ

لاہور ۱۶ ستمبر ۳۵ء

افسوس کہ پروفیسر نکلسن والے خط کی کوئی کاپی میرے پاس موجود نہیں۔

اقبالؔ کے یہ خطوط جناب ڈاکٹر سید یامین ہاشمی کے نام ہیں۔ انھوں نے دوسرے خط کے ہمراہ ایک نظم بہ عنوان "قلزم ہستی" بہ غرض اصلاح بھیجی تھی۔ اس نظم کے پہلے شعر پر اقبالؔ نے اصلاح کر دی اور باقی اشعار اسی طرح چھوڑ دئے۔ اصلاح شدہ شعر درج ذیل ہے۔

کہتے ہیں مرگ جس کو عرفانِ زندگی ہے
یعنی کہ موت پر بھی احسانِ زندگی ہے

لاہور

۹ مارچ ۳۴ء

جناب ڈاکٹر صاحب۔ السلام علیکم۔

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لئے شکریہ قبول کیجیے۔ لیکن میں آپ (کا) مفہوم پورے طور پر نہیں سمجھ سکا کیا آپ ادھر پنجاب یا لاہور میں کوئی ملازمت چاہتے ہیں؟ اگر آپ کا مقصود یہ ہے تو افسوس ہے کہ فی الحال کوئی امکان اس

بات کا نظر نہیں آتا۔ البتہ میرا ارادہ ہے کہ ایک پبلشنگ فرم یہاں بنایا جائے خواہ شراکت کے اصول پر خواہ کمپنی کی صورت میں۔ اگر یہ تجویز کوئی صورت پکڑ گئی تو آپ اس فرم میں شریک ہو سکتے ہیں یا اس کی ملازمت کر سکتے ہیں۔ آپ مفصل لکھیں کہ آپ کا اصل مقصود کیا ہے۔ صحافت کا حال بھی اس وقت پنجاب میں خراب ہے۔ والسلام

محمد اقبال

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

میں نے آپ کی تعمیل ارشاد میں آپ کے پہلے شعر کی اصلاح اپنے خیال ناقص میں کر دی ہے۔ مگر مضمون کے اعتبار سے باقی اشعار کا ٹون اس شعر سے مختلف ہے اور بحیثیت مجموعی آپ کے اشعار کا رنگ عجمیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ زمانۂ حال میں عجمیت سے اجتناب لازم ہے۔ اس وقت مسلمان کا فرض ہے کہ جو قوت خدا تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے اسے اسلام کی خدمت اور اقوام و ملل اسلامیہ کے احیاء و بیداری میں صرف کرے۔ میری رائے میں عجمیت ایشیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔ اس وقت اس "باطل" کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ عجمیت کا اثر مذہب لٹریچر اور عام زندگی پر غالب ہے۔ شاید عربوں اور افغانوں کے سوا تمام اقوام اسلامیہ اس زہر

سے خطرناک طور پر متاثر ہو چکی ہیں۔

شعرائے عرب سے میری مراد شعرائے زمانہ جاہلیت اور زمانہ بنوامیہ ہیں۔ عباسیوں کے عہد میں عجمیت عرب کے لٹریچر پر غالب آگئی تھی۔ اس زمانے کی شاعری کا مطالعہ کچھ زیادہ مفید نہیں خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو ایک لٹریری آئیڈیل کی تلاش میں ہوں۔

دیگر یہ عرض ہے کہ مری صحت اچھی نہیں۔ نقرس کی شکایت ہے اس واسطے بہت کم خط و کتابت کرتا ہوں اور اوروں کی اصلاح سے اصولاً اجتناب کرتا ہوں۔ خیالات کا اثر خط وکتابت سے نہیں ہوتا اس کے لئے صحبت ضروری ہے۔ باقی رہی زبان اردو اور فن شاعری سو اِن سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ میرے مقاصد شاعرانہ نہیں بلکہ مذہبی اور اخلاقی ہیں اس واسطے فن شعر کی اصلاح کے لئے آپ کو کوئی موزوں تر آدمی تلاش کرنا چاہیے۔ میں اس میدان کا مرد نہیں ہوں۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۳۰ر جولائی ۴۳ء

میرے خیالات کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں دیکھیے۔

A voice from the East or the Poetry of Iqbal by Sir Zulfiqar Ali Khan, Kt., C.S.I. Simla

Introduction to Nicholson's English translation of Asrar-i-Khudi

ان کتب کے علاوہ اور مضامین جو امریکہ و یورپ کے اخباروں
اور رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے ہیں۔

محمد اقبال

یہ خط سید شاہ نظیر احمد ہاشمی غازی پوری کے نام ہے جو ڈاکٹر یامین ہاشمی کے عزیز ہیں۔

لاہور

۲۹ر جون ۲۳ء

مکرم بندہ جناب سید صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ افسوس کہ آپ سفر میں بیمار ہو گئے۔ مجھے آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوتی مگر ایک اعتبار سے یہ اچھی بات ہوئی کہ لاہور کی گرمی آپ کے لئے شاید ناقابلِ برداشت ہوتی۔

مجھے آپ کے ترجمے اور تمہید کی اشاعت میں کیوں کر عذر ہو سکتا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اجازتِ اشاعت دینے سے پہلے میں آپ کی کتاب پڑھ لوں۔ ترجمہ نہایت مشکل کام ہے۔ اس کے علاوہ بسا اوقات نثر میں شعر کے

مطالب بیان (کرنے) کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

میں آپ سے کتاب منگوا لیتا لیکن اس میں بھی ایک دقّت ہے اور وہ یہ کہ ستمبر کے آخر تک مجھے بالکل فرصت نہیں۔ اگرچہ ہائی کورٹ جولائی کے آخر میں بند ہو جائے گا تاہم مجھے تعطیلوں میں مطلقاً فرصت نہیں۔ بہت سے کام ہیں جن میں سے ایک "پیام مشرق" کی دوسری ایڈیشن کی ترتیب ہے جو غالباً جرمنی میں طبع ہو گی۔ البتہ ماہ نومبر میں میں آپ کا ترجمہ اور تمہید پڑھ کر کوئی رائے قائم کر سکوں گا۔

کیا میر غلام بھیک صاحب نیرنگؔ نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے؟ ان کی کیا رائے ہے؟ اگر آپ اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتے تو شاید میر غلام بھیک صاحب آپ کے کام پر غایر نظر ڈال کر رائے دے سکیں گے۔ آپ ان سے دریافت کریں کہ آیا وہ یہ زحمت گوارا کر سکیں گے۔ میرے خط کا حوالہ دے دیجیے۔ گوئٹے کے مغربی دیوان کی اکثر نظموں کا ترجمہ انگریزی میں ہو چکا ہے شاید بان لائبریری سیریز میں نکلا تھا۔ غالباً پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں اس کی ایک جلد ہے۔ کسی انگریزی کتب فروش سے دریافت کیجیے۔

والسلام

محمد اقبال

اقبال کا یہ خط سید عبدالغنی پوسٹ ماسٹر دینا نگر کے نام ہے جو ایک مصور پوسٹ کارڈ پر لکھا گیا ہے۔ تصویر جامع مسجد دہلی کی ہے۔

مخدومی جناب قبلہ شاہ صاحب۔ السلام علیکم

انجمن کی طرف سے مجھے کوئی خط نہیں ملا۔ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر مگر افسوس ہے کہ حاضری سے معذور ہوں۔ جولائی کے آخر میں مجھے اور ضروری کام ہے۔ اس کے علاوہ میں نے تو پبلک لائف بوجوہات قریباً ترک کر دی ہے۔ والسلام

آپ کا خادم
محمد اقبال
از لاہور
۲۰ر جولائی ۱۲ء

اقبال نے اکبر الہ آبادی کے انتقال پر یہ تعزیتی خط ان کے لڑکے سید عشرت حسین کو لکھا تھا۔

لاہور ۔۔۔۔ ۱۳ستمبر ۲۱ء

مخدومی۔ السلام علیکم

ابھی زمیندار سے آپ کے والد بزرگوار (اور میرے مرشد معنوی) کے انتقال پُر ملال کی خبر معلوم ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ⁰ اس بات کا ہمیشہ قلق

رہے گا کہ ان سے آخری ملاقات نہ ہو سکی ہیں اور میرے ایک دوست قصد کر رہے تھے کہ ذرا گرمی کم ہو جائے تو ان کی زیارت کے لئے الہ آباد کا سفر کریں۔ انھوں نے اپنے آخری خط میں مجھے لکھا بھی تھا کہ امسال ضرور ملنا۔ بعض باتیں ایسی ہیں کہ خطوط میں نہیں سما سکتیں۔ میری بدنصیبی ہے کہ میں ان کے آخری دیدار سے محروم رہا۔ ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں میں مرحوم کی شخصیت قریباً ہر حیثیت سے بے نظیر تھی۔

اسلامی ادیبوں میں تو شاید آج تک ایسی نکتہ رس ہستی پیدا نہیں ہوئی۔ اور مجھے یقین ہے کہ تمام ایشیا میں کسی قوم کے ادبیات کو اکبرؔ نصیب نہیں ہوا۔ فطرت ایسی ہستیاں پیدا کرنے میں بڑی بخیل ہے۔ زمانہ سینکڑوں سال گردش کھاتا رہتا ہے جب جا کے ایک اکبرؔ اسے ہاتھ آتا ہے۔ کاش اس انسان کا معنوی فیض اس بدقسمت ملک اور اس کی بدقسمت قوم کے لئے کچھ عرصے اور جاری رہتا۔

خدا تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ میں نے ابھی ایک تار بھی آپ کو دیا ہے۔[1]

مخلص محمد اقبال

۱۔ تار کا متن درج ذیل ہے:۔ Heartfelt sympathy India loses a great personality
Iqbal

اقبالؔ نے یہ خط شفاعت اللہ خاں مینجر روزنامہ "زمیندار" کو لکھا تھا۔ "اتحاد" کے عنوان سے اقبالؔ جو اشعار پہلے بھیج چکے تھے وہ یہ ہیں

یہ آیۂ نو جیل سے نازل ہوئی مجھ پر
گیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں ہے گیتا
کیا خوب ہوئی آشتیٔ شیخ و برہمن
اس جنگ میں آخر نہ یہ ہارا نہ وہ جیتا
یہ کفر سے آزاد وہ اسلام سے آزاد
مندر میں نہ بدری ہے نہ مسجد میں مسیتا

اقبالؔ کی اصل تحریر کا عکس اس کتاب میں شامل ہے۔

لاہور
۲۲ر اپریل ۲۲ء
ڈیر شفاعت اللہ خاں
چند شعر ابھی ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ اتحاد کا آخری شعر یوں چھاپئے۔

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے بدری
مسجد سے نکلتا نہیں ضدی ہے مسیتا

محمد اقبالؔ

اسرار خودی کی طباعت (۱۹۱۵) کے بعد اقبالؔ کے فلسفۂ خودی کی موافقت اور مخالفت میں جو گرما گرم بحثیں چل رہی تھی ان سے متاثر ہو کر

انجام

یہ آیۂ نو جیل سے نازل ہوئی مجھ پر
گیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں گیتا

کیا خوب ہوئی آشتیِ شیخ و برہمن
اس جنگ میں آخر نہ یہ ہارا نہ وہ جیتا

یہ کفر سے آزاد ہوا اسلام سے آزاد
مندر میں نہ بدری ہے نہ مسجد میں مصلّا

محمد اقبال

ص ۱۹۸

اخبارات

۱۔ لفظ ۔ سیاست

وہابی نجدی وغیرہ — کذاب جھوٹا — دشمن اسلام (سیاست)

۲۔ اشتہارات ۔ (۱) اظہر سوالات پر ایک اشتہار (رہنما کمال)

(۲) ڈاکٹر اقبال کے اعمال و عقاید (مرزا [illegible])

~~ان میں سے کسی ایک اشتہار [illegible]~~ (۳) ازالہ غلط فہمی (مرزا [illegible])

(۴) [illegible]

کل تعداد ان اشتہارات کی ۱۳ + ۱ = ۱۴

ان اشتہارات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا

۳۔ متفقہ فیصلہ جات ۔ زرگراں ۔ خوجے ۔ [illegible] ۔ لوہار

۴۔ جلسہ جات ۔ [illegible] — اعلان سید علی حائری (شیعہ)

۲۔ جلسے کئے گئے [illegible] — اعلان خواجگان نارووال

[illegible] — اعلان مرزا صاحب قادیان

[illegible] — اعلان [illegible] لاہور

[illegible] — اعلان انجمن اسلامیہ [illegible]

ص ۱۹۹ — بہ شکریہ غلام رسول مہر

پنجاب کونسل کے انتخابات کے دوران (۱۹۲۶) میں مخالفین کی طرف سے الزامات، موافقین کا تذکرہ اور اقبال کے حامیوں کی طرف سے صفائی کا احسن طریقہ اختیار کرنے کا بیان۔

جناب ضامن نقوی صاحب نے ایک سلسلہ مضامین رسالہ "ہمایوں" لاہور میں شائع کرایا۔ پھر اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے ایک مثنوی "اسرار ہستی" کے نام سے لکھی اور اقبالؔ کو بغرض تنقید بھیجی۔ اقبالؔ کا یہ خط اسی سلسلہ میں ہے۔

ضامنؔ نقوی صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۳۴ء میں انھوں نے ایک اور مثنوی "صہبائے راز" اور ایک مقالہ "اصل حیات" طبع کرا کے اقبالؔ کی خدمت میں بھیجے۔ ان کے مطالعہ سے اقبالؔ نے اندازہ لگایا کہ نقوی صاحب برگساں سے متاثر ہیں چنانچہ اقبالؔ نے تبصرہ کے طور پر ایک نظم "فلسفہ زدہ سید زادے کے نام" کہی جو ضرب کلیم (صفحہ ۱۱۰) میں شامل ہے۔

مکرم تسلیم

آپ کی فلسفیانہ مثنوی موسومہ بہ "اسرار ہستی" نہایت سبق آموز ہے اور اس کا طرز بیان بھی دلچسپ ہے۔

اقبالؔ لاہور

۱۱ر جون ۲۳ء

یہ خط جناب صوفی غلام مصطفےٰ تبسّمؔ کے نام ہے۔

لاہور ۶ر ستمبر ۲۵ء

جناب من۔ السلام علیکم

میں کل شام مولوی[1] صاحب کا منتظر رہا لیکن چونکہ وہ تشریف نہ لائے اس واسطے مجھے اندیشہ ہے کہ میرے خط سے کوئی غلط فہمی نہ ہوئی ہو۔ میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں وقت کا تعین اس واسطے (کیا ؟) کہ اس بارے میں مولوی صاحب موصوف کی آسائش کو مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے۔ ان کی یہ عنایت کم نہیں کہ وہ محض مرے فائدہ کے لئے لاہور تشریف لانے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں۔ یہ بات قرینِ انصاف نہیں کہ ان حالات میں میں اپنی سہولت اوقات کو ملحوظ رکھوں۔ مجھ کو یہ بات اس خط میں واضح کر دینی چاہیے تھی کہ وہ جب چاہیں تشریف لائیں مجھ کو صرف ایک روز پہلے مطلع کر دیں "تاکہ میں ان کی تشریف آوری کے وقت مکان پر ہی رہوں کہیں اِدھر اُدھر نہ چلا جاؤں۔ باقی موضوع گفتگو کے متعلق اگر ...... سر دست اجتہاد نہیں تو اور بہت سے امور ہیں جن کے متعلق میں ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ آپ مہربانی کر کے میری تحریر سے یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ مجھے ان سے فائدہ اٹھانے میں تامل ہے۔

آپ کو گزشتہ خط لکھنے کے بعد میں نے چند باتیں نوٹ بھی کر رکھی تھیں جن پر میں مولوی صاحب کے خیالات

---

[1] مولوی صاحب سے مراد مولوی احمد دین مرحوم ہیں جن کے زیرِ اہتمام امرتسر سے رسالہ "بلاغ" اور "البیان" نکلتے رہے۔ مولوی صاحب مرحوم کی تفسیر قرآن بھی انہی رسالوں میں پہلے باقساط طبع ہوتی رہی۔

سننے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا آرزو مند ہوں۔

مخلص

محمد اقبالؔ

مولوی صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر دیجیے گا۔

یہ خط میر حسن الدین کے نام ہے جنھوں نے اقبالؔ کی کتاب

Development of Metaphysics in Persia

کا اردو ترجمہ (فلسفۂ عجم) کیا تھا، جو بعد کو تصدق حسین صاحب تاجؔ نے شائع کیا۔ اس خط میں اسی ترجمہ کا ذکر ہے۔

جناب من!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی تامل نہیں، آپ بلا تکلف اس کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ کچھ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے اور خود میرے خیالات میں بھی بہت سا انقلاب آچکا ہے۔ جرمن زبان میں غزالیؔ، طوسیؔ وغیرہ پر علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ تھیں۔ میرے خیال میں اب اس کتاب کا تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ میری رائے میں ترجمہ کرنے سے بہتر یہ بات ہے کہ آپ خود ایسی

تاریخ لکھیں۔ فقط

محمد اقبالؔ لاہور

۱۱ر جنوری ۱۹۲۷ء

یہ خط پروفیسر رشید احمد صدیقی کے نام ہے۔

جناب صدیقی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے۔

میری ناقص رائے میں خواجہ حافظؔ کے شعر میں "بادیہ پیمائی" ہے[۱]۔

پہلے مصرع میں 'اینجا' سے مراد درین بادیہ ہے۔ مفہوم شعر کا یہ ہے کہ اس دشت میں سینکڑوں ہوائیں بے سلسلہ (یعنی بے زنجیر، آزادانہ) رقص کر رہی ہیں اور یہی ہوائیں اے دل تیری رفیق (حریف بمعنی رفیق) ہیں جب تک تو بادیہ پیما ہے یا ان کا رقص اس غرض سے ہے کہ تو آسانی اور اطمینان سے اس صحرا کو طے کرلے۔ شاعر کا مقصود اپنے آپ کو تسکین

---

[۱] خواجہ حافظؔ کا شعر ہے ؎

صد بادِ صبا این جا بے سلسلہ می رقصند
این است حریف اے دل تا بادیہ پیمائی

"بادیہ پیمائی" کی جگہ دیوان میں اختلافات ہیں۔ ایک "بادہ نہ پیمائی" دوسرا "بادہ نہ پیمائی"۔ سوال غالباً یہ تھا کہ تینوں میں سے کون سا صحیح ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے "بادیہ پیمائی" کو درست قرار دیا۔

دیتا ہے کہ تو اس بادیہ گردی میں تنہا نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر ذرّہ تیری ہی خاطر حالتِ رقص میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلا مصرع بہت بلند ہے اور کسی اور مضمون کا متقاضی ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

محمد اقبالؔ لاہور

۷ر دسمبر ۲۹ء

اقبالؔ نے مولوی احمد دین کی وفات پر یہ تعزیتی خط ان کے بڑے بیٹے خواجہ بشیر احمد کو لکھا تھا۔ مولوی احمد دین (مصنف "اقبالؔ" اور "سرگزشت الفاظ") اقبالؔ کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔

۱۱ر اکتوبر ۱۹۲۹ء

عزیزم بشیر

السلام علیکم

افسوس ہے کہ میں مولوی صاحب مرحوم کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا۔ مجھے اس سے دو ایک روز پہلے نقرس ہو گیا، جس کی وجہ سے پاؤں میں سخت تکلیف تھی، حرکت سے قاصر رہا۔ دوسرے روز دانت کے درد کا پھر اضافہ ہو گیا۔ میں نے خواجہ صاحب (خواجہ فیروزالدین) کے ہم دست آپ کو اپنی معذوری کا پیغام بھی بھیجا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ پیغام آپ تک پہنچا کہ نہ پہنچا۔ بہرحال مجھے یہ افسوس تازیست رہے گا کہ مرحوم کے لئے آخری

دُعا جو کی گئی، میں اس میں شریک ہونے سے محروم رہا۔ خدا تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے اور آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ کل آپ کے ہاں حاضر ہونے کا قصد تھا مگر اس سے پہلے انجمن کے جلسے میں دیر ہوگئی۔ انشاء اللہ اب حاضر ہوں گا امید ہے شام کے قریب آپ سب بھائی گھر پہ ہوتے ہوں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعائے صبرِ جمیل کے۔ والسلام

محمد اقبالؔ

یہ خط جناب سردار رب نواز خاں (ڈیرہ غازی خاں) کے نام ہے۔

لاہور

۲۶ رجون ۳۰ء

جنابِ سردار صاحب، السلام علیکم۔

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے جس کے لئے شکر گزار ہوں۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبالؔ

اقبال نے یہ خط ڈاکٹر محمد دین تاثیر کو لکھا تھا جو ان دنوں انگلستان میں مقیم تھے۔

بھوپال شیش محل

۲۲ جولائی ۳۰ء

ڈیر تاثیر صاحب السلام علیکم

جاوید کے لئے الف لیلہ کا نسخہ جو آپ نے بھیجا ہے مجھے آج یہاں بھوپال میں موصول ہوا۔ جاوید بھی میرے ساتھ ہے۔ وہ کتاب دیکھ کر بہت خوش ہے اور آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہے۔

میں یہاں بھوپال میں بغرض علاج برقی مقیم ہوں اور اگست کے آخر تک علاج جاری رہے گا۔ بہ نسبت سابق حالت بہتر ہے اور ڈاکٹر صاحبان یقینی امید دلاتے ہیں کہ آواز عود کر آئے گی۔ اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال نے نہایت دردمندی سے میرا علاج کرایا ہے۔ اس کے علاوہ جب ان کو سر راس مسعود سے معلوم ہوا کہ میں ایک کتاب مقدمۃ القرآن لکھنا چاہتا ہوں تو اس ارادے کی تکمیل کے لئے مجھے انھوں نے تاحیات پانچ سو روپیہ ماہوار کی لٹریری پنشن عطا فرمائی ہے۔ آپ کو شاید اس کا علم اخباروں سے ہو گیا ہو گا۔ اب ذرا صحت اچھی ہولے تو انشاءاللہ اس کتاب کو لکھنا شروع کروں گا۔ اسی سال کے دوران میں امید ہے صور اسرافیل بھی

ختم ہو جائے گی۔ پھر کچھ مدّت کے لئے مقدمۃ القرآن کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دوں گا۔ باقی اب زندگی میں کوئی دلچسپی مجھ کو نہیں رہی صرف جاوید و منیرہ کی خاطر زندہ ہوں انگلستان آنا بھی اب ممکن نہیں رہا۔ اگر میں کچھ مدّت کے لئے ادھر چلا جاؤں تو ان بچوں کی نگرانی کون کرے گا۔ اس کے علاوہ میرے لئے ان کی جدائی بھی مشکل ہے۔ ان کی ماں کی آخری وصیت بھی یہ تھی کہ جب تک یہ دونوں بچے بالغ نہ ہو جائیں ان کو اپنے سے جدا نہ کرنا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ لاہور سے فساد کی خبریں آ رہی ہیں۔ ملٹری نے فائر کر دئیے تھے آج کی خبر ہے کہ ۱۰ مسلمان مارے گئے۔ زخمیوں کی تعداد معلوم نہیں ہے۔ ملٹری اور پولیس کے آدمی بھی زخمی ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ مسجد شہید گنج کے انہدام کے سلسلہ میں ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ انگریزی تدبر کے اب آخری دن ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

علی بخش سلام کہتا ہے، جاوید آداب لکھواتا ہے۔

محمد اقبالؔ

حاشیہ پر:۔

میاں صاحب کے باغ کے آم لاہور سے لکھا کر روانہ بھوپال ہوا تھا اگرچہ ان آموں کا موسم کچھ میرے بعد شروع ہوگا۔

آپ نے ارادہ کیا تھا کہ جاوید نامہ پر لکچر دیں گے وہ لکچر لکھا گیا یا ابھی تک معرض التوا میں ہے۔ لکھا جائے تو

ایک کاپی ضرور ارسال کیجئے۔

محمد اقبال

یہ خط سید مصطفےٰ حسن صاحب کے نام ہے جو سید رجب علی میر منشی وائسرائے ہند دہلی کے نواسے ہیں۔

جناب من۔ تسلیم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لئے میں سراپا سپاس ہوں۔ افسوس کہ جگراؤں آنے کا مجھے کبھی اتفاق نہ ہوا، ورنہ آپ کے کتب خانے کے نوادر دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوتی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

محمد اقبال

۱۷ فروری ۳۲ء

یہ خط مولانا محمد عرفان خاں کے نام ہے جو ایک مخلص اور نیک انسان تھے مولانا نے ہندوستان کے مسلمانوں کی بہبودی کی خاطر ہر طرح کی تکالیف بڑے صبر و تحمل سے برداشت کیں۔ وہ تحریک خلافت اور خلافت ہاؤس سے وابستہ تھے۔ ۱۹۳۹ء میں فوت ہوئے۔

---

۸ جون ۳۲ء

بصیغہ راز

جناب مولانا۔ السلام علیکم

مولانا شوکت علی تو اس وقت مقدمہ کی تیاری میں مصروف ہوں گے[1]۔ آپ ان سے دریافت حالات کر کے اس خط کا جواب دیں۔ کچھ روز ہوئے میں نے ان کی خدمت میں لکھا تھا کہ ایک ہندو بزرگ مسٹر للت[2] کا خط میرے پاس آیا تھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ مونجے[3] تمہاری اسکیم کو جو تم نے لیگ کے صدارتی ایڈریس میں پیش کی تھی تسلیم کرتے ہیں۔ پنڈت مالوی[4] سے بھی مشورہ کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ وہ بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کے خاطر اس کو تسلیم کر لیں گے گو اس وقت علانیہ طور پر اس اسکیم کو تسلیم کرنا مصلحت نہیں ہے۔

یہ خط بصیغہ راز تھا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ مولانا شوکت علی صاحب سے بھی گفتگو کی ہے وہ بھی صلح پر آمادہ

---

[1] یہ مقدمہ مولانا شوکت علی صاحب نے فری پریس جرنل کے مالک اور اڈیٹر سدانند کے خلاف ازالۂ حیثیت عرفی کے سلسلے میں دائر کیا تھا۔ سدانند نے الزام لگایا تھا کہ رضاکاران خلافت کی لاری سے خون آلود چھرے دستیاب ہوئے جن سے ہندوؤں کو قتل کیا گیا۔ اس مقدمے میں سدانند کو جرمانے کی سزا ہوئی تھی۔

[2] مسٹر للت کوئی وکیل تھے اور مولانا شوکت علی سے ملے تھے۔ اس ملاقات کے بعد مولانا نے روزنامہ "خلافت" میں اس تجویز کی حمایت میں اپنے خیالات ظاہر کئے تھے۔

[3] ڈاکٹر مونجے کا موقف یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان یا ہندو بن کر رہیں یا عرب چلے جائیں۔

[4] پنڈت مدن موہن مالویہ جو کانگرس سے وابستہ ہونے کے باوجود کٹر مہاسبھائی رہے۔

ہیں۔ اسکیم جس کی طرف میں نے اشارا کیا ہے آپ سمجھ گئے
ہوں گے یعنی شمالی ہندوستان کے مسلمان صوبوں کا ایک
ہو جانا۔

اس خط کے موصول ہونے پر میں نے مولانا شوکت علی کو
لکھا اور انھوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ مسٹر پنڈت للت
ان سے ملے تھے۔ میں نے مسٹر موصوف کو دو خط اس کے
جواب میں لکھے تھے مگر یہ خط قریباً ایک ماہ کے بعد ڈیڈ لیٹر
آفس کے ذریعہ سے میرے پاس واپس آ گئے ہیں۔ پہلے مجھ
کو شبہ تھا کہ اس میں کوئی چال اور عیاری نہ ہو مگر اب خطوں
کے واپس آجانے سے یہ شبہ رفع ہوا۔ مسٹر للت اب معلوم نہیں
کہاں ہیں اور مذکورہ بالا خط کے لکھنے سے ان کا کیا مقصد تھا۔
ممکن ہے مولانا شوکت علی اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں۔ بعض
لوگ مشورہ دے رہے ہیں کہ میرے خطوط کے واپس آجانے
کے بعد مسٹر للت کے خط کو شایع کرنا چاہیے اگر ممکن ہو تو
حالات دریافت کرنے کے بعد مجھ کو مطلع فرمائیں۔ امید کہ آپ
کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

افسوس ہے کہ بمبئی کے فسادات ختم ہونے میں نہیں آتے[1]

---

[1] یہ بڑا ہولناک فساد تھا جو بمبئی کے پٹھانوں کے خلاف ہوا تھا۔ ہندوؤں کو شبہ ہو گیا تھا کہ پٹھان ہندو بچوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔ اس خوں ریزی میں پٹھانوں کو نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ مولانا شوکت علی صاحب نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر پٹھانوں کو بچایا۔

یہ خط جناب خواجہ عبدالوحید کے نام ہے جن کے تعلقات اقبال سے کافی گہرے تھے۔ وہ اکثر اقبال کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔ غازی رؤف بے مرحوم مارچ ۱۹۳۳ء میں ہندوستان تشریف لائے تھے اور جامعہ ملیہ دہلی میں توسیعی لیکچر دئے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط ان ہی دنوں کا ہے۔

خواجہ عبدالوحید صاحب کی خواہش تھی کہ جب غازی رؤف بے جامعہ ملیہ دہلی سے فارغ ہوں تو لاہور بھی تشریف لاکر تقریر کریں۔ خط کے پہلے حصے میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

جناب خواجہ صاحب

ابھی تک جواب نہیں (آیا) مگر امید ہے کہ آج شام تک آجائے گا اور اگر انھوں نے تار کی جگہ خط لکھا تو کل صبح جواب ملے گا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر انصاری کا تار ابھی آیا ہے کہ دہلی آکر رؤف پاشا کے لیکچر کی صدارت کروں۔ یہ لیکچر ۴، ۶، ۸ مارچ کو ہوں گے۔ میں ان کے لیکچر کی صدارت کے لئے جاؤں گا مگر واپس آنے کی جواب آنے کے بعد تاریخ مقرر کرسکوں گا۔ آپ آج شام کو پھر دریافت کریں تو شاید میں کوئی مستقل جواب دے سکوں۔

محمد اقبال

یہ خط جناب پروفیسر علم الدین سالک صاحب کے نام ہے اور کشمیر کے معاملات سے متعلق ہے۔

۸ر جون ۳۳ء

جناب پروفیسر صاحب

وہ مسودہ ابھی تک نہیں آیا۔ میں اس کا منتظر ہوں تاکہ ڈیپوٹیشن جانے سے پہلے اس کی اشاعت ہو جائے۔

محمد اقبال

اس خط کے مکتوب الیہ مرزا یعقوب بیگ لاہور کے مشہور ڈاکٹر اور لاہوری جماعت احمدیہ کے سرگرم کارکن تھے۔

۱۹۳۱ء کے آخری مہینوں میں کشمیر میں فسادات کا ایک بے پناہ سلسلہ شروع ہوا۔ مجلس احرار نے عملی مظاہرے شروع کئے۔ دوسری طرف ایک علیحدہ کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد آئینی ذرائع سے مسلمانان کشمیر کی مدافعت تھی۔ اس سلسلے میں اس کمیٹی نے مسلمان سیاسی قیدیوں کی قانونی مدد کے لئے وکلاء کو کشمیر بھیجنا شروع کیا۔ اس کمیٹی کے صدر مرزا بشیر الدین محمود تھے۔

کشمیر کمیٹی کے اکثر اجلاس لورینگ ہوٹل میں ہوتے تھے جو مال روڈ پر واقع تھا جہاں آج کل پی آئی اے کا دفتر ہے۔

رحیم بخش مرحوم ریٹائرڈ سیشن جج تھے جو کشمیر کے معاملات میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔

۱۲ ستمبر ۳۲ء

جناب مرزا صاحب

آپ کا دستی خط ابھی ملا ہے۔ اس وقت تک مجھے کوئی اطلاع نہ تھی۔ ہاں اخباروں میں ضرور دیکھا تھا کہ آپ کا کوئی جلسہ لورینگ ہوٹل میں ہوا ہے۔ آپ کے خط کے ساتھ مہر صاحب کا ایک خط ملا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ۱۶ ستمبر سے پہلے جواب دیا جائے۔ افسوس ہے کہ میں ان کے خط کا جواب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اجلاس میں ان کا خط پیش کرنے کے بغیر عرض نہیں کرسکتا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس ۱۶ ستمبر تک ممکن نہیں کیونکہ بہت سے ممبران لاہور سے باہر گئے ہیں۔ دونوں سکرٹیری بھی باہر گئے ہیں۔ رحیم بخش صاحب بھی یہاں نہیں ہیں۔ میں اپنی ذمہ داری پر کوئی جواب لکھنا نہیں چاہتا۔ ہاں ذاتی رائے رکھتا ہوں جس کے بیان کرنے کا موقع ابھی نہیں آیا۔ والسلام

محمد اقبال

مہربانی کرکے یہ خط مہر صاحب تک پہونچا دیں کہ ان کے خط کا جواب بھی یہی ہے جو ادھر مذکور ہوا۔

محمد اقبال

اقبال نے یہ خط نواب بہادر یار جنگ مرحوم کو لکھا تھا

لاہور

۱۴؍ستمبر ۳۲ء

مخدومی جناب نواب صاحب۔ السلام علیکم

مظلومینِ کشمیر کی امداد کے لئے آپ سے درخواست کرنے کے لئے یہ عریضہ لکھتا ہوں۔ اس وقت حکومت کی طرف سے ان پر متعدد مقدمات چل رہے ہیں جن کے اخراجات کی وجہ سے فنڈ کی نہایت ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی تھوڑی سی توجہ سے یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ اس سے پہلے ایک خط مجھے ایک بزرگ محمد اعظم نامی نصیر والا عمان آباد کی طرف سے آیا تھا۔ انھوں نے خود بھی چندہ کر کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا اور مجھے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کی توجہ اس طرف کراؤں۔ مجھے یقین ہے کہ (آپ) مسلمانانِ کشمیر کو امداد کا مستحق تصور کرتے ہیں۔ یہ طباع اور ذہین قوم ایک مدت سے استبداد و ظلم کا شکار ہے۔ اس وقت مسلمانانِ ہند کا فرض ہے کہ ان کی موجودہ مشکلات میں ان کی مدد کی جائے۔

زیادہ کیا عرض کروں امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ یہ خط خلیفہ عبدالحکیم صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی کی معرفت آپ تک پہونچاتا ہوں۔ مجھے آپ کا ایڈریس معلوم نہ تھا اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ میرا خط کسی اور طرف نہ چلا جائے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

یہ خط جناب نصراللہ خاں کے نام ہے جو آج کل روزنامہ حریت کراچی میں کالم نویس ہیں۔ نصراللہ صاحب ۱۹۲۴ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک لاہور میں روزنامہ "زمیندار" سے وابستہ رہے۔ اس دور میں وہ اکثر اقبال کی محفلوں میں شریک ہوتے رہے۔ جب اقبال کی بصارت بہت کمزور تھی تو جناب نصراللہ خاں اقبال کو سول ملٹری گزٹ اور ٹریبون کے لیڈر پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔

نصراللہ خاں کے ایک عزیز دوست دہریہ ہو گئے اور یہ انھیں لے کر اقبال کے پاس پہنچے اور اقبال سے کہا: یہ میرے دوست خدا کو نہیں مانتے آپ انھیں سمجھائیے۔ اس پر اقبال مسکرائے اور کہا: "جس کو اللہ نہ سمجھا سکا اس کو میں کیا سمجھا سکوں گا"۔

جناب نصراللہ خاں کا کہنا ہے کہ اقبال اُن کو خطوں میں ہمیشہ "عزیزم" لکھا کرتے تھے لیکن اس خط میں انھوں نے "جناب من" لکھا تو انھیں تعجب ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اقبال نے ان کے خط کو ایک بزرگ جناب رانا نصراللہ خاں کا خط سمجھا اور "جناب من" سے مخاطب کیا۔

لاہور

۵ راگست ۳۶ء

جناب من۔ السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ افسوس کہ میں ابھی تک علیل ہوں اگرچہ پہلے کی نسبت کسی قدر افاقہ ہے۔ عام صحت کسی قدر بہتر ہو گئی ہے مگر آواز میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ اسمبلی کے آیندہ انتخابات میں حصہ لینے کی نہ

تمنا ہے نہ ارادہ۔

محمد اقبالؔ

اس خط کے مکتوب الیہ جناب نور حسین ہیں جو آج کل ہرنائی (بلوچستان) میں کمیشن ایجنٹ ہیں۔ انھوں نے شدت عقیدت سے اپنے خط میں خواہش ظاہر کی کہ اگر روزگار کا انتظام ہو سکے تو وہ لاہور میں آکر مقیم ہو جائیں اور اس طرح ان کی صحبت سے مستفید ہو سکیں۔ جناب نور حسین نے لاہور کو "مدینہ محمد اقبالؔ" کا نام دیا ہے۔

لاہور

۱۷ مارچ ۳۷ء

جناب من۔ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ میں خرابیٔ صحت اور کمزوریٔ بصارت کی وجہ سے خود نہیں لکھ سکتا۔ اس واسطے ایک دوست (سے) خط کا جواب لکھوا رہا ہوں۔ معاف کیجیے۔

افسوس ہے کہ شہر لاہور میں آپ کے لئے کوئی صورت گذارہ ہو جانے کے متعلق میں کوئی امید آپ کو نہیں دلا سکتا۔ یہاں کے سینکڑوں تعلیم یافتہ نوجوان بے کار پھر رہے ہیں۔ سرکاری ملازمت کا دروازہ عملاً بند ہے اور پرائیویٹ ملازمت تجارت کی کساد بازاری کی وجہ سے قریباً ناممکن ہو گئی ہے۔ ایسی حالت میں میں آپ کو لاہور کی طرف رخ کرنے کا مشورہ

نہیں دے سکتا۔ میں ذاتی تجربہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو لوگ لاہور میں ملازمت کی تلاش میں آتے ہیں ان کو بے اندازہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

باقی رہے آپ کے خواب[1]، سو عرض یہ ہے کہ میں فنِ تعبیر میں کوئی ملکہ نہیں رکھتا۔ البتہ عام مسلمانوں کی طرح میرا بھی یہ عقیدہ ہے کہ حضورِ رسالت مآبؐ کی زیارت خیر و برکت کا باعث ہے۔ گزشتہ دس پندرہ سال میں کئی لوگوں نے مجھ سے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے حضورِ رسالت مآبؐ کو جلالی رنگ میں یا سپاہیانہ لباس میں خواب میں دیکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ علامت احیائے اسلام کی ہے

والسلام

محمد اقبالؔ

---

[1] جناب نور حسین نے اپنا یہ خواب اقبالؔ کو تحریر کر کے اس کی تعبیر دریافت کی تھی:۔
"بندہ گنبدِ خضرا کے اندر پالتی مار کر بیٹھا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مقبرے کے چبوترے پر بیٹھے ہیں، چہرہ خوفناک ہے، آنکھیں ماتھے پر ہیں، خوف اور کراہت ہو رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد صورت منقلب ہوتی ہے۔ چہرہ مبارک نورانی، داڑھی نصف سیاہ نصف سفید ہے رات کی جگہ دن ہے۔ پھر صورت منقلب ہوتی ہے۔ چہرہ بہت نورانی ہے۔ تیس تیس کا سن ہے۔ سر پر بال بٹے رکھتے ہیں۔ داڑھی چھوٹی چھوٹی سیاہ۔ پھر چوتھی حالت پیدا ہو گئی ہو آپ کا سن ۱۸، ۱۹ سال (کا ہے) سبزہ آغاز نوجوان ہیں۔ بندے نے حضرت اقبالؔ کے کلام سے پڑھنا شروع کیا ہوا ہے..... جوں ہی علامہ اقبالؔ کے کلام سے بندہ نے شعر پڑھا تو آپ نے بھی حضرت علامہ کے کلام کو اسی طرح پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ بندہ اور آں حضرت بالکل آمنے سامنے جیسے استاد شاگرد یا دوست دوست۔ حضرت علامہ اقبالؔ کے کلام کو دہراتے اور داد دیتے ہیں۔ سرور کا وہ عالم ہے جس کی کیفیت تحریر میں نہیں آ سکتی۔"

جناب ظفر احمد صدیقی نے اقبالؔ کے ایک معترض کے اعتراضات اور اپنی طرف سے ان اعتراضات کا جواب بعنوان "نذرِ اقبال" منظوم کیا اور یہ نظم اقبالؔ کو بھیج دی۔ اقبالؔ نے اس کے جواب میں صدیقی صاحب کو ایک خط لکھا۔ صدیقی صاحب کی نظم اور اقبالؔ کا خط درج ذیل ہیں۔

لاہور

۱۲ر دسمبر ۳۶ء

جنابِ من

۱۔ معترض ...... قرآن کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہے علیٰ ہذا القیاس اسلامی تصوف میں مسئلہ خودی کی تاریخ اور نیز میری تحریروں سے ناواقف محض ہے۔ موخر الذکر صورت میں میں اسے معذور جانتا ہوں۔ آخر اس غلامی کے زمانے میں مسلمانوں کے پاس کونسا ذریعہ ہے جس سے وہ اپنی آیندہ نسلوں کو اسلامی تصورات کے بننے اور بگڑنے کی تاریخ سے آگاہ کر سکیں۔ غلام قومیں مادیات کو روحانیات پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور جب ان میں خوے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو ہر ایسی تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتے ہیں جس کا مقصد قوتِ نفس اور روحِ انسانی کا ترفع ہو۔

۲۔ اعتراض کا جواب آسان ہے۔ دینِ اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدہ کی رو سے ہر شے پر مقدم ہے نفسِ انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا بلکہ ان کے عمل

کے لئے حدود معین کرتا ہے۔ ان حدود کے متعین کرنے کا نام اصطلاح اسلام میں شریعت یا قانون الٰہی ہے۔ خودی خواہ مسولینی کی ہو خواہ ہٹلر کی قانون الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔ مسولینی نے حبشہ کو محض جوع الارض کی تسکین کے لیے پامال کیا۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں حبشہ کی آزادی کو محفوظ رکھا۔ فرق اس قدر ہے کہ پہلی صورت میں خودی کسی قانون کی پابند نہیں دوسری صورت میں قانون الٰہی واخلاق کی پابند ہے۔ بہرحال حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکام الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال وعواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیہ اسلام نے فنا کہا ہے بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے۔ لیکن ہندی اور ایرانی صوفیہ میں سے اکثر نے مسئلہ فنا کی تفسیر فلسفہ ویدانت اور بدھ مت کے زیر اثر کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اس وقت عملی اعتبار سے ناکارہ محض ہے۔ میرے عقیدہ کی رو سے یہ تفسیر بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک تھی اور ایک معنی میں میری تمام تحریریں اس تفسیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہیں۔

۳۔ معترض کا یہ کہنا کہ اقبالؔ اس دور ترقی میں جنگ کا

حامی ہے غلط ہے میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت
کی حدود معینہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے۔ قرآن کی
تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہ اور
مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جبکہ مسلمانوں پر ظلم کیا
جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے مسلمان کو تلوار اٹھانے کی
اجازت ہے (نہ حکم)۔ دوسری صورت میں جس میں جہاد کا حکم ہے
۹:۴۹ میں بیان ہوئی ہے ان آیات کو غور سے پڑھئے تو آپ کو
معلوم ہوگا کہ وہ چیز جس کو سیمویل ہور جمیعتِ اقوام کے اجلاس
میں Collective Security کہتا ہے قرآن نے اس کا اصول
کس سادگی اور وضاحت سے بیان کیا ہے اگر گذشتہ زمانے کے مسلمان
مدبرین اور سیاسئین قرآن پر تدبر کرتے تو اسلامی دنیا میں جمیعتِ اقوام
کو بنے ہوئے آج کئی صدیاں گذر گئی ہوتیں۔ جمیعتِ اقوام جو زمانہ
حال میں بنائی گئی ہے اس کی تاریخ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جب تک
اقوام کی خودی قانونِ الٰہی کی پابند نہ ہو امنِ عالم کی (کوئی) سبیل
نہیں نکل سکتی۔ جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے سوائے میں اور
کسی جنگ کو نہیں جانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لئے جنگ کرنا
دینِ اسلام میں حرام ہے علیٰ ہذا القیاس دین کی اشاعت کے لئے تلوار
اٹھانا بھی حرام ہے۔

یہ شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہہ نہیں ہے۔ اس جانور میں
اسلامی فقر کے تمام خصوصیات پائے جاتے ہیں (۱) خود دار و غیرتمند
ہے کہ اور کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا (۲) بے تعلق ہے کہ

آشیانہ نہیں بناتا بلکہ (۳) بلند پرواز ہے۔ (۴) خلوت پسند ہے (۵) تیز نگاہ ہے۔

آپ کے خط کا جواب حقیقت میں طویل ہے لیکن افسوس کہ میں طویل خط لکھنا تو درکنار معمولی خط و کتابت سے بھی قاصر ہوں۔ والسلام

محمد اقبالؔ

نذرِ اقبالؔ

اک دوست کہ میخانۂ مغرب کے ہیں میخوار
کہنے لگے "اقبالؔ کے ہو تم بھی پرستار!
اقبالؔ کہ اک فلسفی خانہ نشیں ہیں
رفتارِ زمانہ سے خبردار نہیں ہیں
اشعار میں ہرچند کہ ہے جدتِ افکار
ہر لفظ ہے اک آئینۂ شوخیِ گفتار
ہرچند کہ ہے درد کی لذت سے بھرا دل
لیکن میں نہیں ان کے خیالات کا قائل
اس دورِ ترقی میں بھی ہیں جنگ کے حامی
سچ پوچھو تو یہ ان کے تخیل کی ہے خامی
دیتے ہیں بہت زور وہ تعلیمِ خودی پر
مطلب یہ ہے بن جاؤ مسولینی و ہٹلر

لیکن ہے غضب رکھتے ہیں اسلام پہ تہمت
اس پردہ میں سکھلاتے ہیں خونریزی و غارت
لیکن اگر اقبالؔ کی تعلیم کو مانو
چنگیز و ہلاکو کو مسیحا کار نہ جانو
حجّاج کو الزام نہ دو ظلم و جفا کا
دو عتبہ و بوجہل کو رتبہ شہدا کا
بے شک تھی خودی ان کی بہت ارفع و اعلیٰ
عالم کو کیا ان کی خودی نے تہ و بالا
اقبالؔ تو خیر اپنے تعصب سے ہیں ناچار
اسلام بھی کیا ایسی خودی کا ہے طرفدار؟
تا دیر رہی یونہی زبان ان کی گہرریز
لیکن ہوئی جب ختم یہ تقریر دل آویز
میں نے کہا "گر خاطر نازک پہ نہ ہو بار
اک تلخ حقیقت کا ہے کرنا مجھے اظہار
سمجھا ہی نہیں آپ نے اقبالؔ کی لے کو
ہیں خام یہ نظریں ابھی چکھا نہیں مے کو
اقبالؔ جو کہتے ہیں خودی ہو تری عالی
مطلب یہ ہے تلوار نہ جوہر سے ہو خالی
اشعار میں آتی ہے جو شاہین کی حکایت
ہے از رہ تمثیل نہ از رہ حقیقت

مطلب یہ ہے سرگرم عمل تیری خودی ہو
لیکن یہ ضروری نہیں منزل بھی وہی ہو
چنگیز و ہلاکو میں بھی اک جوشِ خودی تھا
گم کردۂ منزل تھا مگر قافلہ ان کا
افسوس کہ جس قوم کا مقصد بھی ہو عالی
ہو اس کی خودی مردہ، عمل جوش سے خالی"

یہ خط جناب محمد رمضان صاحب سینئر انگلش ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول ڈیرہ غازی خاں کے نام ہے ایک دفعہ مولوی محمد ابراہیم صاحب (سب جج گوجرانوالہ) نے اقبال کی مندرجہ ذیل رباعی:

توغنی از ہر دو عالم من فقیر — روز محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر — از نگاہ مصطفےٰ پنہاں بگیر

محمد رمضان صاحب کے سامنے پڑھی۔ رمضان صاحب صوفی منش آدمی تھے۔ ان کے دل پر رباعی کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ گر پڑے، چوٹ کھائی اور بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد وہ اقبال کے مکان پر گئے اور التجا کی کہ یہ رباعی انہیں بخش دی جائے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ وصیت کریں گے کہ ان کے مرنے کے بعد یہ رباعی ان کے ماتھے پر لکھ دی جائے۔ ان کی اس عقیدت کے پیش نظر اقبال نے رباعی انہیں بخش دی، اور اسے اپنے کلام میں شامل نہیں کیا۔ اس کی بجائے اقبال نے ایک اور رباعی کہی جو "ارمغان حجاز" صفحہ ۲۳ پر موجود ہے:

بہ پایاں چو رسد ایں عالم پیر — شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر

مسکن رسوا حضور خواجہ مارا حساب من زچشم او نہاں گیر

اقبال کا خط درج ذیل ہے۔

لاہور

۱۹ر فروری ۳۷ء

جناب من۔ میں ایک مدت سے صاحبِ فراش ہوں خط وکتابت سے معذور ہوں۔ باقی شعر کسی کی ملکیت نہیں، آپ بلا تکلف وہ رباعی جو آپ کو پسند آگئی ہے اپنے نام سے مشہور کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

محمد اقبال

لاہور

اس خط کے مکتوب الیہ حکیم راغب مراد آبادی ہیں جو آج کل محکمۂ ترقیات کراچی میں ملازم ہیں۔

لاہور

۲۹ر جولائی ۱۹۳۷ء

جناب من۔ آپ کے خط کا مدلل جواب طویل ہے۔ افسوس کہ میں علالت طبع کے باعث طویل خط نہیں لکھ سکتا۔ مختصراً میری رائے یہ ہے کہ کانگریس میں مسلمانوں کی غیر مشروط شمولیت اسلام اور مسلمان دونوں کے لئے مضر ہے۔ محمد اقبال

اقبال کا یہ خط مولوی عبدالحق مرحوم کے نام ہے اور ان سات خطوط کے علاوہ ہے جو اقبال نامہ حصہ دوم میں شائع ہو چکے ہیں۔

جاوید منزل، لاہور

۱۵، مارچ ۳۸ء

ڈیئر مولوی صاحب

سلام مسنون۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج اچھا ہوگا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سارٹن کی انگریزی کتاب مقدمہ تاریخ سائنس کا ترجمہ نیازی صاحب آپ کے لئے اردو میں کر رہے ہیں۔ میں نے ترجمے کا ایک حصہ خود بھی دیکھا ہے۔ نصف سے زیادہ کتاب کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ چونکہ گذشتہ چار پانچ برس سے نیازی صاحب کے حالات اچھے نہیں رہے اس لئے وہ باطمینان ترجمے کا کوئی حصہ آپ کو نہ بھیج سکے۔ ترجمہ اب صاف ہو رہا ہے اور نیازی صاحب نے مجھے یقین دلایا ہے کہ اپریل سے ماہ بماہ آپ کی خدمت میں پہونچتا رہے گا۔ نیازی صاحب آپ کی مدد کے مستحق ہیں۔ میں چاہتا ہوں آپ انھیں تھوڑا سا وقت اور دیجیے تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ ترجمے کی اقساط آپ کو بھیج سکیں۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

مندرجہ ذیل خط محمد احمد اللہ خاں منصور حیدر آبادی کے نام ہے۔

لاہور

۱۲؍ستمبر ۱۹۳۶ء

جناب من۔ تسلیم۔

آپ کا والا نامہ معہ پارسل کتب ابھی موصول ہوا ہے۔ افسوس کہ گذشتہ دو سال سے علیل ہوں۔ مشاغل علمی قریباً ترک ہو چکے ہیں اور خط وکتابت بھی شاذ ہی کرتا ہوں۔ فی الحال آپ کی کتابیں پڑھنے کی ہمت اپنے آپ میں نہیں پاتا۔ میں آپ کی نظم ونثر کو اچھی نظروں سے دیکھتا ہوں۔ فقط

محمد اقبال

مندرجہ ذیل خط فرید احمد صاحب (شیخ زادگان امروہہ) کے نام ہے

مکرم بندہ

السلام علیکم۔

افسوس ہے کہ مجموعہ ابھی تک تیار نہیں ہوا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

بیرسٹر لاہور

۱۳؍جولائی ۱۹۱۷ء

مندرجہ ذیل خط جناب تلوک چند محروم کے نام ہے۔

مکرم بندہ جناب تلوک چند صاحب محروم

آپ کا پیام و سلام رسالہ مخزن میں میری نظر سے گذرا۔ جس حسنِ ظن کا اظہار آپ نے ان اشعار میں کیا ہے اس کے لیے میں آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ میں آپ کی نظمیں مخزن میں پڑھتا رہا ہوں۔ ماشاءاللہ خوب طبیعت پائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تھوڑے عرصے میں تمام شعر کہنے والوں میں آپ کا نمبر اوّل ہو گا۔

افسوس ہے کہ میں بوجہ مصروفیت فی الحال شعر گوئی سے محروم ہوں۔ خدا آپ کی جولانیٔ طبع کو اور زیادہ کرے۔ والسلام

محمد اقبالؔ بیرسٹر ایٹ لاء۔ لاہور

۴ر جنوری ۰۹ء

سفرِ مدراس

دسمبر ۱۹۲۸ء کے آخری ایام میں اقبالؔ مدراس مسلم ایسوسی ایشن کے بانی سیٹھ محمد جمال کی دعوت پر مدراس (جنوبی ہندوستان) گئے جہاں انھوں نے تین لیکچر دیئے جو بعد میں "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" میں شامل کیے گئے۔ مدراس میں آپ نے تین دن قیام کیا۔ اراکین اُردو سوسائٹی، گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس اور انجمن خواتین اسلام مدراس نے آپ کی خدمت میں سپاس نامے پیش کیے (جن کی نقول یہاں شامل کی جا رہی ہیں)

۹ جنوری ۱۹۲۹ء کو میسور یونیورسٹی کی دعوت پر بنگلور پہنچے جہاں اراکین مسلم لائبریری و انجمن ترقیٔ اردو بنگلور نے آپ کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ بنگلور میں اقبال کا قیام سر محمد اسمٰعیل کے ہاں رہا۔

۱۰ جنوری کو صبح آپ میسور پہنچے۔ جناب عباس (عبّا) سیٹھ نے ایک اشتہار کے ذریعہ شہر کے عوام و خواص سے درخواست کی کہ وہ اقبالؔ کا شایانِ شان استقبال کرنے کے لیے سٹیشن پر پہنچیں۔ (اس اشتہار کی نقل یہاں درج کی جا رہی ہے)۔

اسی دن پونے چھ بجے شام میسور یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی صدارت میں اقبالؔ نے ایک لیکچر دیا جس کا عنوان تھا: "علم اور مذہبی مشاہدات" جو "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کا پہلا خطبہ ہے۔ اس سے اگلے دن میسور ٹاؤن ہال میں ۵ بجے شام مسلمانان شہر میسور اور یتیم خانہ اسلامیہ کی طرف سے آپ کو سپاس نامہ پیش کیا گیا۔

اس کے بعد آپ نے سلطان ٹیپو مرحوم کے مزار کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھی۔

وہاں سے واپسی پر ریاست کی دعوت پر اقبالؔ نے حیدر آباد دکن میں تین دن قیام کیا اور مہاراجہ کشن پرشاد اور سر اکبر حیدری کی صدارت میں وہی تین خطبے پڑھے۔

اس سفر میں ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اور چودھری محمد حسین مرحوم اقبالؔ کے ہمراہ تھے۔

۱۹۳۰ء کے وسط میں اقبالؔ نے یہی تین لیکچر علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں پڑھے جب کہ سر راس مسعود وائس چانسلر جلسہ کے صدر تھے۔

ص ۲۲۸

مزار سلطان شہید

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL, M. L. C.
BARRISTER-AT-LAW
LAHORE.

[illegible]

«در جهان نتوان اگر مردانه زیست
همچو مردان جان سپردن زندگیست»

سپاس نامہ

بہ گرامی خدمت علامہ سر محمد اقبالؒ ایم اے۔ پی ایچ ڈی، بیرسٹرایٹ لار مدظلہ

اے معزز و محترم مہمان!

ہم اراکین اردو سوسائٹی آج آپ کا دلی خیر مقدم ادا کرتے ہوئے اپنے سچے اور پرخلوص جذبات کا نیازمندانہ نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ ع
گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ آپ کی تشریف آوری سوسائٹی کے لیے طغرائے امتیاز ہے اور شاید ہمارا یہ کہنا مبالغہ پر مبنی نہ سمجھا جائے گا کہ یہ امر ہمارے لئے باعث فخر و مباہات ہے، کہ آج ہمیں اس عندلیب باغ حجاز کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے، جس کی گرمیٔ نوا سے خیابانِ اسلام میں کلی کلی گداز ہو چکی ہے۔ آج جب کہ وہ گلزار جہاں ہزاروں بلبلیں اڑتی پھرتی تھیں، اجڑ چکا ہے، اور عندلیبانِ ترانہ ریز پابند نشیمن ہو گئے ہیں، آج جب کہ عہدِ گلؔ ختم ہو چکا ہے، سازِ چمن ٹوٹ گیا ہے، اور ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن اڑ گئے ہیں، صرف یہی ایک بلبل ہے کہ اب تک محوِ ترنم ہے، اور یہی ایک سینہ ہے، جس میں نغموں کا تلاطم برپا ہے۔ گو اس گلشن میں صاحبانِ بصیرت کا سخت کال ہے، لیکن وہ جن کو فطرت کی جانب سے مذاقِ تسلیم کا بہرۂ وافر عطا ہوا ہے، تاڑ جاتے ہیں کہ اس آئینے میں بے شمار جوہر بیتاب ہیں، اور اس سینے میں بے حد و حساب جلوے تڑپ رہے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم آج ایشیا کے بزرگ ترین شاعر کا خیر مقدم ادا کر رہے ہیں، جس نے سب سے پہلے اتحاد و اخوتِ اسلامی کا خواب اس گئے گزرے دور میں دیکھا تھا، ہم خیر مقدم ادا کر رہے ہیں،

اور ہمارے دل مسرت سے لبریز ہیں، اور یہ بالکل واقعہ ہے کہ جذبات کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ ہمیں اپنے معزز مہمان کے خیر مقدم میں الفاظ نہیں ملتے، لیکن کیا یہ شایان شان نہیں کہ اسی بے نظیر شاعر کے الفاظ کو ہمارے مخفی لیکن پر جوش جذبات کا ترجمان بنا کر پیش کیا جائے، اور ایسا کرنا ہمارے عجز و انکسار کی کھلی کھلی دلیل ہے۔ تہی دامانی کی اس سے بڑھ کر کوئی اور مثال مل سکتی ہے، یا ہمارے جذبات و احساسات کے متاثر و مسحور ہونے کے متعلق اس سے زیادہ اور کسی شہادت کی ضرورت ہے؟

اے نیّر اقبالِ ملّت!

اس وقت، جب کہ ماہ سیمایان ہند خوابِ غفلت میں سرشار تھے اور جو چونکے تھے وہ محض رونے رُلانے پر قانع تھے، تو نے سب سے پہلے صدا بلند کی کہ ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک! تو نے بطن گیتی سے پیدا ہونے والے آفتابِ تازہ کی طرف سب سے پہلے ہماری توجہ منعطف کرائی، اور شپرہ چشموں کی نگاہوں کو چکا چوند کر دیا، صدیوں کے جمود اور تاریکی کی وجہ سے شبِ مہ سایہ کی ظلمت کی عادی آنکھیں تابِ نظارہ نہ لا سکیں، اور گوشۂ عزلت کی پناہ جویاں ہوئیں، لیکن تیری پرجوش صداؤں نے انہیں باہر نکالا، اور امید کی کرنوں کا تماشائی بنا دیا۔ گو وہ ہستیاں جنھیں ذوق تماشا تھا رخصت ہو گئیں تھیں لیکن اب بھی دیدارِ عام کے ایک وعدے پر فدا ہونے والوں کی تعداد خاصی تھی، تیری تابش کا اثر تھا کہ ذرے کے دل میں خورشید کی چمک پائی گئی، اور سچ تو یہ ہے کہ تیری تیز تر شعاعوں نے ذرے کو خورشید بنا چھوڑا کہ اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے۔

اے پیمانہ بردارِ خمستانِ حجاز!

تیرے رند ایک مدت تک بے ہوش و مست رہے، مئے نو نے اُن کے حال کو زبُون کر دیا تھا، اب ضرورت تھی اس آتش بہ جام ساقی کی جو اصلی معنوں میں شعلہ آشام پیدا کرتا، اب ضرورت تھی اس خانہ سازِ شراب کی جو مئے مغرب کے اثر کو زائل کرتی، اور دل کے خموش ہنگاموں کو بیدار کرتی، بادۂ اغیار کے دیوانے نقدِ خودداری کو دے کر لینے پر تلے ہوئے تھے، لیکن تیرے عجمی خُم کی مئے حجازی نے ایک نئی حرارت پیدا کر دی۔ بادۂ کہن کے تیز نشے نے مئے نو کی حقیقت کھول دی اور وہ جن کے کام و زبان اس کہنہ شراب کی لذت سے واقف ہو چکے ہیں، شاید ہی اس میخانۂ مغرب کی طرف متوجہ ہوں، لیکن کیا یہ تعجب انگیز نہیں کہ آج محفل میں بادہ آشام بھی نئے ہیں اور بادہ بھی نیا۔ ڈر ہے کہ کہیں مینا گدازِ صہبا دلِ مسلم کو لختہ لختہ نہ کر دے۔

اے ساقیٔ ملت!

اب محفل کا رنگ نرالا ہو رہا ہے، شدتِ خمار کی وجہ سے قومی میں تشتت و انتشار پیدا ہو رہا ہے، وہ جن کے ہنگاموں سے کبھی ویرانے آباد ہوا کرتے تھے، آج آبادیوں کو بن کر رہے ہیں، جن کے لئے دریا ایک جرعۂ میکش سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا، آج اندیشۂ طوفان سے کانپ رہے ہیں، اور اغیار تو حرم کے ویرانوں کی طرف خطاب کر کے کہتے ہیں

تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی
اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
میخانے نے رنگ روپ بدلا ایسا
میکش، میکش رہا، نہ ساقی ساقی

کیا آج ہم تجھ سے یہ توقع نہیں کر سکتے!

نشا پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

اے محترم مہمان!

ہم دوبارہ پرجوش اور دلی خیر مقدم ادا کرتے ہیں!

ہم ہیں آپ کے تابعدار

اراکین اردو سوسائٹی، گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس

انجمن خواتین اسلام، مدراس

کا سپاسنامہ

بخدمت جناب علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مدظلہ

(ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ بارسٹرایٹ لاء، ایم ایل سی۔ لاہور)

روز دوشنبہ ۷ جنوری ۱۹۲۹ء مطابق ۲۹ رجب ۱۳۴۷ھ مقام ٹاکرس گارڈن۔
مدراس

جناب عالی!

ہم اراکین انجمنِ خواتین اسلام، مدراس اپنی طرف سے اور اپنی بہنوں کی طرف سے آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہیں کہ آپ نے ازراہ عنایت اپنے مختصر قیامِ مدراس میں بے انتہا مصروفیت اور عدیم الفرصت کے باوجود ہم صنفِ نازک کا سپاسنامہ لینا قبول فرمایا اور ہم کو یہ بیش بہا موقع عطا فرمایا کہ آپ کے زبانِ مبارک سے طبقۂ نسواں کے متعلق آپ کے بیش بہا خیالات کو سُنیں اور مستفید ہوں۔ ہماری عین خوش نصیبی ہے کہ ہمارے مکرم مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر

ذاکر حسین صاحب کی اہم تقاریر کے بعد آپ کی تقریر سننے کا یہ بے نظیر موقع ہم کو حاصل ہوا۔ آج کی تقریب کی کامیابی کا سہرا ہمارے محترم بھائی عبدالحمید حسن سیٹھ کے لیے ہے کہ انھوں نے ہماری درخواست کو آپ کی خدمت میں پیش فرمایا اور جناب والا نے شرفِ قبولیت بخشی۔

جناب عالی!

آپ کی زبردست ہستی عالمِ اسلام کے لیے مایۂ ناز ہے نہ صرف اس لیے کہ آپ ایک بے مثل شاعرِ مشرق ہیں بلکہ آپ کا علم و فضل تیزیٔ طبع اور جدت طرازی سب غیر معمولی واقع ہوئی ہیں۔آپ نے اپنے کلام میں نیا اور انوکھا رنگ پیدا کیا۔ آپ کا قومی ترانہ ہماری ہر جد و جہد کا "بانگ درا" ہے۔ آپ نے جزیرۂ سسلی کی اسلامی تہذیب اور یادِ رفتگاں پر خون کے آنسو بہائے ہیں۔آپ کی نظموں نے سارے ہندوستان میں اس سرے سے اس سرے تک آگ لگا دی ہے اور عالمِ اسلام کے مفلوج دلوں میں بجلی کی لہریں ازسرِ نو دوڑا دی ہیں۔ جو لوگ مولانا حالی کی مسدس سے خصوصاً اور ان کے اور کلام سے عموماً اپنی خواب خرگوش سے کچھ کچھ بیدار ہوئے تھے، ان کو آپ کے پُرجوش اور سریلے نغموں نے نہ صرف ان کو مست و سرشار بلکہ اس حالت میں بھی ہوشیار بنایا اور ان کے دلوں میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا، ان میں صحیح بیداری پیدا کر دی، اور ان کو خود احساس ہونے لگا، وہ کون تھے، کیا تھے اور اب کیا ہیں اور کس قعرِ مذلت میں گرے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی کون سی سیاسی، علمی اور قومی تحریک ایسی ہے کہ آپ کی نظمیں اور شعر و سخن ہم کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنی طبیعت کے جوہر چمکا دیے ہیں۔ آپ اس دورِ جدید کے مسلم الثبوت شاعر مانے جاتے ہیں۔ پروردگارِ عالم نے آپ کے دل کو معلوم یہ ہوتا ہے عجیب طرح

کا بنایا ہے کہ آپ کے قلب پر ایک چھوٹا سا غیر معمولی واقعہ یا سانحہ ایک عجیب دور طاری کر دیتا ہے اور دلی جذبات نہ صرف اُبل پڑتے ہیں بلکہ انڈلے آتے ہیں۔ کبھی حب الوطنی کے نشہ میں سرشار ہو کر

"سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا"

کہہ دیا۔ کبھی عالمگیر اخوتِ اسلامی کے جوش میں آکر

"مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا"

کا نعرہ لگا دیا۔ اور جب ملکی بھائیوں نے اعتراض کیا تو ان کے طرف خندہ پیشانی سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں۔

"مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا"

کوئی اسلامی گھر ایسا نہیں ہے جہاں آپ کے اِن اشعار کو پڑھ کر ایک مفلوج دل میں بھی گرم جذبات نہ پیدا ہوں۔

ہم جمیع اراکین انجمن خواتین اسلام آپ کی ورودِ مسعود کی خوشی میں شکریہ ادا کرتی ہیں اور دعا کرتی ہیں کہ خدا پاک آپ کو طویل زندگی عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ ہم آخیر میں آپ کی خدمت بابرکت میں بعد عجز و نیاز عرض گذار ہیں کہ چونکہ آپ کی زبردست ہستی ہماری قوم کے لیے مایۂ ناز ہے اور چونکہ آپ کے اشعار انسانی دلی جذبات کو اُبھارتے ہیں اور چونکہ خود عالمِ اسلام آپ کی ہستی پر فخر کرتی ہے، آپ سے یہ عاجزانہ التماس کرنا غیر موزوں اور نامناسب نہ ہو گا کہ آپ ہم اسیرانِ قفس کے لیے بھی اپنے قیمتی اوقات سے کچھ تھوڑا سا وقت وقف فرمائیں اور طبقۂ نسوانِ اسلام کی شرعی آزادی کے لیے نغمہ سنجی فرمائیں۔ ہم اسیرانِ قفس کی حالت ناگفتہ بہ ہے اس کے

انسداد کے لیے کوئی ایک پُرجوش نظم لکھ کر سوتے ہوئے جذبات کو بھڑکائیے۔
مولانا حالیؔ کے ہم مرہونِ منت ہیں کہ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں ان کے کلام نے طبقۂ نسواں کا رتبہ بلند کر دیا۔ ان کی "چپ کی داد" نے ہماری عزت بڑھا دی، ان کے اشعار نے اسلامی گھروں میں آزادیٔ نسواں کی جھلک بتا دی۔
لیکن اب بھی بہت سے ایسے گھرانے موجود ہیں جہاں آزادی کا نام نہیں ہے حالانکہ دنیا میں مرد عورت کے توقعات ایک دوسرے سے یکساں ہوتے ہیں، اور اسلام نے مساوات کی تعلیم دی ہے۔ ہم بہت رنج سے دیکھتی ہیں کہ مردوں کی جانب سے عورتوں کے حقوق کے متعلق سخت بے پروائی برتی جاتی ہے۔ ہم آپ سے درخواست کرتی ہیں کہ آپ اس کی اصل وجوہ پر مفصل روشنی ڈالیں۔ ہم یہ کہنا نہیں چاہتے کہ ہمارے بھائی جو ہمارے ہی ماں سے پیدا ہوتے ہیں۔ سخت ظالم و سفاک ہوتے ہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں! لیکن ہم کو اس بات کا رنج ہے کہ فرقۂ اناث کے ساتھ بے انصافی کرنے اور ان کے حق تلفی کرنے کی بنیاد خود والدین کے گھروں میں ہی ڈالی جاتی ہے۔ ماں باپ دونوں فریق میں افراط و تفریط و فرق کو ہمارے ساتھ ساتھ پرورش کرتے ہیں۔ لڑکی کو لڑکے کے مقابلہ میں کھلنے پینے کے علاوہ تقسیمِ املاک میں بھی اس کو محروم کر دیتے ہیں۔ لڑکی گر بدقسمتی سے بیوہ ہو جاتی ہے تو ظالم ماں باپ اپنی خاندانی عزت و عظمت بچانے کے لیے اس کی شادی نہیں کر دیتے۔ ان کو بھائیوں اور چچاؤں کے دستِ نگر بنا کے تباہ کر دیتے ہیں۔ اب عصرِ جدید میں ہر جگہ طبقۂ نسواں کی آزادی کی چیخ و پکار ہے۔ نئی تعلیم و روشنی کا فطرتی نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی طبقۂ نسواں میں ان کے شرعی اور جائز آزادی اور مساوات ان کو حاصل ہوں۔ اسلام کی سچی اور زندہ روح اسلامی مستورات میں ہی ہے اور اسلامی صنفِ نازک نے زندہ آگ میں جل

جل کر بھسم ہو ہو کر اپنے ایثار کا ثبوت دیا ہے۔

خاتمہ پر آپ کی تضیع اوقات کی معافی چاہتے ہیں اور امید قوی رکھتے ہیں کہ آپ زمانۂ قریب میں طبقۂ نسوان کی بہبودی و آزادی کی ترانہ سنجی فرمائیں گے اور فرقۂ اناث اس کارِ خیر کی ہمیشہ ممنون و شکر گذار رہے گی۔

مدراس　　　　　　ہم ہیں آپ کے عقیدت منداور نیاز مند

۷ جنوری ۱۹۲۹ء

بخدمت جناب ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال

ایم اے۔ پی ایچ ڈی، بیرسٹرایٹ لار

جناب عالی!

ہم اراکین مسلم لائبریری اور انجمن ترقی اردو بنگلور نہایت اخلاص و مسرت سے آپ کی اس تشریف آوری کا خیر مقدم کرتے ہوتے آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری اس خوشی و ارادت میں کل مسلمانان بنگلور شامل ہیں۔

آں جناب آج جس شہر میں تشریف فرما ہیں اس کا دوسرا نام "دارالسرور" ہے جو ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، یہ وہ شہر ہے جو علماً، ادبا اور شعراء کا مخزن رہا ہے۔ غدر دہلی کے بعد ہندوستان میں جو دو تین اردو اخبار نکلے ان میں بنگلور کا اخبار بھی شامل ہے۔ بنگلور ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ ہندوستان میں طبقۂ نسواں کا پہلا رسالہ "ترغیب" اسی شہر سے نکلا اور ایک وقت اب بھی گذرا ہے کہ یہاں ایک ہی وقت پر چھ اخبار اور متعدد رسائل نکل رہے تھے۔ گو آج ہم میں قحط الرجال ہے، مگر اب بھی مسلمانانِ بنگلور میں حاملان علم و فن کی قدر شناسی کا جوہر موجود ہے۔

ایشیائی شاعری کو "داستانِ گل و بلبل" کے محدود دائرے سے نکال کر جس وسیع میدان میں لانے کا سنگِ بنیاد آزادؔ و حالیؔ نے رکھا۔ اس کو امیرؔ و داغؔ کے طرزِ بیان میں پایۂ تکمیل کو پہنچانے کے لیے قدرت کا قرعۂ انتخاب آپ ہی پر پڑا۔ اردو نظم کی وسعت کے متعلق آزادؔ کی یہ امید کہ "ہمارے نوجوان جو کشورِ علم میں مغربی اور مشرقی دونوں دریاؤں کے کناروں پر قابض ہو گئے ہیں، ان کی ہمت آبیاری کرے گی۔ دونوں کناروں سے پانی لائے گی، اور قوم کے دامن کو موتیوں سے بھرے گی"۔ حرف بہ حرف آپ کی ذات سے پوری ہوئی اور شبلی نعمانی مرحوم کی اس پیشین گوئی کی آج تصدیق ہو رہی ہے کہ "جب آزادؔ و حالیؔ کی کرسیاں خالی ہوں گی تو لوگ آپ کو ڈھونڈیں گے"۔

یہ خیال کہ "فن برائے فن" کا مقولہ انسانی زندگی و طاقت کے چھین لینے کے لیے ایک فریب ہے، آپ کی طبیعت کو کسی طرح اس امر پر قانع نہیں رکھ سکتا تھا کہ آپ کی شاعری کی غرض و غایت صرف انبساط ہو، آپ نے اپنے کلامِ معجز بیان سے قوم کو ایک شاندار مستقبل کا پیغام دیا اور حقیقی کامیابی و حیاتِ ابدی کے راز بتلاتے ہوئے ثابت کر دیا کہ ع شاعری جزویست از پیغمبری۔ مغرب نے گوئٹے کی زبان سے مشرق کو پیغام دیا تھا اور آج مشرق کو آپ کی نامور ہستی پر ناز اور بجا ناز ہے کہ اس کی طرف سے آپ کی زبان نے مغرب کو پیام دیا۔

یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم آج ایک ایسی شخصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، جو رومیؔ، غزالیؔ اور غالبؔ کے خصوصیات دل و دماغ کی حامل ہے اور جس نے شبلیؔ کی شاعری نیٹشے اور برگسن کے فلسفہ کو توحید و روحانیت سے درخشاں بنا دیا۔

آپ کو اس بیان سے خوشی حاصل ہوگی کہ مسلم لائبریری اپنی گذشتہ زندگی اور موجودہ روش میں ان اصولوں کی پابند رہی ہے جس میں آپ کے حسب خیال افراد ہو یا جماعت ہر دو کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ لائبریری اپنی گذشتہ سولہ سالہ زندگی میں مدو جزر زمانہ سے ناآشنا نہ رہی۔ اس کی تاریخ زندگی اس کے اراکین کے استقلال و علو ہمتی کی شاہد ہے۔ خودداری ہمیشہ اس کا شیوہ رہا۔ آیئن کی پابندی اس کے لوازمات زندگی سے ہے اور سب سے بڑھ کر اراکین میں قومیت کا احساس اور ان میں اس لائبریری کے ساتھ مخلصانہ محبت اس کی زندگی کے لیے روح رواں ثابت ہوئے۔

جناب عالی! بنگلور بلکہ کل ریاست میسور کے مسلمانوں کی مادری زبان اردو ہے جو ہندوستان بھر کی قومی زبان کہلائے جانے کی مستحق ہے اس وقت اردو میں وسعت و ترقی کی گنجائش کا کسی کو انکار نہ ہوگا۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے ہم کو مشکور رہنا چاہیئے کہ ان کی کوشش بلیغ سے زبان اردو کا ذخیرہ دن بدن بڑھ رہا ہے، شمالی ہند کے اکثر حصوں میں ہندو اور مسلم کی یہ مرغوب زبان رہی ہے' اردو کے چاہنے والے اقبالؔ و نیرنگؔ کے ساتھ طالبؔ و سرورؔ کو کبھی بھول نہیں سکتے، لیکن افسوس ہے کہ چند دن سے اس ایک کڑی کو جو تمام اقوام ہند کو متحد رکھنے کی اہلیت رکھتی ہے، توڑنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کہیں "ہندی" کو "اردو" کا مترادف بتایا جارہا ہے اور کہیں مسلمان اپنی مقامی زبان میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کیے جارہے ہیں۔ قومی حمیت اس وقت متقاضی ہے کہ زبان کے اس اہم مسئلہ سے ہم غافل نہ رہیں ؎

مسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ چمک اٹھا افق گرم تقاضا تو بھی ہو

اب ہم جناب والا کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ باوجود مختصر اوقات کے جناب نے ہمیں اس جلسہ کے انعقاد کا موقع دیا، اور التماس کرتے ہیں کہ جناب ہمارا یہ ہدیہ محقر قبول فرما کر ہمیں افتخار بخشیں۔

خداوند بزرگ و برتر آپ کو بصحت و عافیت وطن پہنچائے اور آپ کو قوم کی اصلاح و تعلیم کے لیے تا دیر سلامت رکھے۔ آمین

ہم ہیں آپ کے مخلص

مورخہ ۹ جنوری ۱۹۲۹ء — اراکین مسلم لائبریری و انجمن ترقی اردو معکر بنگلور

آنریبل ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال مدظلہ

ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ بیرسٹرایٹ لاء۔ آنریری پروفیسر انجمن حمایت اسلام کالج لاہور، ایم ایل سی۔

کا

ورود مسعود در شہر میسور

خیز ید کہ ہنگام صبوح دگر آمد — شب رفت و زمشرق علم صبح بر آمد

عالی جناب سر محمد اقبال مدظلہ

بروز پنجشنبہ بتاریخ ۱۰ جنوری بنگلور سے بذریعہ ریل صبح ۶ بجے تشریف لاتے ہیں، جمیع برادران اسلام میسور سے استدعا ہے کہ ریلوے سٹیشن پر آپ کے استقبال کے لیے کثیر تعداد میں تشریف لائیں اور گرم جوشی سے آپ کا خیر مقدم کریں۔

میسور کے اردو علم و ادب کی تاریخ میں آج کا دن وہ مبارک دن ہے کہ ایسی اولوالعزم ہستی کا خیر مقدم کر رہے ہیں، جو بلحاظ علوم جدیدہ اور علوم قدیمہ

ایک بے مثل اور قابلِ رشک ہستی ہے۔ کیوں نہ ہو جبکہ اردو ادب آپ کے نام نامی اور اسمِ گرامی پر ناز کر رہا ہے اور جبکہ آپ کی فلسفیانہ اور فطرتی شاعری ادب کے مردہ قالب میں نئی جان ڈال رہی ہے اور تصوفانہ اسرار بے خودی کو قومی خودداری کے سانچے میں ڈھال رہی ہے، کبھی وہ جذباتِ انسانی کی ترجمانی نہایت بے باکانہ کرتی ہے تو کبھی حزین قوم کا ترانہ گاتی ہے، گلہ شکوہ کو چھوڑ کر رجز کے انداز میدانِ ہندوستان میں دکھاتی ہیں۔

بتاریخ ۱۱ ماہ جنوری ۱۹۲۹ء بروز جمعہ میسور ٹاؤن ہال میں بوقت عصر ٹھیک ۵ بجے مسلمانانِ شہر میسور اور یتیم خانۂ اسلامیہ کی طرف سے علامہ صاحب موصوف کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا جائے گا۔

امید کی جاتی ہے کہ مسلمانانِ شہر میسور بروقت شریک جلسہ ہو کر علامہ صاحب موصوف کے خیالات زرین سے مستفیض ہوں گے۔

نوٹ :-

ٹاؤن ہال میں کرسی کی نشست محفوظ رکھی گئی ہیں جو احباب آپ کی تقریر دلپذیر نزدیک سے سننا اور اپنی نشستیں محفوظ کرانا چاہتے ہیں وہ ایک روپیہ کی ٹکٹ لے کر کرسی پر اور پانچ روپیہ کی ٹکٹ سے ڈائس پر تشریف رکھیں گے۔

یہ مبلغ یتیم خانۂ اسلامیہ میسور کو دی جائے گی۔ محفوظ نشستوں کے سوائے باقی سب مقام پر بغیر ٹکٹ کے ہر کوئی بیٹھ سکتے ہیں۔ کسی قسم کی رکاوٹ نہیں۔

خادمِ قوم

محمد سیٹھ

بزمِ آخر

حاجی بدرالدین احمد کی کتاب "فتح قسطنطنیہ" (مطبع ستارہ ہند، کلکتہ) پہلی بار ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کے آخر میں اقبال کی یہ تقریظ درج ہے۔

آپ کی کتاب "فتح قسطنطنیہ" کو میں نے سرسری نظر سے دیکھا ہے، نہایت دلچسپ ہے اور مفید معلومات کا خزینہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے یہ کتاب لکھ کر اردو لٹریچر میں ایک مفید اضافہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمان اس رسالے کو شوق سے پڑھیں گے۔

سیّد سرور شاہ گیلانی نے ایک ہفتہ وار اخبار "مسجد" جاری کیا جس پر اقبال نے انہیں ایک خط لکھا (۱۹۳۵ء)

مجھے یہ سُن کر مسرت محسوس ہوئی ہو کہ آپ تنظیمِ مساجد کے سلسلے میں ہفتہ وار اخبار "مسجد" شروع کر رہے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کی فلاح و تنظیم کے لیے اس سے بہتر اور کوئی دستور العمل نہیں ہے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

خواجہ عبدالمجید کی کتاب "جامع اللغات" پر اقبال نے مندرجہ ذیل رائے لکھ کر بھیجی۔

"جامع اللغات" کی پہلی جلد میں نے دیکھی ہے۔ میری رائے میں مصنف نے زبان اردو کی ایک بہت بڑی خدمت کی ہے۔

جامع اللغات معنوی اور ظاہری خوبیوں کی جامع ہے اور مجھے یقین ہے کہ اردو کی ترقی میں دلچسپی لینے والے اس کی

پوری قدر کریں گے۔

ذیل میں اقبال کے جو دو خطوط درج ہیں ان میں سے پہلا (پوسٹ کارڈ) میر غلام بھیک نیرنگ کے اس خط کے جواب میں ہے جس میں میر صاحب نے اقبال کو لکھا تھا کہ پیرزادہ ابراہیم حنیف ان سے مراسلت کرنا چاہتے ہیں۔ میر صاحب نے اقبال کے اسی خط پر اپنی طرف سے چند فقرے لکھ کر ابراہیم حنیف کو بھیج دیا۔ دوسرا خط ابراہیم حنیف کے نام ہے۔

ڈیر میر صاحب۔ السلام علیکم

والا نامہ ملا۔ بڑی خوشی سے وہ مراسلت کریں منورالدین کے مقدمے کی کل کچی پیشی تھی مگر ملتوی ہو گئی۔ دو چار روز میں پھر پیشی ہو گی۔

امید ہے جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال لاہور

۱۳ اکتوبر ۲۱ء

مکرمی پیرزادہ صاحب

السلام علیکم

لیجئے سلسلہ جنبانی ہو گئی۔ اب آپ براہ راست مراسلت کر کے معاملہ طے کر لیں۔ والسلام

بندہ

نیرنگ

۱۴/۱۰/۲۱

لاہور یکم ستمبر ۲۲ء

مخدومی۔ آپ کی کتاب دلچسپ معلوم ہوتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کی تکمیل میں آپ کی مدد کرنے سے قاصر ہوں - میرے فرصت کے اوقات پرائیویٹ لٹریری کام کے نذر ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ ایسے معاملے میں مطالعہ کتب کے بغیر مشورہ دینا ممکن نہیں۔ میں ایک عرصے سے فلسفے کا مطالعہ چھوڑ بیٹھا ہوں۔ صرف ایک آدھ مسئلہ سے دلچسپی باقی ہے جس کا تعلق آپ کے مضمون سے نہیں۔

اگر آپ کا مدعا یہ ہے کہ آپ کی کتاب یونیورسٹی کے کسی امتحان میں کورس مقرر ہو جائے تو یہ بات کتاب کی اشاعت سے پہلے ممکن نہیں۔ کورس کا معاملہ یونیورسٹی بورڈ کے سامنے پیش ہوتا ہے جس کا میں بھی ایک ممبر ہوں۔ اشاعتِ کتاب کے بعد آپ ایک کاپی بھیج دیں۔ میں اسے بورڈ کے سامنے پیش کروں گا۔ اگر بورڈ کی رائے میں وہ کتاب کورس بننے کے قابل ہوئی تو یقیناً نصاب میں داخل ہو جائے گی۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

یہ خط خواجہ عبدالرحیم بار ایٹ لار کے نام ہے جو اس وقت مجلس مرکزیہ اقبال لاہور کے روح رواں ہیں۔

لاہور ۱۷ جنوری ۱۹۳۲ء

ڈیر مسٹر عبدالرحیم

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ ڈاک نکلنے کو کئی دن باقی ہیں مگر میں آپ کے خط کا آج ہی جواب لکھتا ہوں کہ آیندہ عدیم الفرصت ہو جانے کا احتمال ہے۔

بجواب آپ کے سوالات کے عرض ہے کہ آپ میرے Six Lecture's غور سے پڑھیں۔ اس کتاب میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب (سوائے مسئلہ سود) آجاتے ہیں (ہے؟)۔ اس سے آپ کو میرے خیالات کی جو ان سوالات کے متعلق ہیں روش معلوم ہو جائے گی۔ اس کے مطالعہ کے بعد آپ خود اجتہاد کر سکیں گے۔ سود کے متعلق یہ عرض ہے کہ میرے خیال میں سود ہر صورت میں حرام ہے مگر یہ آئیڈیل صورت سوسائٹی کی ہے۔ شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ ہے کہ بنک سے سود لے لینا جائز ہے۔ اسلام کے نزدیک زمین وغیرہ امانت ہے۔ ملکیت مطلقہ جس کو قدیم وجدید قانون دان تسلیم کرتے ہیں میری رائے ناقص میں اسلام میں نہیں ہے۔ فقہا میں بہت سا اختلاف ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ سود اور ملکیت کا مضمون بہت وسیع اور نازک ہے، میں انشاء اللہ کبھی نہ کبھی ان مسائل پر اپنے خیالات پیش کروں گا۔ زمین کے متعلق تھوڑی سی بحث اشارۃً

"جاوید نامہ" میں بھی ہے جو زیرِ طبع ہے۔ سر محمد شفیع کی موت سے بڑا نقصان مسلمانوں کو ہوا، ہندوستان بھر میں ان کا ماتم کیا گیا۔ یہاں کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری کی وجہ سے کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ فضل کرے۔ جس قسم کی قوت خدا تعالیٰ نے مجھے دی ہے میں اس قوت سے کام لے سکتا ہوں، لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ اخلاص و دیانت کے لوگ بہت دشمن ہیں۔ ولایت کا تجربہ میرے لئے بڑا تلخ ثابت ہوا۔

زیادہ کیا عرض ہو سوائے اس کے کہ میری طرف سے خدمت میں کمی نہ ہو گی۔

آپ کے والد مکرم سے ملاقات ہوئی تھی۔ کتاب جو آپ نے ارسال کی تھی مل گئی۔ بے حد شکریہ قبول ہو۔ والسلام

محمد اقبالؔ

مندرجہ ذیل خط شوکت تھانوی کے نام ہے جو ان کے مجموعۂ کلام (گہرستان) کے موصول ہونے پر لکھا گیا۔

جنابِ من

آپ کے مجموعۂ اشعار کے چند مقام میں نے دیکھے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کے اسلوبِ بیان میں جدّت ہے اور بعض جگہ بہت خوب کہا ہے۔

زیادہ لکھنے سے قاصر ہوں کہ کئی ماہ سے علیل ہوں۔ والسلام

محمد اقبالؔ۔ ۲۴ اگست ۳۴ء

ہمایوں

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی ۔ تیری چنگاری چراغِ انجمن افروز تھی

گرچہ تھا تیرا تنِ خاکی نزار و دردمند ۔ تھی ستارے کی طرح روشن تری طبعِ بلند

کسقدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا ۔ شعلۂ گردوں نورد اک مشتِ خاکستر میں تھا

موت کی لیکن دلِ دانا کو کچھ پروا نہیں ۔ شب کی خاموشی میں جز ہنگامۂ فردا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ھے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

اقبال

ص ٢٣٦
یہ نظم جسٹس شاہ دین کی وفات پر لکھی گئی تھی
بانگ درا (٢٨٧)

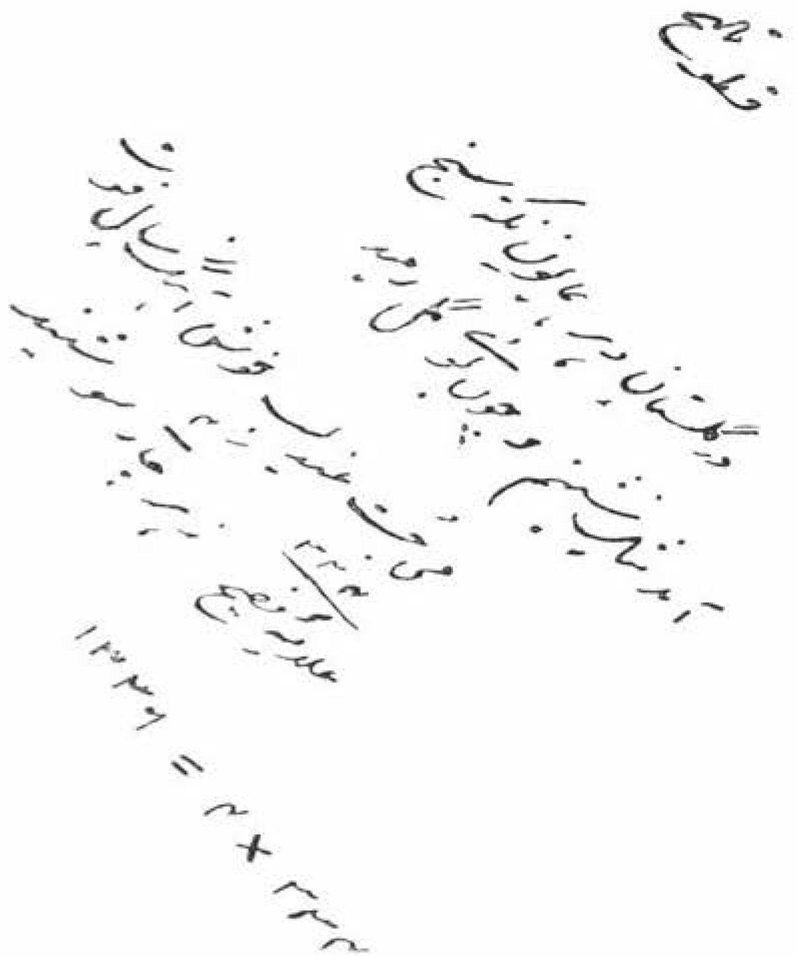

دیگر

چو سال فوت ہمایوں دل حزیں می جُست ۔ ز ہشت خلد ندا آمد رسید المومن ۱۶۷

۱۳۳۶ = ۸ × ۱۶۷

محمد اقبال

ص ۲۳۷

جسٹس شاہ دین کی تاریخ وفات

حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت

۱۹۲۸ء میں اورنٹیل کانفرنس کا اجلاس لاہور میں ہوا۔ اقبال اس کے عربی و فارسی کے شعبے کے صدر تھے۔ ان کا صدارتی خطبہ انگریزی میں تھا جس کا ایک ترجمہ جناب اسرائیل احمد نے کیا جو "صوفی" منڈی بہاؤالدین (مارچ ۱۹۳۱ء) میں طبع ہوا اور دوسرا ترجمہ جناب داؤد رہبر نے کیا جو اورنٹیل کالج میگزین حصہ اوّل (اگست ۱۹۴۷ء) میں طبع ہوا۔ رہبر صاحب نے ترجمے کے ساتھ چند تشریحی حاشیے اور ابتدا میں کچھ واقعات بھی بیان کئے ہیں جن کو یہاں شکریہ کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔

ذیل کا ترجمہ ان دونوں تراجم سے استفادہ کر کے مرتب کیا گیا ہے۔

یہ خطبہ جس تقریب پر دیا گیا اس میں اقبال کا روئے سخن فلسفہ دانوں کی طرف نہ تھا بلکہ اسلامی علوم کے ہمدردوں کی طرف۔ لیکن مشرقی علوم کی تائید میں جو نظیریں اقبال نے پیش کی ہیں ان میں فلسفہ، طبیعیات اور ریاضی کے تصورات کے اشارے آجاتے ہیں۔ اس لئے پابند ترجمے پر قناعت کی ہے تاکہ مقالے کا سائنٹفک انداز بھی حتی الامکان قائم رہے اور معانی میں بھی فرق نہ آئے۔

یہ بات دلچسپ ہے کہ یہ خطبہ ۱۹۲۸ء میں تیار ہوا اور تقریباً انہی دنوں اقبال کے مدراس والے مقالے لکھے گئے۔ اقبال داں اصحاب اس خطبے اور اُن مقالوں کا باہمی ربط ضرور دیکھ سکیں گے۔ اُن چھ مقالوں میں تیسرے مقالے سے اس خطبے کا تعلق زیادہ واضح ہے بلکہ بہت حد تک ممکن ہے کہ تیسرے مقالے

کا کچھ مواد لے کر اقبالؔ نے اس خطبہ صدارت میں داخل کیا (اس مقالے اور خطبے میں پہلے کون سا لکھا گیا' یہ کہنا مشکل ہے)۔ دونوں خطبات میں جا بجا لفظی اور معنوی اشتراک ملتا ہے۔

مقالے میں اقبالؔ نے جہاں مسلمانوں کے دوسرے علمی نظریوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہاں زمان و مکان کے تصور پر زیادہ توجہ صرف کی ہے۔ زمان و مکان کی بحث اقبالؔ کی زندگی کے آخری دنوں تک ان کے فکر کا مرکز بنی رہی۔ میرے مشفقِ محترم مولوی فیوض الرحمٰن صاحب (جو اب اورنٹیل کالج میں استاد ہیں) اقبالؔ کی زندگی میں نیلا گنبد لاہور کی مسجد میں تدریس کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے متعلق بتایا کہ ۱۹۳۸ء میں مارچ کی پہلی یا دوسری تاریخ کو اقبالؔ کے دوست چودھری محمد حسین صاحب مجھے ان کے گھر لے گئے اور مرحوم نے مجھ سے زمان و مکان کے مسلّمہ اسلامی تصور کے متعلق سوال پوچھے۔ (ان دنوں ان کا گلا خراب تھا اس لئے لکھ کر سوالات پیش کئے) میرے جوابات کو انھوں نے پسند فرمایا اور خواہش کی کہ میں روز ان کے ہاں حاضر ہوا کروں۔ میں نے مجبوری ظاہر کی کہ ۳ مارچ سے رمضان شروع ہے۔ پھر انھوں نے فرمایا کہ رمضان کے بعد آیئے مگر رمضان کے بعد ان کی صحت زیادہ بگڑ گئی اور ۲۱ اپریل کو انتقال کر گئے۔ غرض یہ کہ ۱۹۲۸ء کے اس مقالے کے بعد بھی زندگی کے آخری سال تک وہ زمان و مکان کے اسلامی تصور کی تحقیق میں مشغول رہے یا کم سے کم ان کی دلچسپی اس مدت میں برابر قائم رہی۔

صاحبان!

اس فاضلانہ جلسے کے غور و فکر میں مجھے صدارت کی دعوت دے کر آپ نے میری جو تکریم کی ہے اس کے لئے میں آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں اور

ممنونیت کا یہ احساس اور بھی بڑھ جاتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ اس کرسی پر جگہ پانے کے مجھ سے زیادہ اہل اصحاب موجود ہیں۔ گو مجھ سے زیادہ اس بات کا چاہنے والا شاید کوئی نہ ہو کہ آپ سے رابطہ پیدا کرے اور آپ کو بتائے کہ ایک غیر ماہر کی حیثیت سے اس کے خیال میں مشرق کی ثقافتی تاریخ کی چھان بین کے کام کو کس رخ چلنا چاہیئے۔

کچھ عرصہ گذرا میرے دماغ میں مختلف سوالات ثقافت اسلامیہ کے متعلق پیدا ہوئے۔ اس میں اُس کے اس پہلو کو مدِنظر رکھا گیا تھا کہ وہ ایک خاص قسم کے "تصور کونی" کی حامل ہے جو نوع بشری کی ایک مخصوص جماعت نے قائم کیا تھا۔ (سوالات یہ تھے کہ) کیا جدید سائنس اپنی نوعیت میں خالصتہً مغربی الاصل ہے؟ مسلمانوں نے اپنی تہذیبی ذات و صفات کے ایک مظہر کی حیثیت سے فن تعمیری کو تمام و کمال کیوں منتخب کیا اور (دوسرے فنونِ لطیفہ مثلاً) موسیقی اور مصوری سے انھوں نے نسبتہً بے اعتنائی کیوں برتی؟ زمان و مکان کے بارے میں ان کی جو عقلی اور جذباتی روش تھی اس پر آیا ان کے علوم ریاضی اور فنِ تعمیر تزئینی کوئی روشنی ڈالتے ہیں یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو مزید سوال یہ ہے کہ وہ روشنی کیا ہے؟ مسلمانوں کا وہ نظریۂ جوہر (Atomic Theory) جو یونانی نظریے سے یکسر متغائر و متعارض تھا اور جو ان کے تخیل کے ایک بے باکانہ اور مجتہدانہ پرواز فکر سے عالمِ وجود میں آیا تھا اور جو بعد میں نشو و نما پا کر ایک مُسلّمہ مذہبی عقیدے کی حیثیت سے ان کی علمی محافل و مجالس میں مقبول ہوا، اس کی توجیہ و تعلیل کے لئے کوئی نفسیاتی اسباب و علل بھی بیان کئے جا سکتے ہیں؟ اسلام کی ثقافتی تاریخ میں مسئلہ "معراج" کی کیا نفسیاتی تعبیر ہے؟ پروفیسر میکڈانلڈ نے حال میں اس مفروضے کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام میں تخیلاتِ

جوہریت (Atomism) کے ظہور کے آغاز و ارتقا کے اندر بدھ مت کے اثرات کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ لیکن پروفیسر موصوف نے جس خالص تاریخی سوال کا جواب دینا چاہا اس سے وہ ثقافتی مسئلہ براحل اہم تر ہے جس کے اٹھانے کی میں نے جسارت کی ہے! اسی تقریب سے میں پروفیسر بیون (Bevan) کا نام بھی لے سکتا ہوں جنھوں نے ہم کو سرگزشت معراج کی تاریخی بحث و نظر کا ایک قیمتی ساز و برگ بہم پہنچایا ہے۔ بایں ہمہ ثقافتی لحاظ سے گفتگو کرتے ہوئے جو چیز ان سب مباحث سے زیادہ وقیع ہے وہ زبردست اثر انگیزی ہے جو یہ قصہ ہمیشہ ایک اوسط درجے کے مسلمان کے قلب کے لیے اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور نیز وہ مخصوص انداز ہے جس سے اسلامی تخیل و تصور اور فکر و نظر نے اس پر ایک پوری عمارت تعمیر کی ہے! معراج کی حقیقت یقیناً محض ایک مذہبی عقیدے سے بڑھ کر ہو گی اس لئے کہ اس نے دانتے ایسے عظیم دل و دماغ کو متاثر کیا ہے اور محی الدین ابن عربی کے توسط سے اس کو وہ معیار بہم پہنچایا جس پر (اطالوی شاعر کے) اس "طربیہ خداوندی" (Divine Comedy) کے رفیع و جلیل الواب کا نقش صورت پذیر ہوا ہے جو یورپ کے قرون وسطیٰ کی ثقافت کا پیراہن محسوس ہے۔ ایک مورخ تو اس خیال سے مطمئن ہو سکتا ہے کہ اسلامی عقیدۂ معراج کی قرآن سے کوئی تائید نہیں ہوتی لیکن ایک ماہر نفسیات جس کا مقصود ثقافت اسلامیہ کے متعلق ایک عمیق تر بصیرت حاصل کرنا ہو وہ اس حقیقت سے تجاہل نہیں کر سکتا کہ قرآن نے اپنے مخاطبین و متبعین کو اس بارۂ خاص میں جو زاویۂ نگاہ دیا ہے اس کا منطقی اقتضا یہ نہیں ہو سکتا کہ حدیث معراج کو اسلام کے تصور عالم کے اندر ایک تخلیقی عنصر فرض کیا جائے!

درحقیقت یہ نہایت ضروری ہے کہ ان تمام سوالات کا جواب دیا جائے اور ان جوابات کو باہمدگر اس طور پر مربوط کیا جائے کہ وہ فکر وجذبہ کے ایک "منضبط کل" کے اجزا بن جائیں۔ اس کے بغیر ناممکن ہے کہ ان کارفرما تصورات کا انکشاف کیا جاسکے جو ایک مخصوص ثقافت کے بنیاد واساس ہیں، یا اُس روح کی معرفت حاصل کی جاسکے جو اس کے مادی جسد کے اندر جاری وساری ہے۔ تاہم ثقافت اسلامیہ کا ایک جامع ومانع تصور جو اس کے وابستگانِ دامن کی روحانی زندگی کا آئینہ دار ہو اب بھی سہل الحصول ہے۔ ثقافتِ اسلامیہ ایشیا کی تمام ثقافتوں سے کم عمر ہے۔ ہم عہد جدید کے لوگوں کے لئے یہ کہیں آسان ہے کہ ہم اول الذکر کی روح کا ایک فہم حاصل کرلیں بمقابلہ اس کے کہ ان عہد عتیق کی ثقافتوں کے تصوراتِ کونی کا ایک نقشہ اپنی چشمِ تخیل سے دیکھنے بیٹھیں جن کے عقلی اور جذباتی خط وخال کا دورِجدید کی کسی زبان میں بیان کرنا ہی تقریباً محال ہے! اسلامی ثقافت کے مورخ کی مشکل زیادہ تر اس سبب سے ہے کہ عربی کے ایسے علماء تقریباً مفقود ہیں جو سائنس کے مخصوص شعبہ جات کے تربیت یافتہ ہوں۔ یوروپین مُستشرقین نے اسلامی تاریخ، لسانیات، مذہب اور ادب کے میدانوں میں بلاشبہ بڑی شائستہ خدمات انجام دی ہیں۔ اسلامی فلسفہ بھی ان کی توجہ سے بہرہ یاب ہوا ہے لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑے گا کہ فلسفہ میں جو کام ہوا ہے مجموعی طور پر سطحی نوعیت کا ہے اور اکثر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ لکھنے والے نہ صرف اسلامی بلکہ یوروپی فکر سے بھی ناآشنا اور ناواقف ہیں۔ درحقیقت ایک قوم کی فکری تہذیب کی حقیقی روح اس کے فن وصناعی، سائنسی شعبہ جات اور فلسفہ کے آئینے میں منعکس ہوا کرتی ہے لیکن متذکرہ بالا وجوہ کی بنا پر ثقافتِ اسلامیہ

کا محقق آج بھی اس ثقافت کی داخلی معنویت کے فہم و ادراک سے بمراحل دور ہے۔ نامور فاضل بریفالٹ اپنی تصنیف "تشکیلِ انسانیت" میں (جو ایک ایسی کتاب ہے جسے اقوام و ملل کی ثقافتوں کے مطالعہ و جستجو کرنے والے ہر شخص کو پڑھنا چاہیئے) ہمیں بتاتا ہے کہ "تجرباتی طریق سے ہمارا تعارف کرانے کا سہرا نہ روجر بیکن کے سر ہے اور نہ اس کے بعد کے ہمنام (Francis Bacon) کے سر" مزید یہ کہ "بیکن کے عہد تک عربوں کا تجرباتی طریق اچھی طرح سے شائع ہوچکا تھا اور بڑے شوق و ذوق سے اس کی تحصیل اور مطالعہ یوروپ کے طول و عرض میں کیا جاتا تھا۔"

میرے پاس اس امر کے باور کرنے کے معقول وجوہ موجود ہیں کہ دیکارٹ کے منہاجِ تحقیق (Method) اور بیکن کے "جدید طریق تحقیق" (Novum Orgranum) کے اصلی سرچشمے کا سراغ تاریخ علوم کے ماضی بعید میں منطقِ یونانی کے اسلامی ناقدین مثلاً ابن تیمیہ، غزالی، رازی اور شہاب الدین سہروردی شہید کے خیالات و تحریرات میں جاکر لگتا ہے! لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ اس سلسلے میں جو موادِ شہادت موجود ہے اور جو اس علمی قیاس کو پایۂ ثبوت تک پہنچا سکتا ہے اس کو صرف وہی عربی کے فضلا ہاتھ لگا سکتے ہیں جنھوں نے یونانی، اسلامی اور نیز یوروپی منطق کا خصوصی مطالعہ کیا ہو۔

پھر مسلمانوں کی سائنس کے تصورات سے ہماری ناواقفیت بعض اوقات ثقافتِ جدید کے باب میں ہمیں غلط طرزِ خیال کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کی ایک نظیر میں اسپینگلر کی نہایت درجہ فاضلانہ تصنیف "انحطاطِ مغرب" میں پاتا ہوں جس میں اس نے ثقافتوں کی آفرینش اور نشو و نما کے بارے میں ایک نیا نظریہ مرتب کیا ہے۔ کلاسکی، عربی اور جدید ثقافتوں میں عدد کا جو تصور ہے

اس پر بحث کرتے ہوئے اور مقدار کے یونانی تصور اور عربوں کے یہاں عدد کی "عدم تعینیت" کا موازنہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

"عدد کی حیثیت جہاں اس خالص مقدار کی ہے جو اشیار کی مادّی موجودگی میں طبعی طور پر پائی جاتی ہے وہاں اس کے متوازی اس کی حیثیت اضافتِ محض کی بھی ہے۔ اور اگر ہم کلاسکی لفظ World یعنی عالمِ کائنات کو دیکھی جا سکنے والی حدود کی ایک گہری ضرورت پر مبنی قرار دیں اور لہٰذا اسے مادّی اشیار کے ایک مجموعے کے طور پر ترکیب پذیر سمجھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے تصور میں عالم ایک غیر محدود "مکان" کا معرضِ وقوع میں آجاتا ہے جس میں دیکھی جا سکنے والی چیزیں تقریباً ایک پست تر درجے کی حقیقتیں بن کر ظاہر ہوتی ہیں جو غیر تحدید پذیر کی موجودگی میں محدود ہیں۔ مغرب کی ثقافت کا نشان ایک ایسا تصور ہے جس کا اشارہ تک کسی دوسری ثقافت میں ہمیں نہیں ملتا یعنی تفاعل (function) کا تصور۔ یہ ایک ایسا تصور ہے جو عدد کے کسی سابق تصور کی توسیع نہیں بلکہ اس سے کامل آزادی کی منزل ہے۔ جب سے یہ تصور پیدا ہوا تب سے مغربی یوروپ کی ان ریاضیات کے لئے جو حقیقتہً وقیع ہیں نہ اقلیدس کے علمِ ہندسہ کی کوئی وقعت رہی اور نہ ارشمیدس کے علمِ حساب کی۔"

اس عبارت کے آخری تین فقرے دراصل وہ سنگِ بنیاد ہیں جن پر اسپینگلر کے نظریے کی بلند عمارت زیادہ تر قائم ہے۔ لیکن افسوس یہ دعویٰ کہ کوئی دوسری

ثقافت ہمیں تفاعل کے تصور کا اشارہ بھی پیش نہیں کرتی، غلط ہے۔ مجھے دھندلی سی یاد پڑتی تھی کہ تفاعل کا تصور البیرونی کے ہاں ملتا ہے لیکن چونکہ میں خود ریاضی کا ماہر نہیں ہوں اس لئے میں نے علی گڑھ کے ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب سے مدد چاہی جنھوں نے از راہ نوازش مجھ کو البیرونی کی مشارٌ الیہ عبارت کا انگریزی ترجمہ عنایت کیا اور (اس تقریب سے) مجھے ایک دلچسپ اور اہم مکتوب بھی لکھا جس میں سے ذیل کا اقتباس پیش کرتا ہوں:

"البیرونی نے اپنی کتاب قانون مسعودی میں علم المثلث (Trigonometry) کے تفاعلوں کے درمیانی زاویوں کے درجے معلوم کرنے کے لئے نیوٹن کے ضابطۂ ادراج (Formula of Interpolation) کا استعمال کیا اور اس کے لئے وہ جدولیں استعمال کیں جو ہر پندرہ منٹ[1] کی بیشی کے لئے تیار کی گئی تھیں۔ اس نے ضابطۂ ادراج کا ہندسی ثبوت دیا۔ اخیر میں اس نے یہ لکھا کہ یہ ثبوت ہر کسی تفاعل کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے خواہ وہ تفاعل دلیل (یعنی متغیر غیر متبوع[2]) کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتا ہو یا گھٹتا ہو۔ اس نے تفاعل کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن اس کے ہاں اس کے تصور کا اظہار اس جگہ ملتا ہے جہاں اس نے ضابطۂ ادراج کی ایک تعمیم شدہ شکل تیار کی ہے جو علم المثلث کے تفاعلوں سے آگے بڑھ کر تمام تفاعلوں کے لئے قابل استعمال ہے۔ میں یہاں اضافہ کر دوں کہ میں نے گوٹنگن یونیورسٹی

---

[1] Minute یعنی ایک درجے کا ساٹھواں حصہ

[2] Argument or Independent Variable

کے استادِ فلکیات پروفیسر شوارتس شلٹ (Schwartzschild) کی توجہ اس عبارت کی طرف دلائی اور ان کو اس قدر تعجب ہوا کہ وہ پروفیسر اینڈریوز (Andrews) کو ساتھ لے کر کتاب خانے میں پہنچے اور جب تمام عبارت کا تین مرتبہ انھوں نے ترجمہ کرایا تب ان کو اس کا یقین آیا۔"

اس مختصر خطبے میں اسپنگلر کے نظریے پر بحث کرنا اور یہ دکھانا کہ اس کی فروگذاشت اس کے "تاریخی نقطۂ نگاہ" پر کس اہم حد تک اثر انداز ہے، ممکن نہیں۔ اتنا کافی سمجھیے کہ جو ثقافتیں ان دو عظیم سامی مذاہب سے وابستہ ہیں ان کے سرچشموں کی تحقیق و تنقیح ان کی روحانی یک جہتی کو بے نقاب کر دیتی ہے اور اس انکشاف کا منطقی میلان اس طرف ہے کہ اسپنگلر کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ ثقافتیں بحیثیت نامیاتی اجسام کے ایک دوسری سے قطعاً بیگانہ ہوتی ہیں!

لیکن جدید ریاضیات کے اہم ترین تصورات میں سے ایک تصور کا یہ مختصر حوالہ بالا میرے ذہن کو عراقی کی تصنیف "غایۃ الامکان فی درایۃ المکان" کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ مشہور حدیث لاتسبو الدھر ان الدھر ھو اللہ میں دہر (بمعنی Time) کا جو لفظ آیا ہے اس کے متعلق مولوی سید انور شاہ صاحب سے، جو دنیائے اسلام کے جیّد ترین محدثینِ وقت میں سے ہیں، میری خط و کتابت ہوئی۔ اس مراسلت کے دوران میں مولانا موصوف نے مجھے اس "مخطوطے" کی طرف رجوع کرایا اور بعد ازاں میری درخواست پر از راہ عنایت مجھے اس کی ایک نقل ارسال کی۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس گرانقدر دستاویز کے مشمولات کا حال

آپ کو بتاؤں۔ اس کی جزوی وجہ تو یہ ہے کہ وہ اسپنگلر کے نظریے سے غیر مطمئن ہونے کی مزید دلیل بہم پہنچائے گا لیکن اصولاً وعموماً اس سے میرا یہ منشا ہے کہ مخصوص علوم کے وہ شعبے جو آغوش اسلام کے بطن ارتقا سے پیدا ہوئے ان کے میدانوں میں علوم مشرقیہ کی تحقیقات کی ضرورت و اہمیت کو آپ حضرات کے ذہن نشین کروں۔ مزید براں اغلب ہے کہ "یہ بقامت کہتر و بقیمت بہتر" مخطوطہ ایک نئے میدانِ تحقیق میں ہماری رہنمائی کرے جس میں ہمارے ان تصورات زمان و مکان کے اصل و آغاز کی تحقیق ہو جن کی اہمیت حال میں طبیعیات نے محسوس کی ہے۔

یہ معاملہ مشکوک ہے کہ اس کتابچے کا مصنف کون ہے حاجی خلیفہ نے اسے شیخ محمود کسی بزرگ کی تصنیف بتایا ہے۔ لیکن ان کا سُراغ مجھ کو اسلام کے علمی اسماء الرجال کی فہرست میں نہیں لگا۔ متن کے تقریباً وسط میں ذیل کا فقرہ وارد ہوتا ہے:۔

"...... این فخدرہ غیبی .... چوں بشاطگی بیان ایں بندہ ضعیف باخر زمانیان جلوہ کند، امید وارم کہ تشنگان جرعہ حقیقت در ایام آخرالزماں از دست این ساقی عراقی جمال زلال شیریں مشاہدہ نمایند ......"[1]

---

[1] اقبال نے اسے عراقی کی تصنیف مانا ہے۔ لیکن اس رسالے کا مصنف کون ہے؟ یہ معاملہ اقبال کے قوی قیاس کے باوجود مفصل بحث کے بعد طے ہو سکتا ہے اور اس کے لئے نسخے کا پیش نظر ہونا بالکل ضروری ہے۔ اقبال نامے (حصہ اوّل خط نمبر ۲۶۵) میں اس کا ذکر آیا ہے کہ دیوبند کے مولوی سید انور شاہ صاحب نے اس رسالے کے ایک نسخے کی نقل ان کو بھیجی تھی لیکن چھان بین کرنے پر معلوم

ذاتی طور پر میرے قیاس کا میلان یہ ہے کہ اس قلمی نسخے کی معرفت ہمیں مشہور ایرانی صوفی شاعر عراقی کے ساتھ ایک قریب تر تعلق پیدا ہوا ہے جس کی آزادیٔ فکر و عمل نے اسے مصر و ہندوستان کے راسخ العقیدہ لوگوں کا ہدفِ ملامت بنا دیا تھا۔

تاہم اپنے افکار کو قلمبند کرنے کا باعث وہ یوں بیان کرتا ہے:۔

وبایستے کہ این اسرارِ عزیز در صمیم جان و سویدائے دل مکنون و مخزون داشتے نہ از راہ بخل بل از راہِ عزت و نفاست ولیکن عذر در جلوہ کردن این مخدرّہ عذرا آنست کہ وقتے در اثنائے سخن و گرمی دل بر زبان لفظ مکان رفت و چون لفظ مکان در اخبار آمدہ است انکار نباید کرد ولیکن مکان را بباید شناخت کہ عبارت ازاں چیست تا تشبیہ از راہ خیزد پس جماعتے از کوردلاں شور بخت چوں لفظ مکان شنیدند از سر تعصب و حسد و عناد و جحود این کلمہ را دست آویز ساختند و بر رنجانیدن ما میان بستند و رقم تشبیہ بر ما کشیدند و تکفیر ما فتوائے نوشتند۔ پس ناچار از برائے اظہار برأت ساخت دل (؟)، خود از غبار تشبیہ این مخدرّہ عذرا از ابدان عالمیان

ہوا کہ یہ رسالہ نہ تو اب اقبال کے کاغذات و کتب میں موجود ہے نہ دارالعلوم دیوبند میں اور نہ ہی مولوی انور شاہ کی عطیہ شدہ کتابوں (مجلس علمی، ڈابھیل: سورت) میں۔ ممکن ہے اقبال والا نسخہ کہیں کاغذات میں گم ہو گیا ہو۔ بہرحال متذکرہ نسخے کے عنوان سے ملتا جلتا ایک عنوان حاجی خلیفہ کی کتاب "کشف الظنون" میں ملتا ہے یعنی "غایۃ الامکان فی معرفۃ الزمان والمکان"۔ اس سے آگے صرف مندرجہ ذیل عبارت ہے: "رسالہ فارسیۃ للشیخ محمود الاشنوی اولہ الحمد للّٰہ الّذی لا آخر لا ولیتہ۔۔۔۔ الخ"
یہ دیکھتے ہوئے کہ عراقی نے ہندوستان میں زندگی کا کچھ حصہ بسر کیا تھا اس کی تصنیف کا نسخہ ہندوستان میں ملنا قابل تسلیم معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ تذکروں میں کہیں عراقی کے نام کے ساتھ اس قسم کی کوئی تصنیف منسوب نہیں ہے۔

عالم طبیعت عرض بایست کردن و این یوسف باجمال بآن کوران جلوہ بایستے داد تا رفع ظن ایشان بودہ باشد۔ اگرچہ معلوم بود کہ دردِ تعصّب و حسد درمان نمی پذیرد چنانچہ باراں کہ مادہ حیات است مردار راجز تباہی نمی افزاید۔" اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ کَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ

چنانچہ یہ فرض کرتے ہوئے کہ مصنف کتاب فخر الدین عراقی ہے یہ بات بہت اہم اور معنی خیز ہو جاتی ہے کہ عراقی نصیر الدین طوسی کا معاصر تھا۔ طوسی کی تصنیف علم اقلیدس پر روم میں ۱۵۹۴ء میں طبع ہوئی اور جون والس (John Wallis) نے اسے سترھویں صدی کے کم و بیش وسط میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے نصاب میں داخل کیا۔ طوسی نے اقلیدس کے موضوعۂ متوازی (Parallel Postulate) کی اصلاح کرنے کی جو کوشش کی اسی نے یوروپ میں "مکان" کے مسئلے کے لئے بنیاد مہیا کی جس کے نتیجے کے طور پر بالآخر گاؤس (Gauss) اور ریمانا (Reimana) کے نظریے پیدا ہوئے۔ لیکن عراقی کوئی ماہر ریاضی نہ تھا اگرچہ اس کا تصور زمان و مکان مجھ کو طوسی کی فکر کی رسائی سے کئی صدیاں پیش قدم نظر آتا ہے۔ اس بات کے پیش نظر فرض ہو جاتا ہے کہ اسلام میں ریاضیاتی فکر کا جو ارتقا ہوا اس کی ایک نہایت ہی محتاط چھان بین کی جائے" تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا عراقی نے جو نتیجے منکشف کئے ان نتیجوں تک خالص ریاضیاتی راستوں سے بھی کبھی رسائی ہو سکی یا نہیں؟

اب میں عراقی کی بحث زمان و مکان کا ماحصل اسی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔ زمان و مکان کا راز سب سے بڑا راز ہے۔ اس کو جان لینا سترِ کائنات اور صفات حق تعالیٰ کا جان لینا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے سلسلے میں

کسی نہ کسی قسم کے "مکان" کا وجود قرآن حکیم کی منقولہ ذیل آیات سے عیاں ہوتا ہے:

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَاۤ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ...." (۵۸، ۷)

(ترجمہ) کیا تو نہیں دیکھتا کہ خدا ارض و سماوات کی تمام چیزوں کو جانتا ہے، کوئی تین آدمی خلوت میں باہم ہمکلام نہیں ہوتے بدوں اس کے کہ اُن کا چوتھا شریک صحبت وہ بھی ہو اور نہ پانچ اس طرح کہ ان کی تعداد کا چھٹا فرد وہ نہ ہو! ان کا یہ شمار خواہ اس سے کم ہو خواہ زیادہ، لیکن وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے خدا ان کے ساتھ ساتھ ہوگا۔

وَ مَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ وَ مَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ وَ لَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝

(۱۰، ۶۱)

(ترجمہ) تم نہ تو کسی مشغلے میں مصروف ہوگے نہ قرآن کی آیات میں سے کوئی حصہ پڑھوگے، اور نہ کوئی اور کام کروگے بجز اس حالت

کے کہ ہم تمہارے، جہاں کہیں بھی تم مشغول ہوگے، شاہد ہوں گے۔
زمین و آسمان کے ایک ذرّے کا وزن بھی تیرے رب کی نظر سے
خطا نہیں جانے پاتا، نہ کوئی وزن، اس سے کم ہو یا اس سے
زیادہ، ایسا ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو!

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ
بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝

(۵۰، ۱۶)

(ترجمہ) ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی جان
اس سے کیا کیا سرگوشیاں کیا کرتی ہے، ہم اس کی شہ رگ سے
بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

لیکن ہمیں فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ قرب، اتّصال اور انفصال کے الفاظ جن کا اطلاق مادّی اجسام پر ہوتا ہے اللہ پر منطبق نہیں ہوتے۔ حیاتِ الٰہیہ نظامِ کائنات کے ساتھ جس طور پر واصل ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے روح جسم کے ساتھ متعلق ہے۔ روح نہ جسم کے اندر ہے نہ اس کے باہر، نہ اس کے قریب ہے اور نہ اس سے الگ ہے تاہم اس کا تعلق جسم کے ایک ایک ذرّے کے ساتھ حقیقی ہے اور اس تعلق کا تصور ناممکن ہے سوائے یوں کہ ہم کسی ایسی قسم کے مکان کا اثبات کریں جو روح کی لطافت کے مناسب ہو۔ غرض حیاتِ الٰہیہ کے سلسلے میں مکان کے وجودِ مطلق کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا، البتہ ہمیں نہایت احتیاط سے مکان کی اُس مخصوص نوعیت کی تعریف و تحدید کرنی ہوگی جس کا اطلاق اللہ کی مطلقیّت کے بارے میں کیا جائے۔ مکان کی قسمیں تین ہیں: مادّی موجودات کا مکان، غیر مادّی موجودات کا مکان اور خدا کا مکان!

مادّی اجسام کا مکان پھر آگے تین قسموں میں منقسم ہے: اوّل کثیف اجسام کا مکان ہے جس کے متعلق ہم جگہ (گنجائش) کے خیال کو پیشگی اپنے ذہن میں رکھ لیتے ہیں۔ اسی جگہ یا خلا میں ان (متعلقہ اشیاء) کی حرکت و قوع میں آتی ہے اور یہ حرکت مستلزم ہے وقت (زمان) کی! چیزیں اپنی اپنی جگہ مقیم یا دخیل ہوا کرتی ہیں اور اپنی بید خلی (یا نقل مکان) کے خلاف مقاومت کرتی ہیں۔ دوم لطیف اجسام کا مکان ہے مثلاً ہوا اور صوت۔ اس مکان میں دو اجسام باہمدگر مقاومت کرتے ہیں اور ان کی حرکت زمان (وقت) کے پیمانے (مقادیر) کے ذریعے ناپی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ زمان کثیف اجسام کے زمان سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ ایک نلکی میں دوسری ہوا صرف جبھی داخل ہو گی جب پہلی ہوا خارج کی جائے اور صوتی تموّجات کا زمان کثیف اجسام کے زمان کے مقابلے میں عملاً لاشے ہے۔ سوم روشنی کا مکان ہے۔ آفتاب کی روشنی آناً فاناً زمین کی بعید ترین حدود میں پہنچ جاتی ہے چنانچہ روشنی اور صوت کی سُرعتِ رفتار میں زمان تقریباً صفرِ مطلق کے درجے پر آجاتا ہے۔ پس یہ ظاہر ہے کہ روشنی کا مکان ہوا اور صوت کے مکان سے مختلف ہے اس کے حق میں ایک اس سے بھی زیادہ کارگر دلیل اور ہے۔ ایک بتّی کی روشنی کمرے کی ہوا کو بید خل کئے بغیر کمرے کے تمام اطراف میں پھیل جاتی ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ روشنی کا مکان ہوا کے مکان سے لطیف تر ہے جس کا دخل روشنی کے مکان میں ممکن نہیں۔ ان تینوں امکنہ کے انتہائی قرب کی وجہ سے ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم بجز خالص عقلی تجزیہ اور روحانی تجربہ کے ان کے درمیان حدودِ امتیاز کو متعین کر سکیں۔ پھر دیکھئے گرم پانی کے اندر دو ضدیں۔ آگ اور پانی۔ جو بظاہر ایک دوسرے میں متداخل معلوم ہوتی ہیں اپنی اپنی طبع کے رُو سے ایک ہی مکان

میں موجود نہیں ہوسکتیں۔ اس منظہر کی توجیہہ بغیر کسی مفروضے کے نہیں کی جاسکتی کہ ان دو جوہروں کے مکان گو ایک دوسرے سے نہایت قریب ہیں لیکن ایک دوسرے سے متمائز ہیں لیکن درحالیکہ روشنی کے مکان میں فاصلہ کا عنصر قطعاً غیر موجود نہیں ہے اس میں باہمی مقاومت کا امکان بالکل مفقود ہے۔ ایک بتی کی روشنی صرف ایک خاص نقطے تک پہنچتی ہے اور سو بتیوں کی روشنیاں ایک ہی کمرے کی فضا میں باہم خلط ملط ہوجاتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی دوسری کو بیدخل نہیں کرتی! اس طرح لطافت و کثافت کے مختلف درجے رکھنے والے طبعی اجسام کے امکنہ کو بیان کرنے کے بعد اب عراقی اپنی بحث میں آگے بڑھتا ہے اور مختصراً مکان کی ان عام رنگا رنگ اقسام کی تفصیل پیش کرتا ہے جن پر غیر مادّی موجودات عمل کرتی ہیں مثلاً ملائکہ! فاصلے کا عنصر ان امکنہ میں بھی کلیتہً غیر موجود نہیں ہے اس لئے کہ بعض غیر مادّی موجودات گو آسانی کے ساتھ سنگی دیواروں میں سے ہوکر گذر جاتی ہیں تاہم اپنی حرکت کے "عرض" سے تمام و کمال آزاد نہیں ہوجاتیں۔ یہ عدم استغنا عراقی کے نزدیک ان کی خاصیت روحانی کے غیر کامل ہونے کی دلیل ہے۔ مکانی آزادی کے بلند ترین نقطے پر انسانی روح کی رسائی ہے جس کا بے نظیر جوہر یہ ہے کہ نہ وہ ساکن ہے نہ متحرک۔ اس طرح "مکان" کی لاانتہا اور گوناگوں اقسام سے گذرتے ہوئے ہم آخر کار مکانِ الٰہی (مکانِ لامکان) پر آتے ہیں جو تمام جہات والعاد سے مطلقاً آزاد ہے اور اس نقطۂ اتصال کا حامل ہے جہاں تمام موجوداتِ لامحدود واصل یکدگر ہوجاتی ہیں۔ اسی طریق پر عراقی نے زمان کی بحث کی ہے۔ مادّہ اور روح کے درمیان موجودات کے جتنے درجے ہیں ان سے متعلق زمان کی بے اندازہ قسمیں ہیں۔ کثیف اجسام کا

زمان جو اجرام سماوی کی گردش سے وجود میں آتا ہے وہ ماضی، حال، مستقبل میں تقسیم کیا جاتا ہے اور اس کی نوعیت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب تک ایک دن نہ گزر جائے دوسرا وجود میں نہیں آسکتا۔ غیر مادّی موجودات کا زمان بھی اپنی ماہیت میں شمار دار ہے لیکن اس کا مرور ایسا ہے کہ کثیف اجسام کے زمان کا پورا ایک سال غیر مادّی موجودات کے زمان میں ایک دن سے زیادہ کی حقیقت نہیں رکھتا۔ غیر مادّی موجودات کے پیمانے میں ہم جتنا اوپر چلتے جائیں ہم زمانِ الٰہی کے تصور تک جا پہنچتے ہیں جو مرور کی صفت سے مطلقاً آزاد ہے حتیٰ کہ تقسیم و تکسیر، تاخیر و تقدیم، تسلسل اور تغیّر و تبدّل کی صفات کا بھی پابند نہیں۔ زمان الٰہی دوام و ابد سے بالاتر ہے۔ اس کی ابتدا ہے نہ اس کی انتہا۔ ادراک کے ایک ناقابلِ تقسیم عمل میں اللہ کی نگاہ تمام مرئی موجودات (مشہودات) کو دیکھتی ہے اور اسی عمل میں اس کا سامعہ تمام قابلِ سماعت موجودات کو سنتا ہے اور یہ اعمال ایک واحد و غیر منقسم عملِ ادراک میں انجام پاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا تقدم زمان کے تقدم کے سبب سے نہیں ہے بلکہ برعکس زمان کا تقدم حق تعالیٰ کے سبب سے ہے۔ چنانچہ زمانِ الٰہی وہ ہے جسے قرآن میں "اُمّ الکتاب" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں تمام تاریخ کائنات علتی تسلسل کے دام سے آزاد ہو کر ایک واحد فوق الدّوام "الکنون" (یعنی "اَبْ") میں جمع ہے۔

عراقی کے نظریے کے اس مُلخص سے آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ کس طرح ایک ایسے عہد میں جبکہ کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی جدید ریاضیاتی و طبیعیاتی نظریات و تصورات نہ ہو سکتے تھے ایک تعلیم یافتہ مسلمان صوفی نے زمان و مکان کے متعلق اپنی روحانی واردات کی عقلی تفسیر کی۔ درحقیقت "مکان متعدد" کا یہ نظریہ جو عراقی نے پیش کیا اس جدید تحریک[1] کی ایک ابتدائی منزل تسلیم کیا جاسکتا ہے

[1] Hyperspace Movement

جس میں تین ابعاد سے زیادہ ابعاد والے مکان کا دعویٰ کیا گیا اور جس کا باقاعدہ بیج طوسی کی کوششوں سے بویا گیا جو اس نے اقلیدس کے موضوعۂ متوازی (Parallel Postulate) کی اصلاح کرنے میں صرف کیں۔ ماضی قریب میں کانٹ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے ایک جامع و مانع طریقے سے مختلف امکنہ کے تصور کو پیش کیا۔ فلسفی موصوف کی کتاب 'مقدمہ' (Prolegomena) کا مندرجہ ذیل اقتباس اس پر شاہد ہے:-

'یہ بات کہ 'مکانِ کل' (جس سے پرے اور کوئی مکان نہیں) تین ابعاد کا حامل ہے اور یہ کہ مکانِ کل اس سے زیادہ ابعاد کا متحمل نہیں ہو سکتا اس قضیہ پر مبنی ہیں کہ ایک نقطے پر زاویہ قائمہ بناتے ہوئے تین سے زیادہ خطوط ایک دوسرے کو قطع نہیں کر سکتے .... ایسے احکام کو قابلِ تعمیل ماننا کہ لامتناہی تک ایک خط کھینچا جائے یا تغیرات کا ایک سلسلہ (مثلاً امکنہ میں سے حرکت کا گذر) لاانتہا طور پر جاری رہے، زمان و مکان کے ایسے تصور کے ساتھ مشروط ہے جو صرف وجدان کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔'

لیکن کانٹ کوئی ماہر ریاضی نہ تھا۔ یہ کام اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں کے ماہرینِ ریاضی کے نصیب میں تھا کہ وہ بالآخر مکان کے اس تصور تک پہنچیں کہ وہ ایک حرکی ظہور (Dynamic Appearance) ہے اور اس طرح گویا مخلوق (قابلِ تولید) اور محدود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عراقی کے افکار مبہم طور سے مکان کے ایک ایسے تصور کے ساتھ دست و گریباں ہو رہے تھے جو معروضات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے لیکن وہ ریاضی داں نہ تھا اور کچھ اس

لئے کہ وہ طبعاً ارسطو کے قدیم روایتی خیال یعنی عالم ثابت (fixeduniverse) کے تصور کی طرف مائل تھا اگر اس کا ذہن یہ سوال اٹھانے کے قابل ہو جاتا کہ آیا العادیت عالم کی صفت ہے یا معرفت عالم کی، تو وہ اپنے شعور کے ایک متجسّانہ محاسبے کی ضرورت محسوس کرتا اور اس طرح اس کے سامنے فکر کی ایک ایسی راہ کھل جاتی جو اس کے صوفیانہ نقطۂ نظر وافتاد مزاج سے زیادہ ہم آہنگ ہوتی! پھر حقیقت مطلقہ کی ذات میں فوق المکان یہاں اور فوق الدوام (ماوراء زمان) اب کے باہمی نفوذ کا تصور ہمیں مکان۔زمان (Space-Time) کے جدید تصور کا خیال دلاتا ہے جسے پروفیسر الیگزانڈر (Alexander) نے "مکان، زمان اور الوہیت (معبود)" (Space, Time and Deity) پر مقالے لکھتے ہوئے تمام موجودات کائنات کی کوکھ قرار دیا ہے۔ زمان کی ماہیت پر اگر عراقی کو ذرا زیادہ بصیرت ہوتی تو وہ اس خیال تک پہنچ جاتا کہ زمان، مکان کی نسبت زیادہ بنیادی ہے اور یہ کہنا (جیسا کہ پروفیسر الیگزانڈر نے واقعی کہہ دیا ہے) کہ "زمان ذہن ہے مکان کا" محض شاعرانہ استعارہ نہیں۔ عراقی نے کائنات کے ساتھ خدا کا تعلق روح اور جسم کے تعلق کے مماثل قرار دیا ہے لیکن بجائے اس کے کہ وہ تجربہ کے مکانی اور زمانی پہلوؤں کی تحقیق کے ذریعے فلسفیانہ طریق سے اس نظریے پر پہنچتا اس نے محض روحانی تجربہ کی بنا پر اس کا دعویٰ کر دیا۔ خدا کی معرفت کے لیے یہ کافی نہیں کہ اس انتہائی مقام پر جو نقطہ بھی ہے اور آن بھی (Point-instant)، ہم مکان اور زمان کے متوازی سلسلوں کا اتصال دیکھیں۔ وہ فلسفیانہ راستہ جس پر چل کر ہم خدا کو کائنات کی روحِ کُل (Omnipsyche) کی شکل میں دیکھتے ہیں، اس انکشاف سے گذر کر

ملتا ہے کہ "زمان۔ مکان" (Space-Time) کا اصل اصول "فکرِ زندہ" (Living Thought) ہے۔ عراقی کا دماغ صحیح رخ پر چلا لیکن ایک طرف تو وہ ارسطا طالیسی رجحانات کا پابند تھا اور دوسری طرف اس میں نفسیاتی تجزیہ کی کمی تھی اور یہ دونوں خامیاں اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہوئیں۔ چونکہ وہ اس نظریے پر قائم تھا کہ زمانِ الٰہی تغیّر سے بالکل مبّرا ہے (اس کا یہ نظریہ بدیہی طور پر شعوری تجربے کے غیر صحیح تجزیے پر مبنی تھا) اس لئے اس کے لئے ممکن نہ تھا کہ زمان الٰہی اور زمان مسلسل کا باہمی تعلق منکشف کر سکے اور اس انکشاف کے ذریعے عالم کے تخلیقِ (تولید) مسلسل کے اس تصور تک پہنچے جو اسلام کے ساتھ مختص ہے اور جس کے معنی نُمو پذیر کائنات (Growing Universe) کے ہیں۔

میں نے آپ کے سامنے عراقی کے تصور زمان و مکان کا یہ مختصر خاکہ اور تبصرہ پیش کیا۔ میری غرض یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ اسلام میں سائنس کی خاص فروع کے جتنے تصورات ہیں ان کے متعلق بالاستیعاب چھان بین کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر آگے چل کر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی ثقافت نے قبل الاسلامی ایشیا کی دوسری ثقافتی تحریکوں سے اثر پکڑا اور اس کی نوعیت ترکیبی ہوتی چلی گئی تو اس کی اندرونی زندگی کو صاف طور سے سمجھنا ایک عمومی دلچسپی کا معاملہ بن جاتا ہے اور اس طرح یہ معاملہ محض عربی دانی کی پہنچ سے باہر ہو جاتا ہے۔ غرض اب عملی مسئلہ یہ ہے: وہ کیا طریقہ ہے جس سے ایسے عربی دان پیدا کئے جائیں جو ذہنی اور عقلی طور پر پیشِ نظر کام کے پورے پورے اہل ہوں؟ میرے خیال میں اس ضرورت کو پورا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ایسے عربی اور مشرقی علماء کی ہمّت افزائی کی جائے جو سائنس کی خاص شاخوں کی تعلیم پا چکے ہوں۔ شاید

آپ کی کانفرنس اس مضمون کی قرارداد منظور کرے کہ مشرقی کلاسکی زبانوں کی اعلیٰ تعلیم کی غرض سے جو وظائف یوروپ جانے کیلئے دئے جاتے ہیں ان کو عطا کرنے میں ہندوستانی یونیورسٹیوں کے ارباب حل و عقد ان امیدواروں کو ترجیح دیں جنھوں نے عربی کے علاوہ کیمیا، طبیعیات یا ریاضیات کی قسم کی کوئی سائنس سیکھی ہے۔

معارف علمیہ

علم ظاہر و علم باطن

اقبال کا یہ مضمون اخبار "وکیل" (امرتسر) کے ۲۸ جون ۱۹۱۶ء کے پرچے میں شائع ہوا تھا اور ان مضامین کی ایک کڑی ہے جو "اسرار خودی" کی اشاعت کے بعد معترضین کے جواب میں اقبال نے تحریر کیے تھے۔ یہ مضمون ابھی تک کسی مجموعے میں شائع نہیں ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعار حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔ اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ راقم الحروف اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائر اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو عین اسلام جانتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کو بدبختی اور خسران کا مرادف سمجھتا ہے لیکن اہل نظر کو معلوم ہے کہ صوفیائے اسلام میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو شریعت اسلامیہ کو علم ظاہر کے حقارت آمیز خطاب سے یاد کرتا ہے اور تصوف سے وہ باطنی دستور العمل مراد لیتا ہے جس کی پابندی سے سالک کو فوق الادراک حقائق کا عرفان یا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ حضرت معروف کرخی غالباً پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے تصوف پر بحیثیت ایک علم حقائق ہونے کے نگاہ ڈالی لیکن مسلمانوں میں اس کے حقیقی مدوّن حضرت ذوالنون مصری ہیں جو

اپنے زمانہ کے ایک بہت بڑے عالم تھے، مالک بن انس کے شاگرد تھے اور مالکی مذہب رکھتے تھے۔ فقہی علوم میں پورے ماہر ہونے کے علاوہ علم کیمیا کے ساتھ ان کو خاص دلچسپی تھی۔ پانی کی تحلیل پہلے پہل انھوں نے کی اور ثابت کیا کہ یہ مفردات سے مرکب ہے۔ جو آدمی علم مظاہر سے اس قدر دلچسپی رکھتا ہو اس کے دل میں عالم کے کنہ اور حقیقت معلوم کرنے کی آرزو پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ حضرت ذوالنون نے معروف کرخی کے خیال کو اور وسعت دی اور فرمایا کہ تصوف توحید کے اسرار کا علم حاصل کرنے کا نام ہے اور اس علم کا انتہائی نکتہ یہ ہے کہ عارف و معروف ایک ہی شے ہے۔ تاریخ تصوف میں ہم تصوف کی اس تعریف پر مفصل بحث کریں گے اور دکھائیں گے کہ یہ تعریف کس طرح بتدریج وضع ہوئی اور کیوں مصر و شام کے صوفیا کے ساتھ اس کا خاص تعلق ہے۔ اس وقت صرف اس قدر یاد رکھنا کافی ہے کہ صوفیا کے اس گروہ کے خیالات کی عمارت کا بنیادی پتھر علم ظاہر اور علم معارف کا امتیاز ہے۔ بعض صوفیا اس امتیاز کو علم حصول اور علم حضوری کے امتیاز سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ امتیاز نتائج کے اعتبار سے نہایت خطرناک تھا اور جو اثر اس نے مسلمانوں کے علوم، ان کے ادبیات اور ان کے تمدن و معاشرت اور سب سے بڑھ کر ان کے شعار ملّیہ پر کیا وہ ایک سخت افسردہ کرنے والی داستان ہے جو اپنے موقع پر مفصل بیان کی جائے گی مگر اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ امتیاز اور معرفت کو علم پر ترجیح دینا مذہبی اعتبار سے ہر قسم کی رہبانیت کی جڑ ہے اور علمی اعتبار سے ان تمام علوم حسیّہ عقلیہ کی ناسخ ہے جن کی وساطت سے انسان نظام عالم کے قوائے کو مسخر کر کے اس زمان و مکان کی دنیا پر حکومت کرنا سیکھتا ہے۔ یہی امتیاز عیسوی رہبانیت کی جڑ ہے جس کی نسبت خداتعالیٰ نے قرآن شریف (۵۷، ۲۷) میں فرمایا

رَھْبَانِیَّۃَ ابْتَدَعُوھَا ...... الخ" (یعنی وہ رہبانیت جس کو عیسائیوں نے ایجاد کیا) مگر ہر مستعد قوم کی دماغی اور روحانی تاریخ میں ایک مماثلت ہوتی ہے مسلمان بھی اس رہبانیت سے بچ نہ سکے جس کی حقیقت سے قرآن نے انہیں آگاہ کر دیا تھا اور آج وہ آیت جو عیسائی راہبوں کے متعلق نازل ہوئی تھی خود مسلمانوں پر صادق آتی ہے حالانکہ اکابرِ اسلام وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو رہبانیت کے خلاف مُتنبّہ کرتے رہے۔ مثلاً سید السادات ابو محمد حضرت غوث الثقلینؒ "فتوح الغیب" مقالہ ۳۶ میں فرماتے ہیں:۔

واتقوا اللہ ولا تخالفوہ فتترکوا العمل بما جاءہ وتخترعوا لانفسکم عملا وعبادۃ کما قال اللہ فی حق قوم ضلوا عن سواء السبیلُ ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبناھا علیھم .... الخ (۵۷ : ۲۷)

(یعنی) اللہ سے ڈرتے رہو، اس کے خلاف نہ کرو اس طرح پر کہ ترک کر دو ان احکام کو جو اللہ کے رسول لاتے ہیں اور اپنے پاس سے بدعتیں ایجاد کرنے لگو جیسا کہ خود خداوند تعالیٰ نے گمراہ قوم (عیسائی) کے حق میں فرمایا ہے کہ انھوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی جو ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی۔

خدا کی رحمت ہو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی پر کہ انھوں نے اس رہبانیت کی جڑ یعنی امتیازِ علم و معرفت کے پیدا ہوتے ہی اس کے خطرناک نتائج کا احساس کرکے اس کی مخالفت کی۔ حال میں فرانسیسی مستشرق موسیو میسنیان نے منصور حلّاج کا مشہور مگر نایاب رسالہ موسوم بہ "کتاب الطواسین" جس کا ذکر ابن الندیم نے "کتاب الفہرست" میں کیا ہے مع حواشی کثیرہ شائع کیا ہے۔ اس رسالہ میں مولف

نے حضرت جنید کی "کتاب المیثاق" سے مندرجہ ذیل فقرہ اقتباس کیا ہے (کتاب الطواسین ص ۱۹۵) جس سے حضرت سید الطائفہ کے حالات ناظرین کو معلوم ہوں گے:۔

قال الجنید العلم ارفع من المعرفۃ واتمّ واشمل واکمل۔ تسمّی اللہ بالعلم ولم تسمی بالمعرفۃ۔ وقال "والذین اوتوا العلم درجات" (۵۸، ۱۲) ثم لمّا خاطب النبی صلعم خاطبہ باتمّ الاوصاف واکملھا واشملھا للخیرات۔ فقال "فاعلم انہ لا الہ الا اللہ" (۴۷، ۲۱) ولم یقل "فاعرف" لآن الانسان قد یعرف الشئ ولا تحیط بہ علماً۔ واذا علمہ واحاط بہ علما فقد عرفہ۔

(ترجمہ) فرمایا جنید نے علم معرفت سے بلند تر، کامل تر اور جامع تر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ علم منسوب کیا جاتا ہے نہ معرفت۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے "والذین اوتوا العلم درجات" پھر جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلعم کو مخاطب کیا تو کامل ترین اور اعلیٰ ترین اوصاف کے ساتھ مخاطب فرمایا یعنی فرمایا کہ جان لے کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے، اور یہ نہ فرمایا پہچان لے کیونکہ انسان کسی شے کی معرفت رکھ سکتا ہے حالانکہ از روئے علم اس کا احاطہ نہ کیا گیا ہو اور جب انسان کسی شے کا از روئے علم احاطہ کر لیتا ہے تو یہی اس شے کی معرفت ہے۔

غرض کہ صوفیا کے اس گروہ کے نزدیک (۱) معرفت یا علم باطن ایک مرتب و منظم دستور العمل ہے جو شریعت اسلامیہ سے مختلف ہے اور جس کی تعلیم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے بعض کو دی اور بعض کو نہ دی۔ (۲) یہ علم باطن حضرت علی سے خواجہ حسن بصری کو پہنچا اور ان سے سلاسل تصوف کی وساطت سے سینہ بہ سینہ اُمت مرحومہ کی آئندہ نسلوں کو پہنچا ہے (۳) اس دستور العمل کی پابندی سے سالک کو مشاہدہ حقائق ہو جاتا ہے اور اس مشاہدہ کا انتہائی کمال اس امر کا عرفان ہے کہ خارجی اشیاء باعتبار تعین کے غیر خدا ہیں اور باعتبار ذات کے عین خدا اور جو تفریق ان اشیاء میں نظر آتی ہے وہ ہماری قوت واہمہ کا تصرّف ہے یعنی موجود فی الخارج کی کثرت محض فریبِ نظر ہے یا ہندوؤں کی اصطلاح میں "مایا" ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہو کہ اس دستور العمل کی پابندی سے انسان آخر کار قوتِ واہمہ کے بے جا تصرّف سے نجات پا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہم ذاتِ واحد کو کثرت کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ ان بزرگوں کے نزدیک یہی تحقیق توحید عرفانی کہلاتی ہے۔ اس مضمون میں ہم صرف نمبر (۱) و (۲) پر بحث کریں گے۔ نمبر (۲) و (۳) کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔ انشاء اللہ ان پر ایک علیحدہ مضمون لکھا جائے گا۔

احادیث صحیحہ میں کوئی ایسی روایت ہماری نظر سے نہیں گذری جس سے یہ معلوم ہو کہ نبی کریمؐ نے علوم رسالت میں سے کوئی خاص علم بعض صحابہ کو سکھایا اور بعض سے اسے چھپایا۔ بادی النظر میں بھی یہ بات خلافِ شانِ رسالت محمدیہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ آخری رسالت تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا حقیقت میں بعض جلیل القدر صحابہ کی توہین ہے۔ علاوہ اس کے ممکن نہیں کہ نصِ صریح کے ہوتے ہوئے نبی کریمؐ نے علومِ رسالت میں سے بعض کو بعض سے چھپایا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ (۲: ۱۵۹)

اس آیہ کریمہ سے ظاہر ہے کہ اگر علم باطن کا تعلق بینات اور ہدایت سے ہے تو معاذ اللہ، رسول اللہ صلعم اس گروہ صوفیہ کے عقیدے کے مطابق آیت مذکورۂ کی خلاف ورزی کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ بہر حال چونکہ بارِ ثبوت ان لوگوں پر ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ علم باطن علوم رسالت میں سے ایک علم ہے جس کی تعلیم نبی کریم نے صرف بعض صحابہ کو دی ہے اس واسطے جو ثبوت ان بزرگوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے اس کا وزن کرنا ضروری ہے۔ چند سال ہوئے سیّد محمد فایق نظامی نیازی نے ایک رسالہ موسوم بہ "تحقیق الحق فی الوجود المطلق" لکھا تھا۔ اس رسالہ میں مسئلہ وحدت الوجود کو جس طرح پیش کیا گیا ہے اس کی تنقید تو ہم اور موقع پر کریں گے فی الحال ہم اس روایت کا امتحان کرنا چاہتے ہیں جس کو انھوں نے عقیدہ مذکور کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ نظامی صاحب وحدت الوجود کے دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کلمۂ توحید کے دو اجزا ہیں یعنی لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ۔ پہلا جز وظرف اور ماخذ ہے علم شریعت کا اور دوسرا جزو ماخذ ہے علم تصوف وجودی کا، جس کو علمِ باطن بھی کہتے ہیں اس تشریح کے بعد صاحب موصوف حضرت ابوہریرہ کی مشہور روایت کی تشریح کرتے ہیں۔ وہ روایت یہ ہے:- عن ابی ھریرہ قال حفظتُ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائین فاما احد ھما...... الخ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری) یعنی حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ "یاد رکھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برتن یعنی دو طرح کے علم' ایک علم کو تو میں نے پھیلایا اور دوسرا علم ہے کہ اگر میں اسے پھیلاؤں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے۔"

نظامی صاحب کی رائے میں دو برتنوں میں سے یا دو علموں سے ایک علم

تو شریعت کا ہے جس کا ماخذ کلمۂ توحید کا جزو اوّل ہے اور دوسرا علم: علم تصوف وجودی یا علم باطن ہے جس کے ظاہر کرنے سے وہی انجام ہوتا ہے جو حسین بن منصور کا ہوا۔ اس روایت میں لفظ "وعا ئین" سے دو مختلف اقسام کے مرتب و منظم علم مراد لینا محض زبردستی ہے۔ "وعا" کے معنی ابن اثیر نے "نہایہ" میں ظرف اور مجازاً محل علم کے لکھے ہیں۔ بس صاف اور سیدھے معنی اس روایت کے یہ ہیں کہ دو قسم کی باتوں کی آگاہی حضرت ابوہریرہ کو نبی کریمؐ نے دی۔ ایک تو متفرق احکامِ دین جن کو انھوں نے رسول اللہؐ صلعم سے سن کر عامہ مسلمین میں شائع کیا اور دوسری وہ باتیں جو انھوں نے خوف کے مارے شائع نہ کیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا باتیں تھیں جن کو ابوہریرہ نے خوفِ جان کی وجہ سے شائع نہیں کیا؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے حضرت ابوہریرہ کے دیگر اقوال کو دیکھنا ضروری ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں "اعوذ باللہ من راس الستین وامارۃ الصبیان" یعنی میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں سن ۶۰ کے شروع اور لڑکوں کی حکومت کے۔ حضرت ابوہریرہ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں اوروں کی نسبت زیادہ نبی کریمؐ کی صحبت میں رہے۔ ان کو بعض وہ پیشگوئیاں بھی معلوم تھیں جو رسول اللہؐ صلعم نے مسلمانوں کی خانہ جنگیوں اور فتنوں کے متعلق کی تھیں جن کا ظہور عنقریب ہونے والا تھا۔ اور چونکہ ابوہریرہ کو ان جلیل القدر لوگوں سے جو بعد میں ان فتنوں میں نمایاں حصہ لینے والے تھے بصورت ان باتوں کا اعلان کر دینے کے جان کا اندیشہ تھا اس واسطے وہ کبھی صریحاً ان باتوں کا ذکر نہ کرتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی اشارۃً ذکر فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً "اعوذ باللہ من راس الستین ...... الخ"۔ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری" (شرح بخاری) میں فرماتے ہیں (جلد ۱۔ صفحہ ۱۹۳)

"وحمل العلماء الوعاء الذي لم يبثه على الاحاديث التي فيها تبيين اسامي امراء السوء واحوالهم وزمنهم وقد كان ابو هريرة يكني عن بعضه ولا يصرح به خوفا على نفسه منهم كقوله اعوذ بالله من راس الستين وامارة الصبيان يشير الى خلافة يزيد بن معاويه من الهجرة استجاب الله دعاء ابي هريرة فمات قبلها"

(ترجمہ) علمائے اس دعا کا جس کو ابو ہریرہ نے شائع نہیں کیا یہ مفہوم سمجھا ہے کہ اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں برے امرا کے نام، ان کے احوال اور ان کے زمانوں کے کوائف درج ہیں اور ابو ہریرہ کنایۃً ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ڈر کے مارے ان کو مفصل نہ کہتے تھے۔ جیسے ان کا قولً اعوذ باللہ من راس' ہے اور اس میں اشارہ ہے یزید ابن معاویہ کی خلافت کی طرف کیونکہ یہ سن ۶۰ھ میں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ابو ہریرہ کی دُعا قبول کر لی اور وہ خلافتِ یزید سے پہلے ہی رحلت کر گئے۔

اس تشریح کے بعد امام ابن حجر عسقلانی نے ابن منین کا ایک قول نقل کیا ہے جس پر حضرات صوفیہ وجودیہ کو غور کرنا چاہیئے:۔

"قال ابن المنين جعل الباطنية هذا الحديث ذريعة الى تصحيح باطلهم حيث اعتقدوا ان للشريعة ظاهرا وباطنا وذلك الباطل"

(ترجمہ) ابن منین کہتے ہیں کہ اس حدیث (یعنی مذکورہ بالا روایت

ابوہریرہ) کو فرقہ باطنیہ نے اپنے باطل عقیدوں کے صحیح ثابت کرنے کا ذریعہ بنایا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ حالانکہ ایسا خیال باطل ہے۔

ابن منین کے اس قول سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ روایت ابوہریرہ کی یہ تشریح پہلے پہل فرقہ باطنیہ نے کی اور چونکہ صوفیہ وجودیہ کو فرقہ باطنیہ سے ایک گہرا معنوی تعلق ہے جس کا مفصل ذکر پھر کبھی کیا جائے گا اس واسطے صوفیائے وجودیہ نے طبعی مناسبت کی وجہ سے یا عمداً اس تشریح کو ان سے اختیار کر لیا۔ فرقہ باطنیہ کے لوگ اکثر ایرانی تھے اور ایرانی دماغ اس قسم کی تاویلات و تشریحات میں کمال رکھتا ہے۔

مگر ہمارے خیال کی تائید میں قوی ترین ثبوت بخاری کی ایک اور حدیث ہے جس کو حضرت ابوہریرہ نے روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

"حدثنا عبد العزیز...... عن ابی ھریرہ قال ان الناس یقولان اکثر ابی ھریرہ ولولا ایتان فی کتاب اللہ ما حدثت حدثنا ثم یتلوا ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ۔"

یعنی ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتا ہے اور اگر کتاب اللہ میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کبھی کوئی حدیث روایت نہ کرتا پھر یہ آیت پڑھتے: "ان الذین یکتمون ـــ"

نوٹ:۔ حدیث مذکورہ میں ایک ہی آیت درج ہے، دوسری کا ذکر نہیں مگر دوسری آیت بھی اس سورۃ میں ہے اور یہ ہے "ان الذین یکتمون ما

انزل اللہ من الکتب" اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ علوم رسالت کو جو ان کے دماغ میں محفوظ تھے شائع کرنا آیات مذکورہ کی تعمیل میں اپنا فرض سمجھتے تھے۔ آیہ کریمہ مذکورہ سے ظاہر ہے کہ جن امور کا تعلق ہدایت و بیّنات سے ہو ان کا کتمان احکامِ الٰہی کے خلاف ہے اور حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں اس آیت کی وجہ سے علوم رسول سے جو کچھ مجھے معلوم ہے، اس کی اشاعت کرتا ہوں۔ پس نتیجہ بالکل صاف ہے کہ اگر علوم باطن کا تعلق ہدایتِ دُنیا سے ہے اور بقول حضرت صوفیہ وجودیہ ہونا چاہیئے تو حضرت ابوہریرہ جو اپنے آپ کو آیت مذکورہ کا عامل بتاتے ہیں ان کا کتمان کر ہی نہیں سکتے اور اگر انھوں نے کتمان کیا ہے تو ضرور ہے کہ جن باتوں کو عامۃ مسلمین سے انھوں نے چھپایا ہے ان کا تعلق ہدایت و بیّنات سے نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ جن باتوں کو حضرت ابوہریرہ نے بخوفِ جان چھپایا ہے ان کا تعلق حقائقِ اسلامیہ سے مطلق نہ تھا۔

مسلمانوں کا امتحان

ایک دن محمد دین فوق نے اقبال سے اسلامی تصورات سے متعلق چند سوالات کیے۔ اقبال کے جوابات کو انھوں نے مختصراً اپنے ہفتہ وار اخبار کشمیری (۱۴؍ جنوری ۱۹۱۳ء) میں عنوان بالا سے شائع کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اقبال اسرارِ خودی کی تصنیف میں مشغول تھے۔ "تربیت خودی" کے دوسرے مرحلے ضبطِ نفس کے عنوان کے تحت اقبال نے ان ہی شعائرِ اسلام کی افادیت ایک دوسرے رنگ میں بیان کی ہے۔

اگر مذہبی پہلو سے اسلامی زندگی کو دیکھا جائے تو وہ قربانیوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً نماز ہی کو لو۔ یہ بھی ایک قربانی ہے۔ خدا نے صبح کی نماز کا وہ وقت مقرر کیا کہ جب انسان نہایت مزے کی نیند میں ہوتا ہے اور جب بستر سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ خدا کے نیک بندے اپنے مولیٰ و آقا کی رضا کے لیے خواب راحت کو قربان کر دیتے ہیں اور نماز کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر نماز ظہر کا وہ وقت مقرر کیا جب انسان اپنی کاروباری زندگی کے انتہائے کمال کو پہونچا ہوا ہوتا ہے یعنی اپنے کام میں نہایت مصروف ہوتا ہے۔ عصر کا وقت وہ مقرر کیا جب دماغ آرام کا خواستگار ہوتا ہے اور تمام اعضا محنت مزدوری کی تھکاوٹ کے بعد آسائش کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ پھر شام کی نماز مقرر کر دی جب کہ انسان کاروبار سے فارغ ہو کر بال بچوں میں آکر بیٹھتا ہے اور ان سے اپنا دل خوش کرنا چاہتا ہے۔ عشا کی نماز

کا وقت وہ مقرر کیا جب کہ بے اختیار سونے کو جی چاہتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے دن میں پانچ مرتبہ مسلمانوں کو آزمایا ہے کہ وہ میری راہ میں اپنا وقت اور اپنا آرام قربان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے بعد زکوٰۃ وصدقات مقرر کئے یہ دیکھنے کے لئے کہ میرے بندے میری رضا میں، میری راہ میں اور میری خاطر اپنا مال بھی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جہاں ان کے لئے مختلف قسم کی نعمتیں مہیّا کیں وہاں روزوں کی شرط بھی لگادی کہ یہ لوگ میری خاطر بھوکے بھی رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ میری خاطر ان گوناگوں نعمتوں سے جن کو یہ زبان کا چٹخارہ سمجھتے ہیں منہ موڑ سکتے ہیں یا نہیں؟ پھر یہ دیکھا کہ ان کو ان کے وطن اور ان کے بال بچّوں کی محبّت نے جکڑ رکھا ہے، گھر سے قدم باہر نکالنا ان کے لئے دشوار ہو رہا ہے۔ کیا میری خاطر علائق دُنیوی کو ترک کر سکتے ہیں؟ اس کی آزمائش کے لئے اپنے بندوں پر حج کا اضافہ کر دیا کہ دیکھیں کون کون اپنے وطن اور اپنے اہل وعیال سے میری خاطر ایک عرصہ تک کی مفارقت اختیار کر سکتا اور رستے کے مصائب برداشت کر سکتا ہے؟ جب دیکھا کہ یہ لوگ اپنے آرام وآسائش، اپنے وقت اور اپنے مال اور اپنے وطن اور اپنے عیال کو مجھ پر قربان کر سکنے کے قابل ہیں تو جہاد مقرر کر دیا یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا اب میری خاطر یہ لوگ اپنی جان بھی جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز عزیز نہیں ہو سکتی قربان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ غرض ارکانِ اسلام کی پابندی مسلمانوں کا ایک عظیم امتحان ہے اور دراصل اسی کا نام اسلامی تصوف ہے کیونکہ شعائر اسلام کی پابندی سے روح کو وہ تدریجی تربیت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں تبتّلِ الی اللہ کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔

سائمن کمیشن کے تقرر پر غیر منقسم ہندوستان کے ہر سربرآوردہ سیاسی راہ نما نے اس بنا پر احتجاج کیا کہ اس میں ہندوستان کا کوئی نمائندہ موجود نہ تھا۔ اقبال نے اس سلسلے میں جو بیان دیا اس سے ان کا خاص نقطۂ نظر واضح ہو جاتا ہے۔ بیان درج ذیل ہے۔ اقبال کا دوسرا بیان اس کمیشن سے تعاون کے متعلق ہے۔ اس مسئلے پر مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی — شفیع لیگ جس نے کمیشن سے مقاطعہ کی مخالفت کی اور جناح لیگ جس نے کانگرس کی ہم نوا ہو کر سائمن کمیشن سے مقاطعہ کی حمایت کی۔ اقبال نے اس موقع پر شفیع لیگ کا ساتھ دیا۔ دوسرا بیان شفیع لیگ کی طرف سے شائع ہوا جس میں اقبال بھی شریک تھے اور اسی لئے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ایسے کمیشن میں جو ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والا ہے کسی ہندوستانی کا نہ ہونا انگریزی نقطہ خیال سے بھی ایک بڑی غلطی ہے۔ بلاشبہ کمیشن میں کسی ہندوستانی کا نہ لیا جانا ہندوستان کے وقار پر حملہ ہے لیکن اس کی وجہ ہندوستانی اقوام کی باہمی بے اعتمادی اور بدظنی ہے۔

ہم اس بات کو نظرانداز نہیں کر سکتے کہ دولت، رسوخ، سیاسی قوت اور تعداد کے لحاظ سے ہم ہندوؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے جب تک ہم ہندوؤں اور انگریزی حکومت دونوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ مستعدی اور

سرگرمی سے نہ کریں ہماری سیاسی موت مسلّمہ امر ہے۔ بعض مسلمان ہم سے کہتے ہیں کہ ہم اکثریت کی ہوائی فیاضی پر اعتماد نہیں کر سکتے (اور یہ بالکل صحیح ہے)۔ اب قیاسات اور جذبات کی گنجائش نہیں۔ ہمیں ٹھوس دلائل کی ضرورت ہے۔ ہم اس بات کو زمانۂ مستقبل پر چھوڑتے ہیں جو ہمارے استقلال کا انصاف کرے گا جو ہم نے فرقہ وار مفاد کو مستحکم بنیاد پر رکھنے میں دکھلایا ہے۔

غیر منقسم ہندوستان میں ہندو مسلم فرقہ وارانہ فسادات کی کثرت کے پیش نظر کلکتہ میں ایک اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی جس نے اپنے سہ روزہ اجلاس (۲۷، ۲۸، ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۷ء) میں چند قراردادیں منظور کیں۔ ان قراردادوں کا موضوع تبدیل مذہب، ذبیحہ گاؤ اور مسجدوں کے پاس باجہ بجانا تھا۔ ان قراردادوں کے شائع ہونے کے بعد اقبالؔ نے مندرجہ ذیل بیان دیا۔

جہاں تک ان قراردادوں کا حلقہ اثر ہے میری رائے میں وہ تسلی بخش ہیں۔ قرارداد کے بعض الفاظ مبہم اور مشکوک ہیں تاہم میں اس موتمر میں شامل ہونے والے افراد کی روح اور ان قراردادوں کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ میری رائے میں یہ قراردادیں معاملہ کی تہہ تک نہیں پہنچیں کیونکہ مصیبت تو زیادہ تر اقتصادی اور سیاسی ہے، مذہبی نہیں۔ مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ میں ان مسائل کے متعلق کسی مفاہمت کے قرار و قیام کی طرف سے اس وقت تک مایوس ہوں جب تک برا بھلا کہنے کا پروپیگنڈہ جاری ہے۔ میں نہایت دیانت داری سے اس امر پر یقین رکھتا ہوں کہ مسلمان جارحانہ

اقدام کرنے والے نہیں اور میرا الیقین ان حقائق کی بنا پر ہے جو اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ ہندو جرائد نے ہندوؤں کے قتل کے متعلق مسلمانوں کی سازش کا واویلا کرنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ بات فضا کو صاف کر دے گی اور ہم باہمی سمجھوتہ کے لئے تیار ہو سکیں گے۔ باقی رہے سیاسی اختلافات، میری رائے میں ان کے تصفیہ کی صورت یہی ہے کہ کسی قسم کی مفاہمت کر لی جائے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ مذہبی حیثیت کے غیر حقیقی مسائل ہماری توجہ کو بہت بڑی حد تک مبذول کرا لیتے ہیں اور اس وجہ سے سیاسی مسائل کی قطعی اور معین مفاہمت خواہ مخواہ معرض التوا میں ڈالی جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ سیاسی مفاہمت ہو جانے کے بعد مذہبی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے اور ان کے متعلق سمجھوتا کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اگر یہی صورت حال قائم رہی تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے بہترین دل و دماغ عوام کو اپنے حال پر چھوڑ کر بالکل علیحدہ نہ ہو جائیں۔ اگر ہندو اور مسلمان راہ نما ایک دفعہ پھر جمع ہو کر اپنی تمام تر توجہات سیاسی مسائل کے حل پر مرکوز کر دیں اور دوسرے مسائل کو چھوڑ دیں تو میری رائے میں بہت اچھا ہو گا۔ اس وقت میں مذہبی بحثوں میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ میں انہیں حقیقی خیال نہیں کرتا۔

سید آصف پریس کراچی

خواجہ حسن نظامی کی ایک کتاب "قرآن آسان قاعدہ" کا اشتہار "زمانہ" (کانپور) بابت دسمبر ۱۹۲۲ء کے آخری صفحات پر شائع ہوا۔ اس میں دیگر مشاہیر کے ساتھ ساتھ اقبال کی رائے بھی درج ہے۔

"قرآن آسان قاعدہ" بظاہر خوب معلوم ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ ضرور کرنا چاہیئے۔

اقبال کی مندرجہ ذیل تقریظ مولوی فتح محمد خاں جالندھری کی تالیف مصباح القواعد کی طبع سوم ۱۹۱۶ء (مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ) میں درج ہے۔

میں نے مولوی فتح محمد خاں صاحب کی کتاب مصباح القواعد اول سے آخر تک پڑھی۔ مصنف نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اس اثر کو جو ان کی تصنیف نے میرے دل پر کیا ہے معرضِ تحریر میں لاؤں۔ اس لئے میں بڑی خوشی سے لکھتا ہوں کہ مولوی فتح محمد خاں صاحب نے اُس ضرورت کو جو مدتِ مدید سے محسوس ہو رہی تھی پورا کر دیا ہے اور اردو دان پبلک پر بڑا احسان کیا ہے۔

مصنف کے استدلالات کی صحت کی نسبت رائے زنی تو اعلیٰ درجے کے اہلِ زبان کا کام ہے مگر میں نہایت وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ یہ صرف انہیں لوگوں کے لئے مفید نہیں جو اپنی زبان کو غور و توجہ سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں بلکہ آئندہ اس میدان میں کام کرنے والوں کے لئے بھی یہ ایک بنیاد کا کام دے گی۔ قواعد کے پڑھنے کی تکان اُن پاکیزہ اشعار سے بہت کچھ دور ہو جاتی ہے جو مثالوں میں لکھے گئے ہیں۔ تمام طرزِ ادا برجستہ ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب اوس کتاب سے کہیں بہتر ہے جو مولوی محمد احسن

صاحب الہ آبادی نے غدر سے دو سال بعد شائع کی تھی اور جس کی طبع و اشاعت بند ہے۔

میں مولوی فتح محمد خاں صاحب سے شاید چند نہایت خفیف امور میں اختلاف کرتا، مگر میں نے اس کتاب میں ذرا سا بھی نقص نہیں دیکھا۔ بناءً علیٰ ہذا میں بڑے زور سے ان لوگوں کے لئے سفارش کرتا ہوں جو اردو زبان کو صحیح طور پر بولنا چاہتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ ٹکسٹ بک کمیٹی اس عمدہ کتاب کی خوبیوں کی داد دے گی اور اس کو داخلِ درس کر دے گی۔

مندرجۂ ذیل خط مولوی نجم الغنی رامپوری کے نام ہے جو ان کی کتاب وصول ہونے پر لکھا گیا۔

لاہور۔ ۱۴؍ دسمبر ۱۹۱۸ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ حکیم صاحب۔ السلام علیکم

اخبار الصنادید کی دو جلدوں کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ میں نے پہلی جلد کو بالخصوص نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ قومِ افغان کی اصلیت پر آپ نے خوب روشنی ڈالی ہے۔ کشامرہ غالباً اور افاغنہ یقیناً اسرائیلی الاصل ہیں۔ قاضی امیر احمد شاہ رضوانی جو خود افغان ہیں ایک دفعہ مجھ سے فرماتے تھے کہ لفظ "فغ" قدیم فارسی میں بمعنی "بت" آیا ہے اور افغان میں الف سالبہ ہے۔ چونکہ ایران میں بود و باش رکھنے کے وقت افغان بت پرست نہ تھے اس واسطے ایرانیوں نے انہیں افغان کے نام سے موسوم کیا ہے۔

میرے خیال میں حال کی پشتو زبان میں بہت سے الفاظ عبرانی اصل کے موجود ہیں۔ اگر تحقیق کی جائے تو مجھے یقین ہے نہایت بار آور ہوگی۔ آپ کا

طرزِ تحریر نہایت سادہ اور مؤثر ہے اور بہ حیثیت مجموعی آپ کی تصنیف
تاریخ کا عُمدہ نمونہ ہے۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لاء

یہ خط اقبال کے ایک عزیز دوست سید محمد سعیدُ الدین جعفری کے نام ہے۔

لاہور۔ ۱۳ اگست ۱۹۲۲ء

مخدومی۔ تسلیم

آپ کا والا نامہ موصول ہوا ہے۔ دعوت کے لئے سراپا سپاس ہوں مگر افسوس کہ حاضر نہیں ہو سکتا سفر طویل ہے اور طویل سفر میں میری صحت عموماً خراب ہو جاتی ہے۔

آج کل کچہری بند ہے۔ میں ایک مفصل مضمون انگریزی میں لکھ رہا ہوں جس کا عنوان ہے:

THE IDEA OF IJTIHAD IN THE LAW OF ISLAM

امید ہے آپ اسے پڑھ کر خوش ہوں گے[1]

آپ کے خط کا جواب انشاء اللہ سردیوں میں دوں گا۔ جب آپ تشریف لائیں گے مجھے آپ سے دوبارہ مل کر بڑی مسرت ہوگی۔

ایک اور فارسی کتاب "زبور جدید" زیر تصنیف ہے[2]

---

[1] اقبال نے اسی موضوع پر حبیبیہ ہال (اسلامیہ کالج لاہور) میں تقریر کی تھی (تشکیل جدید کا چھٹا خطبہ اسی موضوع پر ہے)

[2] "زبور جدید" نام کی کوئی کتاب کا پتہ نہیں۔ "پیام مشرق" پہلی دفعہ ۱۹۲۳ء میں اور "زبور عجم" پہلی بار جون ۱۹۲۷ء میں طبع ہوئی تھی۔ غالباً ان دونوں میں سے کسی ایک سے مراد ہوگی۔
"بہت عرصے" کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً "زبور عجم" ہی مراد ہوگی۔

یہ نظم ہو گی، مگر بہت عرصہ لے گی۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال۔ لاہور

مندرجۂ ذیل خط جناب عبدالمجید سالک مرحوم کے نام ہے جو روزنامہ "انقلاب"

(۲۸ ستمبر ۱۹۲۷ء) سے لیا گیا ہے۔

ڈیر سالک

ٹیک چند بہار نے "ابطال ضرورت" میں رَبِ اَرنی پر مفصل بحث کی ہے۔ افسوس اس وقت ابطال ضرورت کا کوئی نسخہ میرے پاس موجود نہیں۔ بہر حال یہ صحیح ہے کہ اساتذۂ عجم نے رَبِ اَرنی کی رائے ثانی کو بسکون بھی استعمال کیا ہے۔ سالک لاہوری، سالک یزدی کا شعر ملاحظہ فرمائیں:

مرغ ارنی گوز شوق لن ترانی پر زند

پیش موسیٰ خار خارِ وادیِ ایمن گل است

اصغر حسین صاحب کے شعر میں کوئی غلطی نہیں۔ والسلام

محمد اقبال

کیپٹن منظور حسین نے اپنی نظموں کا ایک مختصر مجموعہ "پیام غربت" کے نام سے چھپوایا

جس کے سرورق پر اقبال کا یہ شعر لکھوایا گیا:

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے

غربت کے دردمند کا طرز کلام اور ہے

اس مجموعہ کا ایک نسخہ انھوں نے علامہ اقبال کی خدمت میں ارسال کیا۔ مندرجۂ ذیل خط اس کے جواب میں لکھا گیا۔

لاہور۔ ۸ ر جون ۱۹۱۸ء

مخدومی السلام علیکم !

آپ کا خط مع نسخہ "پیام غربت" مل گیا ہے۔ آپ کی نظمیں بہت اچھی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ لوگ انہیں پسند کریں گے اور یہ چھوٹا سا مجموعہ مقبول عام ہوگا۔ آج کل وہ زمانہ ہے کہ مسلمان کو اپنی کوئی قوت اپنے نفس کی خاطر صرف نہ کرنی چاہیئے۔ حضرت جنید نے ایک دفعہ بیماری میں قرآن شریف کی ایک سورۃ اپنے اوپر پڑھ کے دم کی تھی، بارگاہ ایزدی سے انھیں ملامت ہوئی کہ تو ہمارا کلام اپنے نفس کی خاطر صرف کرتا ہے۔ آج یہ حالت ہے کہ خدا کا کلام تو ایک طرف اپنا کلام بھی اپنے نفس کی خاطر صرف نہیں ہونا چاہیئے۔ سرِ عنوان شعر (اوروں کا ہے پیام ــ الخ) جہاں تک مجھے یاد ہے میرا ہے۔ اس نظم میں بہت سے اغلاط چھپ گئے تھے۔ دوسرے مصرع میں "غربت" کی جگہ لفظ "عشق" ہے۔ غربت سے بحر شعر کا درست نہیں رہتا۔ نظر ثانی میں مَیں نے اسے درست کر دیا ہے، آپ بھی دوسری ایڈیشن میں تصحیح کر لیں۔ خط میں جو حسنِ ظن آپ نے میری نسبت اظہار فرمایا ہے اس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ میرا مقصود شاعری سے شاعری نہیں بلکہ یہ کہ اوروں کے دلوں میں بھی وہی خیالات موج زن ہو جائیں جو میرے دل میں ہیں اور بس۔ والسلام

محمد اقبال۔ لاہور

یہ خط ایک لفافے کی پشت پر پروفیسر محمود خاں شیرانی مرحوم کے نام لکھا گیا ہے۔ اقبال نامہ جلد دوم میں اس کو اختر شیرانی سے منسوب کیا گیا ہے جو غلط ہے۔ لفافے کی مہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۹ر اکتوبر ۱۹۳۳ء کو لکھا گیا۔

ڈیر شیرانی صاحب

میں کل کابل جا رہا ہوں اس واسطے فرصت نہیں ہے۔ آپ مہربانی کرکے اس خط کا جواب راقم کو دیدیں اور ان کو یہ بھی لکھ دیں کہ میں کابل جا رہا ہوں اس واسطے خود جواب نہ لکھ سکا۔

متعلقہ اشعار خاقانی

محمد اقبال

۱۹۳۲ء میں ایک شخص نے "زبورِ عجم" کا نسخہ جناب سعید نفیسی مرحوم کو ایران میں دیا۔ اس کو پڑھ کر پروفیسر نفیسی بہت متاثر ہوئے چنانچہ انہوں نے اقبال کو ایک خط لکھا جس کے جواب میں اقبال نے "پیام مشرق" کا ایک نسخہ انہیں بھیجا۔ اقبال کے دو خطوط پروفیسر نفیسی کے تعارف کے ساتھ مجلہ "دانش" طہران میں بطور ضمیمہ شائع ہوئے اور بعد میں ضمیمہ ایک رسالہ کی شکل میں "اقبال نامہ" کے عنوان سے مرداد ماہ ۱۳۳۰ میں شائع ہوا۔ مندرجہ ذیل تعارف او خطوط اسی رسالہ سے لئے گئے ہیں۔

در بہار سال ۱۹۳۲ میلادی یک نسخہ از کتاب زبورِ عجم را دوستی از ہندوستان برائے من ارمغان آورد۔ از خواندن آں احساسات عجیب در من انگیختہ شد۔ نامہ ای پر از شوق و شغف بمرحوم علامہ اقبال نوشتم و چون مطمئن وسیلہ برائے رساندن آن نامہ مرحوم پرفسور دکتر محمد اقبال استاد ادبیات فارسی در دانشگاہ پنجاب

بود کہ از سالیان دراز باو مکاتبہ و رابطہ داشتم آن نامہ را بتوسط او فرستادم۔ دو ماہ پس از آں جوابی از مرحوم علامہ اقبال رسید و مسافری کہ از ہندوستان بزیارت عتبات می رفت آں را از لاہور برائے من آوردہ بود و نسخہ ای از کتاب پیام مشرق را ہم کہ مرحوم علامہ اقبال برائے من فرستادہ بود رساند۔ خواندن این کتاب دوم باعث شد کہ باز نامہ دیگری بمرحوم نوشتم و نہایت شوق و شغف خود را در آں نامہ بیان کردم و باز پس از دو ماہ دیگر نامہ دوم مرحوم اقبال بوسیلہ مسافر دیگری کہ او ہم بایران آمدہ بود بمن رسید۔

سعید نفیسی

۲۶ر اگوست ۱۹۳۲ء

مخدوم دانشمند

خط دست آقائی بوسیلہ سرکار پروفیسر محمد اقبال صاحب راہی کردہ بود دید حاصل شدہ سال ہائے دراز است کہ میل و آرزوی ایران شمارا در ضمیم می پرورم و یگانہ محصول ذرہ نمائی وجود را سخن پارسی می دانم۔ اینکہ سخن پارسیم مطلوب و مقبول ہم چوں آقائی دانشمند بنامے کہ میزان ذوق ادب ایرانست باشد مایۂ فخر و دلداری این نیازمند است۔ غبن دارم کہ جز از "زبور عجم" مرا بخدمت شما رانبودہ است و "پیام مشرق" را ہمیں ہفتہ بخدمت فرستادہ میکنم۔ والسلام مع الف احترام۔

نیاز کیش

محمد اقبال

۴ر نومبر ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرم دانشمند

خط دست دیگر کہ بفخر و شرف این نیازمند رقم زدہ شدہ بود بہمیں ہفت ہشت روز شرف وصول داد۔ از اینکہ "پیام مشرق" ہم چناں "زبور عجم" پسندیدہ خدمت مخدوم دانشوری آقائی بودہ است و سخن پارسی آنرا ہم پسند داشتہ اید این نیازمند را سربلند میگرداند و دیم چنداں کہ دانشوران ایران میل و ہوس دیدار این نیازمند دارند این نیازمند آرزوی ایشان و خاک ایران می کشد۔ ناتوانی و فسردگی خاطر نتواند کہ خاید راہ گردد چندی دیگری پس سفری بافغانستان در پیش است و آرزوی آن دارد کہ باری چشم بر ایران ناز کند۔ آرزوی دیگر دیدار آن مشفق مخدوم است کہ ان اللہ سبحانہ و تعالیٰ خواہد

والسلام مع الاحترام۔ نیاز کیش

محمد اقبال

اُردو ترجمہ

۱۹۳۳ء کے موسمِ بہار میں ایک شخص ہندوستان سے "زبورِ عجم" کا تحفہ لے کر آیا اس کو پڑھ کر میرے دل میں عجیب احساسات پیدا ہوئے۔ عقیدت کا خط مرحوم اقبال کے نام لکھا اور چونکہ خط پہنچانے کا محفوظ ترین وسیلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال استاد ادبیاتِ فارسی پنجاب یونیورسٹی تھے۔ جن سے کافی عرصے سے خط و کتابت تھی۔ اسلئے یہ خط انہی کی وساطت سے بھیج دیا۔ اس کے دو ماہ بعد اس کا جواب اور "پیام مشرق" کا ایک نسخہ علامہ اقبال نے ایک شخص کی وساطت سے بھیجا جو ایران میں مقدس مقامات کی زیارت کے لئے آرہا تھا۔ اس دوسری کتاب کو پڑھ کر پھر مرحوم کو ایک خط لکھا جس میں اپنی عقیدت اور شوق کا اظہار تھا۔ اسکے دو مہینے بعد مرحوم اقبال کا دوسرا خط اسیطرح کسی ہندوستانی زائرِ ایران کے ہاتھ پہنچا۔

سعید نفیسی

۲۶ر اگست ۱۹۳۲ء

مخدوم دانش مند

آپ کا خط جو آپ نے پروفیسر اقبال صاحب کی وساطت سے بھیجا تھا موصول ہوگیا۔ کئی سال سے ایران جانے کی تمنا اور آرزو دل میں ہے۔ اس کمترین وجود کا ماحصل اس فارسی کلام کو سمجھتا ہوں۔ میرے لئے یہ باعثِ فخر ہے کہ میرا فارسی کلام آپ جیسے فاضل دانشمند کی نگاہ میں قابل قبول ٹھہرا ہے جب کہ آپ ایرانی ادب کا صحیح ذوق رکھتے ہیں اور اس کی خوبیوں کے جانچنے کے اہل ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید "زبور عجم" کے علاوہ آپ نے میری کوئی اور کتاب نہیں دیکھی چنانچہ اس ہفتہ میں "پیام مشرق" بھیج رہا ہوں۔ والسلام مع الف احترام

نیازکیش

محمد اقبال

(۲)

۱۴ر نومبر ۱۹۳۲ء

مخدوم و مکرّم دانشمند

آپ کا دوسرا خط جو آپ نے اس نیازمند کے نام لکھا تھا سات آٹھ روز ہوئے مل گیا۔ یہ پڑھ کر کہ "پیام مشرق" اور "زبورِ عجم" آپ کو پسند آئی ہیں اور ان کی فارسی بھی معیاری ہے مجھے فخر محسوس ہوا ہے۔ جس طرح ایران کے دانشور نیازمند کے دیدار کے خواہشمند ہیں اسی طرح مجھے بھی انسے ملنے اور ایران پہنچنے کی آرزو ہے۔ لیکن کمزوری اور پریشانی سدِ راہ ہیں۔ تھوڑے عرصہ کے بعد افغانستان کا سفر درپیش ہے آرزو ہے کہ ایران کو بھی دیکھوں دوسری آرزو خدا سے یہ ہے کہ آپ کا دیدار بھی میسّر ہو۔

والسلام مع الاحترام۔

نیازکیش۔ محمد اقبال

مندرجہ ذیل دو خطوں کے عکس ایک رسالے میں شائع ہوئے تھے۔ وہیں سے یہ نقل کئے گئے ہیں۔ پہلا خط مرتضٰی احمد میکش کے نام اور دوسرا خط حکیم ظفر یاب علی سے متعلق ہے جو لاہور (بھاٹی دروازے تالاب) میں مطب کرتے تھے۔

لاہور یکم فروری ۳۴ء

ڈیر میکش صاحب! چند منٹ کے لئے تشریف لائیے ایک ضروری کام ہے۔

والسلام

محمد اقبال۔ میورو ڈ

حکیم ظفر یاب علی صاحب جو دہلی کے طبیہ کالج کے ممتاز طلبا میں سے ہیں کئی سال سے لاہور میں پریکٹس کر رہے ہیں۔ حال میں انہوں نے ایک یونانی دواخانہ لاہور میں کھولا ہے جس کی نسبت مجھے یقین ہے کہ کامیاب ہوگا۔ میں نے اپنے احباب سے سنا ہے کہ اس دواخانہ میں نسخے نہایت احتیاط سے تیار کئے جاتے ہیں۔ یونانی طب کی ہر دل عزیزی اچھے دواخانوں پر منحصر ہے مجھے اُمید ہے کہ حکیم ظفر یاب علی صاحب کی مساعی بارآور ہوں گی۔

محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور

مندرجہ ذیل دونوں خطوط مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی کے نام ہیں جن کی اُردو ریڈریں تقسیم ملک سے پہلے ہندوستان کے گوشے گوشے میں مقبول و معروف تھیں۔ انہوں نے ایک کتاب "قواعد اُردو" بھی لکھی تھی۔ اقبال کے خطوط اسی سلسلے میں ہیں۔

---

(۱)

سیالکوٹ ۲ر نومبر ۱۹۱۲ء

مخدومی۔ قواعد اردو مرسلہ آنجناب مل گیا تھا مگر والدہ ماجدہ کی علالت کی وجہ سے آپ کے خط کا جواب نہ لکھ سکا۔ کئی روز سے سیالکوٹ میں مقیم ہوں اور ابھی ان کو کوئی افاقہ نہیں۔ طبیعت نہایت متفکر اور پریشان ہے۔ خط و کتابت سے بھی معذور رہوں بلکہ ضروری مشاغل بھی بوجہ ان کی علالت چھٹ گئے ہیں۔

لاہور جاؤں گا تو آپ کے سوالات کا جواب لکھنے کی کوشش کروں گا مگر میں تو اردو زبان کا ماہر نہیں اور بالخصوص گرامر سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میرے خیال میں آپ مولوی فتح محمد صاحب جالندھری سے خط و کتابت کریں جنھوں نے حال میں ایک کتاب اردو گرامر پر تصنیف کی ہے اور وہ کتاب اچھی ہے۔

آپ کا نیازمند مخلص

محمد اقبال از سیالکوٹ

۲ر نومبر ۱۹۱۲ء

(۲)

لاہور ۲۵ر جنوری ۱۹۱۵ء

مخدوم مکرم۔ السلام علیکم!

"قواعدِ اردو" حصہ اول و دوم نہایت عمدہ ہے۔ اردو زبان میں یہ کتاب اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے اور مجھے یقین ہے کہ بچوں کے لئے اس سے بہتر کتاب شائد آج تک نہیں لکھی گئی۔ انگریزی گرامر سے اُردو کی مماثلت جو خود بخود پیدا ہو گئی ہے وہ انگریزی پڑھنے والے طلباء کے لئے اور بھی آسانی پیدا کر دے گی۔ تنقیحات جو آپ نے قائم کی ہیں اور مجھ سے رائے دریافت کی ہے اس کی نسبت عرض ہے کہ مجھے اس قدر فرصت نہیں کہ ان کے متعلق کچھ لکھ سکوں اور نہ میں اس پر خامہ فرسائی کرنیکا اہل ہوں۔

اِس قدر کہہ سکتا ہوں کہ جو طریق آپ نے اختیار کیا ہے وہ نہایت عمدہ ہے۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال

"کفرِ عشق" دہلی کے مشہور ادیب و کہنہ مشق شاعر پنڈت امرناتھ مدن ساحر دہلوی تحصیلدار پنشنر کا دیوان تھا جو پہلی مرتبہ جون ۱۹۳۶ء میں امپیریل پرنٹنگ پریس دہلی میں شائع ہوا تھا۔ اس کی رسید میں اقبال لکھتے ہیں۔

میو روڈ لاہور

مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

مخدوم و مکرم جناب ساحر

تسلیم۔ آپ کا دیوان موسوم "کفرِ عشق" مجھے آج چودھری محمد حسین صاحب کی وساطت سے ملا۔ اِس عنایت کا بہت شکر گزار ہوں۔ آپ کا کلام تصوف اور ویدانت کے نکات سے لبریز ہے اور ہر پہلو سے آپ کے شایانِ شان ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ دہلی ابھی تک اہلِ کمال سے خالی نہیں۔

افسوس ہے کہ ضعفِ بصارت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ اس لئے یہ خط میں اپنے ہاتھ سے نہیں لکھ سکا اپنے لڑکے جاوید سے لکھوایا ہے۔ معاف کیجئے گا۔ دیوان کے بہت سے اشعار ایک دوست نے پڑھ کر سنائے ہیں۔ والسلام۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

ایک دفعہ ۱۹۳۳ کے لگ بھگ چند لوگوں نے ایک کاسموپولیٹن فلم کمپنی کے نام سے ایک نئے جذبے سے فلم سازی کا کام شروع کرنیکا ارادہ کیا۔ اس کمپنی کے مشیران اعزازی میں اناکشی راما راؤ (مسز بھونانی) عطیہ بیگم۔ عائشہ بیگم شوکت علی کے نام تھے۔ جیساکہ مندرجہ ذیل سند سے معلوم ہوتا ہے ان کا مقصد ایسی فلمیں تیار کرنا تھا جو اخلاقی معیار کے مطابق ہوں۔

اگر ہندوستان میں اس قسم کی فلمیں تیار کی جاسکیں جو معصیت کاری اور فسق و فجور کی اشاعت کا کام نہ کریں بلکہ ان کا مقصد ملک کی صحیح خدمت کرنا اور نوجوانوں میں حقیقی جذبات پیدا کرتے ہوں: اخلاق کا کوئی بلند معیار پیش کرنا ہو۔ حب الوطنی کے پاکیزہ خیالات کی نشرو اشاعت پیش نظر ہو تو یقیناً ایسی فلمیں ملک و قوم کے لئے مفید ہوسکتی ہیں۔ اگر اس قسم کی کوئی کمپنی اس بلند مقصد کو لیکر کام کے لئے اٹھے تو بے شبہ وہ ملک کی خدمت کرے گی۔

دستخط محمد اقبال

مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر غور و خوض کرنے کے لئے ایک انجمن پنجاب پروونشیل ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے ۱۹۱۱ء میں قائم ہوئی۔ اس کا پہلا اجلاس ۱۵ اپریل کو ہوا۔ اسکے سکریٹری اقبال مقرر ہوئے۔ ذیل میں اس اجلاس کی کارروائی درج کی جارہی ہے جو اقبال کے دستخطوں سے علیحدہ شائع ہوئی۔

روئیداد پنجاب پروونشیل ایجوکیشنل کانفرنس

۱۵ اپریل ۱۹۱۱ء

۱۔ صوبہ پنجاب کی تعلیمی ضروریات پر وقتاً فوقتاً غور کرنے کی وجہ سے قوم کے سر برآوردہ

اصحاب نے ضروری سمجھا کہ بزرگانِ قوم کی ایک ایسی مجلس قائم کی جائے جو مسلمانانِ پنجاب کی تعلیمی حالت پر غور و بحث کرے اور مناسب تجاویز عمل میں لا دے۔

۲۔ چنانچہ یہ کانفرنس قائم کی گئی اور انجمن حمایتِ اسلام لاہور سے جو ایک تعلیمی باڈی اور مسلمانانِ پنجاب کی ایک مسلمہ جماعت ہے اس کا تعلق پیدا کیا گیا۔

۳۔ گزشتہ سالانہ جلسہ انجمن پر اس کو خاص دِن اسی غرض سے دیا گیا اور تمام دن جلسہ کی کارروائی ہوتی رہی جس میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن پیش ہو کر پاس ہوئے۔

صدر جلسہ جناب آنریبل خان بہادر میاں محمد شاہدین صاحب بی۔ اے۔ جج چیف کورٹ پنجاب تھے۔

اوّل حافظ اللہ دتا صاحب نے بعد تلاوتِ قرآنِ مجید ایک دلچسپ نعت پڑھی۔ اس کے مسٹر محمد صدیق نے ایک عمدہ نظم سنائی۔ پھر مولوی محمد دین صاحب بی اے ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ریاست بھاولپور نے ایک بسیط تقریر کی۔

اس کے بعد آنریبل خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب نے قومی زندگی پر ایک مختصر مگر موثر تقریر کر کے پہلا ریزولیوشن پیش کیا۔

پہلا ریزولیوشن:۔ اس کانفرنس کی رائے میں اُردو رسم الخط کا متداول رہنا صوبہ پنجاب کی عام علمی اور تمدنی ترقی کے لئے ازبس ضروری ہے اور اس کے موجودہ عالمگیر استعمال میں کسی قسم کی مداخلت کرنا صوبہ پنجاب کی علمی اور تمدنی ترقی کو سالہا سال پیچھے ڈال دے گا۔

حکیم امین الدین صاحب نے تائید مزید کی۔

دوسرا ریزولیوشن:۔ اس کانفرنس کی رائے میں صوبہ پنجاب کے بالعموم اور مسلمانوں کے بالخصوص علمی اغراض اس امر کے متقاضی ہیں کہ اُردو زبان کو ہی صوبہ پنجاب کے مدارس میں واحد ذریعہ تعلیم رہنے دیا جائے۔

یہ ریزولیوشن پیش ہونے سے پہلے صاحب صدر جلسہ نے نصیحت فرمائی کہ اپنے خیالات نہایت متانت اور سنجیدگی سے ظاہر فرمادیں۔ جتنا متانت سے کام لیں گے اتنا ہی اثر زیادہ ہوگا۔ مندرجہ بالا ریزولیوشن مولوی الف الدین صاحب وکیل کیمبلپور نے ایک مختصر اور دلچسپ تقریر کے بعد پیش کیا اور مسٹر ظفر علی صاحب ڈسٹرکٹ جج بہادر نے اس کی تائید فرمائی۔ چنانچہ ریزولیوشن باتفاقِ رائے پاس ہوا۔

تیسرا ریزولیوشن: ۔ یہ کانفرنس زبانِ فارسی کو نصاب تعلیم صوبہ پنجاب سے عملاً کم اور خارج کر دینے کی تجویز کو تعلیمی نقطۂ خیال سے بالخصوص مسلمانانِ پنجاب کی علمی اور عام اغراض کے حق میں مضر اور بالعموم غلط تجویز تصور کرتی ہے۔

شیخ عبدالقادر صاحب بی اے بیرسٹرایٹ لا نے زبانِ فارسی کی ضرورت پر ایک بسیط تقریر فرماتے ہوئے مندرجہ بالا ریزولیوشن پیش کیا اور خواجہ دل محمد نے اُردو پر فارسی کے اثر کو واضح اور مدلّل بیان کر کے اس کی تائید فرمائی اور میر نثار علی صاحب (شہرت) نے تائید مزید۔ اور باتفاقِ رائے حاضرین یہ ریزولیوشن بھی پاس ہوا۔ اسکے بعد پریذیڈنٹ صاحب نے فرمایا کہ نیا ریزولیوشن پیش کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اسپیکروں کے لئے ۸ منٹ اور موئیدوں کے لئے ۴ یا ۴ منٹ ہوں۔

پھر قاضی سراج الدین صاحب نے طلباء کے داخلہ کے محدود ہونے کی بابت تقریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل ریزولیوشن پیش کیا۔

چوتھا ریزولیوشن: ۔ اس کانفرنس کی رائے میں نظر بحالات موجودہ اکثر گورنمنٹ اسکولوں میں غیر مسلم استادوں کی کثرت ہے۔ محکمہ تعلیم کا اسکولوں میں داخلہ طلبہ کی تعداد محدود کرنا اکثر مستحق مسلم طلباء کے حق میں مضر ہوگا۔ کانفرنس یہ امر بھی بڑے زور سے ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ ان قیود کا جاری کرنا ضروری سمجھا جائے تو مناسب ہوگا کہ محکمہ تعلیم ہیبت

ماسٹر کے نام واضح ہدایات جاری کرے کہ داخلہ کے وقت مسلمان طلبائے حقوق کی حفاظت کی جائے۔

شیخ غلام یٰسین صاحب وکیل جھنگ نے مختصر سی تقریر کے بعد اس کی تائید کی اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے رائے طلب کی اور ریزولیوشن باتفاقِ رائے پاس ہوا۔

شیخ غلام محی الدین صاحب پلیڈر قصور نے پانچویں ریزولیوشن کے متعلق مختصر اور مدلل تقریر فرمائی اور مندرجہ ذیل ریزولیوشن پیش کیا۔

پانچواں ریزولیوشن:۔ مسلمانانِ پنجاب کی تاحال غیر مکتفی تعلیمی حالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور اس امر کا بھی احساس رکھتے ہوئے کہ ابھی تک گورنمنٹ کی طرف سے حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے

یہ کانفرنس وکٹوریہ وظائف میں سے جو صرف مسلمانوں کی تعلیمی کمی کو پورا کرنے کے لئے جاری کئے گئے تھے غیر مسلم اقوام کو حصہ دینا مسلمانوں کے تعلیمی اغراض کے لئے نہایت مضر سمجھتی ہے اور درخواست کرتی ہے کہ تعداد وظائف میں جو مسلمانوں کے لئے مقرر ہوئی تھی کسی طرح کمی نہ کی جائے۔

میاں نظام الدین صاحب نے اس ریزولیوشن کی تائید میں فرمایا کہ جب وظائف دیئے گئے تو مسلمانوں کی حالت دیکھ کر دیئے گئے تھے۔ اب کوئی وجہ نہیں کہ وہ کم کر دیئے جائیں۔

آنریبل میاں محمد شفیع صاحب نے تائید مزید میں ایک نہایت پرمغز اور مختصر تقریر فرمائی۔ بعد ازاں باتفاق رائے یہ ریزولیوشن پاس ہوا۔

مرزا جلال الدین صاحب نے مختصر سی امید افزا تقریر کر کے چھٹا ریزولیوشن پیش کیا۔

چھٹا ریزولیوشن:۔ اس کانفرنس کی رائے میں اب وقت آگیا ہے کہ مسلمانانِ پنجاب کو صنعتی حرفتی تجارتی تعلیم دینے کا انتظام کیا جائے اور اس میں کسی قسم کی تاخیر بھی اب مسلمانوں کی اغراض کے لئے سخت مُضر ہے۔

شیخ عمر بخش صاحب وکیل نے اس کی تائید فرمائی اور بالآخر باتفاقِ حاضرین ریزدلیوشن پاس ہوا۔

مولوی محمد دین صاحب بی اے۔ ہیڈ ماسٹر نے یہ کہتے ہوئے کہ جس ریزولیوشن کو میں پیش کرنیوالا ہوں وہ بڑا اہم ہے۔ تاوقتیکہ اس کی تکمیل نہ ہو پہلے ریزدلیوشن مکمل نہیں ہو سکتے بالاتفاق ریزدلیوشن ذیل پیش کیا۔

ساتواں ریزولیوشن:۔ اس کانفرنس کی رائے میں لوئر اور اپر پرائمری اسکولوں میں ٹرینڈ اساتذہ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے مسلمانوں کو ایک اپنا نارمل اسکول جاری کرنا نہایت ضروری ہے۔

اس کے بعد انہوں نے کچھ تقریر مسلمان استادوں کے نہ ملنے پر کی اور پھر خلیفہ عماد الدین صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ نارمل اسکولوں میں مناسب تعداد مسلمانوں کی بھیجی جائے۔ مسلمان صیغۂ تعلیم کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ٹریننگ کالج میں جانے کے لئے کوئی مسلمان نہیں ملتا۔ پہلا کام ہمارا یہ ہے کہ مسلمانوں کو مناسب تعداد میں بھیجیں۔ میں ترمیم پیش کرتا ہوں کہ ہمیں اپنے نارمل اسکول نہیں کھولنا چاہئیں۔

پھر ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا کہ میں اس ترمیم شدہ ریزولیوشن کو پیش کرتا ہوں۔

ترمیم شدہ ریزولیوشن:۔

اس کانفرنس کی رائے میں ضروری ہے کہ گورنمنٹ نارمل اسکول اور ٹریننگ کالج کے وظائف میں مسلمان طلباء کو کافی حصہ دے تاکہ مسلمان معلم کافی تعداد میں مہیا ہو سکیں۔

پھر مسٹر عبدالغنی صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کی تائید پر باتفاق

رائے حاضرین یہ ترمیم شدہ ریزولیوشن پاس ہوا۔

میاں فضل حسین صاحب نے دیسی مکاتب کی ترویج کے متعلق مسلمانوں کی آبادی کا مقابلہ کرتے ہوئے ظاہر فرمایا کہ عربی کے مقابلہ میں سنسکرت زیادہ ترقی کر رہی جو ۶۶، ۴۴ کی نسبت سے ہے۔ اس لئے اگر دیسی مکاتب کو رواج دیا جائے تو عربی کی ترقی ممکن ہے۔ اور مندرجہ ذیل ریزولیوشن پیش کیا۔

آٹھواں ریزولیوشن:۔ اس کانفرنس کی رائے میں مسلمانانِ پنجاب کی تعلیمی توسیع کیلئے دیسی مکاتب کی تجدید و ترویج از حد ضروری ہے۔ خاص کر اس لئے کہ اسی محکمہ تعلیم کی وساطت سے غریب مسلمان طلبا کی دینی اور دنیوی تعلیم کی توسیع ہو۔ خلیفہ عمادالدین صاحب نے مختصر تقریر کے بعد اس ریزولیوشن کی تائید کی اور خواجہ عبدالصمد صاحب ککڑو نے تائید مزید فرمائی۔

اور صاحب صدر جلسہ نے دوبارہ ریزولیوشن پڑھ کر حاضرین سے رائے طلب کی اور ریزولیوشن باتفاقِ رائے پاس ہوا۔

اس کے بعد مرزا جلال الدین صاحب نے ریزولیوشن ذیل پیش کیا۔

نواں ریزولیوشن:۔ ایک سنٹرل کمیٹی بنائی جائے جو ریزولیوشنوں کی تعمیل کرے چنانچہ اس کی تائید کے بعد یہ ریزولیوشن بھی باتفاق رائے پاس ہوا۔ اور مندرجہ ذیل اصحاب کی ایک اگزیکٹیو کمیٹی بنائی گئی جو ان ریزولیوشنوں کو عملی صورت میں لائیگی۔ اور قرار پایا کہ (۱) اس کمیٹی کے ارکان ۵۰ ہوں گے۔ (۲) فی الحال ۳۳ اصحاب ذیل اس کے اراکین مقرر کئے جاتے ہیں (۳) باقی اراکین حسب ضرورت وقتاً فوقتاً سنٹرل کمیٹی خود منتخب کرے گی۔ ۴۔ کورم ۷ ہوگا۔ (۵) ڈاکٹر محمد اقبال صاحب اس کے سیکریٹری ہوں گے ۶۔ سنٹرل کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ اپنی جملہ کارروائی کے متعلق ضابطہ اور دیگر ضروری قواعد خود تیار کرے۔

آخر میں میاں شاہ دین صاحب صدرِ جلسہ نے تقریر فرمائی ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے ووٹ آف تھینکس تجویز کئے۔

اقبالؔ کا ابتدائی کلام

اقبال کے کلام کا کافی حصہ جو مختلف رسائل میں بکھرا پڑا ہے، مختلف مجموعوں کی شکل میں سامنے آچکا ہے۔ اس کے باوجود ابھی کافی کلام متفرق رسالوں میں موجود ہے۔ ذیل میں جو نظمیں اور اشعار دیئے جارہے ہیں، وہ ان مجموعوں میں شامل نہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ کوئی ایسی چیز یہاں درج نہ کی جائے جو ان مجموعوں میں آچکی ہو۔

شمعِ ہستی

۱

اے شمعِ ہستی، اے زندگانی — بھاتی ہے دل کو تیری کہانی
ہے کوچ تیرا ہر لمحہ جاری — جاتی ہے بگٹٹ تیری سواری
بجلی سے بڑھ کر بے تاب ہے تو — یا واہمہ ہے یا خواب ہے تو
کیوں چپ چپاتے ہر دم رواں ہے — آتی کہاں سے، جاتی کہاں ہے
ظاہر ہیں یوں تو سب پر ترے گن — لیکن نہ پایا تیرا اسرار و تن
گزرا نہ کوئی اس ہفت خواں سے — جاہل ہیں تیرے رستہ نہاں سے
فی الجملہ ہمت سب ہار بیٹھے — ہیں سر بزانو ناچار بیٹھے

۲

اے زندگانی، اے شمعِ ہستی — سونی پڑی تھی تجھ بن یہ بستی

چاروں طرف تھی چھائی اندھیری ناگاہ اٹھی اِک ڈیک تیری
وہ ڈیک تھی بس نورٌ علیٰ نور کاہے کو رہتی پردہ میں مستُور
پھولوں میں جھلکی تاروں میں چمکی بخشی جہاں کو رونق اِرم کی
ہوتا نہ یاں جو تیرا ٹھکانا چوپٹ ہی رہتا یہ کارخانا
کیا پھونک ماری دنیا کے تن میں گویا لگا دی دوں خشک بن میں
بزمِ جہاں میں رونق ہے تجھ سے اِس مے کدہ میں رونق ہے تجھ سے

۳

ہے تیرے دم سے اے عالم آرا بزمِ عروسی، آفاق سارا
سرگرم ہے تو جادوگری میں ہیں تیرے عشوے خشکی تری میں
مٹی کا جوبن تو نے نکھارا دے دے کے چھینٹے اس کو اُبھارا
بے حس کو بخشا احساس تو نے دی مُشتِ گل کو بو باس تو نے
تھی بھولی بھالی بھونڈی بھنگم تو نے سکھایا اِس کو خم و چم
کرتب سے تیرے سانچے میں ڈھل کر کُندن سی نکلی رنگت بدل کر
ٹھکرا کے تو نے جب کہہ دیا "قُم" اُٹھ بیٹھی فوراً کرتی تبسم
بھُولی ہے اپنی اوقات پہلی پھرتی ہے خوش خوش کیا اہلی گہلی

۴

پاتی ہے خلقت جب تیری آہٹ ہوتی ہے پیدا اک گُدگُداہٹ
مچتا ہے پھر تو اودھم غضب کا بجتا ہے ڈنکا عیش و طرب کا
کہتی ہے دنیا تو ہے تو کیا غم تو آئے نت نت تو آئے جم جم
جیتے ہیں جب تک مرتے ہیں تجھ پر سب کچھ تصدق کرتے ہیں تجھ پر
کیا مال ہے جو تیرے سوا ہے تو ہی نہ ہو تو سب پر دھتا ہے

اے سب کی پیاری سب کی چہیتی
کہہ منہ زبانی کچھ آپ بیتی

قدرت کے گھر کی میں لاڈلی ہوں
ناز و نعم سے برسوں پلی ہوں

تقویم احسن میرا لگن ہے
فردوسِ اعلیٰ میرا وطن ہے

حور و ملک کی آبادیاں تھیں
بے فکریاں تھیں آزادیاں تھیں

چلتی تھی ہر دم بادِ بہاری
شیر و عسل کی نہریں تھیں جاری

میری ادا پر مرتے تھے قدسی
سجدہ پہ سجدہ کرتے تھے قدسی

تکریم میری ہوتی تھی از حد
ہیں داستانیں جس کی زباں زد

پھر دیس چھوٹا گزری سو جھیلی
پردیسیوں کا اللہ بیلی!

پل مارنے کا ہے یاں بسیرا
حبِ وطن ہے ایمان میرا

۶

اب وہ ہوا ہیں دشت و جبل میں
میری رسائی ہے ہر محل میں

لیکن یہاں میں خلوت نشیں ہوں
ہوں اس طرح پر گویا نہیں ہوں

خوابِ گراں کی حالت ہے طاری
مستی میں گم ہے سب ہوشیاری

جب آتے آتے سبزہ میں آئی
کروٹ بدل کر میں لہلہائی

انگڑائیاں لیں منہ کھول ڈالا
پر آنکھ سے کچھ دیکھا نہ بھالا

داخل ہوئی جب حیواں کے تن میں
اک شور اٹھا اس انجمن میں

انساں کا جامہ جب میں نے پہنا
اللہ رے میں کیا کیا میرا کہنا

جامد کو نامی، نامی کو حیواں
حیواں کو وحشی، وحشی کو انساں

پھیلایا میں نے کیا کیا بکھیڑا
شادی و غم کے ارگن کو چھیڑا۔

نیکی بدی کے میلے جمائے
جھوٹ اور سچ کے سکے چلائے

جو ناچ میں نے جس کو نچایا
وہ ناچتے ہی اسی کو بن آیا

القصہ ہوں میں وہ اسمِ اعظم
ہے جس کے بس میں تسخیرِ عالم

کچھ کچھ کھلے ہیں انداز میرے
دیکھے ہیں کس نے اعجاز میرے

مجھ کو نہ سمجھو تم آج کل کی
ہوں موجِ مضطر بحرِ ازل کی

رکھوں گی جاری یوں ہی سفر میں
قصرِ ابد کی لوں گی خبر میں

ہے میری ہستی اک طرفہ مضموں
کچھ بھی نہیں ہوں پر میں ہی میں ہوں

سنتے رہو گے میری کہانی
جب تک ہے باقی دنیائے فانی

عِلم

تو ہی ہے اے علم ہر جا زینۂ بامِ عُروج
تیری برکت سے ہوا آفاق میں نامِ عروج

رہنمائے منزلِ مقصد ہے تو سب کے لئے
تو نسیمِ صبح ہے ہر غنچۂ لب کے لئے

تیرے ہی زیرِ قدم ہے خسروی کی افسری
دہر میں قائم ہے تیرے دم سے شانِ قیصری

تیری پا بوسی سے پہنچے آدمی افلاک پر
سرکشی تجھ سے گراتی ہے بشر کو خاک پر

کنجِ آسائش میں گنجِ شائگاں تجھ سے ملے
عالمِ فانی میں عمرِ جاوداں تجھ سے ملے

تیرے دم سے نت نئی ایجاد ہے آفاق میں
تیرے ہر جلوے کی ہر دم یاد ہے آفاق میں

خوش نصیبی شوکت و حشمت ترا انعام ہے
تیرا اک خادم ہے یاں اقبال جسکا نام ہے

اہلِ عالم کے لئے تو مونس و غم خوار ہے
تیری ہی برکت سے یاں ہر اک کا بیڑا پار ہے

تیرا دامن جس نے تھا ما وہ ٹھکانے لگ گیا
تیری پا بوسی میں پنہاں ہیں رموزِ لذت

تو ہے اِک شانِ یداللہ خلق کے ہر کام میں
فتح و نصرت ہے تری برکت سے ہر ایام میں

جو ترے باغِ معافی کی ہوا کھاتا نہیں
باغِ عالم میں کبھی نشوونما پاتا نہیں

اے چراغِ بزمِ ہستی محفل آرائے جہاں
تجھ سے روشن ہے بیاضِ ہستیٔ کون و مکاں

تو ہے اِک شمعِ ہُدا راہِ حقیقت کے لئے
اِک چراغِ نور ہے اہلِ طریقت کیلئے

امتیازِ نیک و بد تیرے سوا ہوتی نہیں
تجھ سے محکم ہے جہاں میں رشتۂ دنیا و دیں

عاشقانِ حق کو تو ہے دیدۂ عین الیقیں
حاشیہ بردار ہیں تیرے جہاں میں ہر کہیں

تجھ سے قائم ہے جہاں میں عزت و شانِ ہنر
وہ شجر ہے تو کہ ہے جس کا بہت میٹھا ثمر

تو ہے کانِ عقل و دانش مخزنِ حکمت ہے تو
زینتِ انساں ہو تو زیور ہو تو عزت ہے تو

پایۂ نازِ سخنور زینت افزائے سخن
تو ہے تجھ سے ہی فزوں ہے رونقِ ہر انجمن

فی الحقیقت نوعِ انساں کا تو اک استاد ہے
سچ تو یہ ہے تیری برکت سے جہاں آباد ہے

ہر کہ شد شیدائے حسنت عاقل و فرزانہ شد
سرکش از حکمِ تو در بزمِ جہاں دیوانہ شد

مندرجہ ذیل شعر شیخ دین محمد وکیل (جسٹس دین محمد) کے مرتب کردہ انتخاب اشعار "کشکول" میں درج ہے۔

مری حسرت روانی سوز ہے اس درجہ اے قائل
کہ مینا بن گئی آخر شرابِ ارغواں میری

ظریفانہ کلام کا ایک قطعہ

ماران غوک خور

کارخانے کا ہے مالک مردکِ ناکردہ کار
عیش کا پتلا ہے محنت ہے اسے ناسازگار
حکم حق ہے لیس لِلاِنسان الاّ ما سعیٰ
کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں
میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں

دل کو یک بین ویک اندیش تو کرلے پہلے
پھر جو ہو ذوقِ نظر آنکھ کو ہرجائی کر

گم گشتۂ کنعاں ہے اے خوگرِ زنداں تو
ہستی کے خیاباں میں ہر پھول زلیخا ہے
چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی
تو ہستی بینا ہے، دانا ہے، توانا ہے

پیام مشرق (صفحہ ۱۸۳۔۱۸۴) میں یک غزل ہے جس کا مطلع ہے

خوش آنکہ رختِ خرد را بہ شعلۂ مے سوخت
مثالِ لالہ متاعے ز آتشے اندوخت

ص ۳۰۶

یہاں اب سب بسوہ دار ... اور یہ بسوہ دار نہ رہتے
مطلب ... کو لکھ ... تھا ... اجرا بھی ... ہی ... تھی
راست ... کر دیا جائے ... بسوہ دار

اور ... بیگم ... مولوی
مرد ... مولوی ... خاص ... مولوی
... معلم نادان کو ... سلام ... مولوی
... کی خدمت ... مولوی

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL, M. L. C.
BARRISTER-AT-LAW
LAHORE.

[illegible]

ص ۳۰۷

اس غزل کا ایک شعر بعد میں حذف کر دیا گیا اور مقطع کا پہلا مصرع بدل دیا گیا۔ چنانچہ یہ شعر اور مقطع درج ذیل ہے۔

عجب مدار زسر مستیم کہ پیرِ مغاں
قبائے رندیٔ حافظ بقامتِ مے دوخت
صبا بہ مولدِ حافظ سلام ما برساں
کہ چشم نکتہ وراں خاک آں دیار افروخت

مقطع کا پہلا مصرعہ پیامِ مشرق میں یوں درج ہے۔

صبا بہ گلشنِ ویمر سلام ما برساں

اقبال نے کشن پرشاد شاد کے نام اپنے ایک خط (۷ مارچ ۱۹۱۴ء) میں "اسرارِ خودی" کی حکایت شیخ و برہمن کے اشعار لکھ کر بھیجے تھے۔ "اسرار و رموز" کے مطبوعہ نسخے (صفحہ ۶۶) کے مطابق دونوں کی ترتیب میں بھی فرق ہے اور اس کے علاوہ خط کے شعر ۱۰ اور ۱۲ مطبوعہ نسخوں میں موجود نہیں۔ خط کے دوسرے شعر کا پہلا مصرع بھی مطبوعہ نسخوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ذیل میں اس خط سے بارہ اشعار نقل کئے گئے ہیں:

تا شدی آوارۂ صحرا و دشت — فکر بے باک تو از گردوں گزشت
اے نگاہت طائفِ چرخِ بلند — اندکے عہدِ وفا با خاک بند
بازمیں در ساز اے گردوں نورد — در تلاشِ گوہر انجم مگرد
مُردچوں شمع خودی اندر وجود — از خیالِ آسماں پیما چہ سود
من نہ گویم از بتاں بیزار شو — کافری؟ شایستہ زنّار شو
گر ز جمعیت حیاتِ ملت است — کفر ہم سرمایۂ جمعیت است

تو کہ ہم در کافری کامل نۂ ای	در خورِ طوفِ حریمِ دل نۂ ای
مانده ایم از جادۂ تسلیم دور	تو ز آذر من ز ابراہیم دور
قیس ما سودائی محمل نہ شد	در جنونِ عاشقی کامل نہ شد
وائے بر قیسے کہ سودائے نجست[1]	سر بصحرا داد و لیلائے نجست
اے امانت دارِ تہذیبِ کہن	پشت پا بر مسلکِ آبا مزن
از گلِ خود آدمی تعمیر کن[2]	بہرِ آدم عالمے تعمیر کن

شاؔد کے نام ایک دوسرے خط (۲۸ اگست ۱۹۱۴) میں ایک شعر لکھتے ہیں:

کب تلک طُور پہ دریوزہ گری مثلِ کلیم
اپنی مٹی سے عیاں شعلۂ سینائی کر

بعد میں یہ شعر بانگِ درا (صفحہ ۳۱۹) میں درج ہوا تو دوسرے مصرع میں "مٹی" کی جگہ "ہستی" کا لفظ استعمال ہوا اور مصرع یوں ہے۔

اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر

رُوح الذّہب

"باقیاتِ اقبال" (طبع دوم) میں جناب نذیر نیازی کے حوالے سے یہ قطعہ اسطرح درج ہے

ہے زر روحوں کا نشیمن ہیکلِ خاکی مرا	رکھتا ہے بیتاب دونوں کو مرا ذوقِ طلب
ایک جو اللہ نے بخشی مجھے صبحِ ازل	دوسری ہے آپ کی بخشی ہوئی "روح الذہب"

اسی قطعہ کو شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی نے اپنے مضمون میں اس طرح نقل کیا ہے۔

---

[1] ۔ [2] ۔ یہ دونوں اشعار "اسرار و رموز" کے مطبوعہ نسخوں میں اس جگہ موجود نہیں۔

ہے دو دردوں کا نشیمن یہ تنِ خاکی مرا — ایک میں ہے سوز و مستی ایک میں ہے تاب و تب
ایک جو اللہ نے بخشی مجھے صبحِ ازل — دوسری وہ آپ کی بھیجی ہوئی "روح الذہب"

بانگ درا کی نظم "چاند" میں ایک شعر ہے

پھر بھی اے ماہِ مبیں میں اور ہوں تو اور ہے
درد جس پہلو میں اٹھتا ہو وہ پہلو اور ہے

لیکن مصرع ثانی کی ایک صورت یہ بھی ہے:

یعنی میں صیاد ہوں جس کا وہ آہو اور ہے

اقبالؔ کی یہ نظم اخبار "کشمیری" بابت ۱۴؍دسمبر ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی تھی۔
جہاں تک ہمیں علم ہے یہ نظم ابھی تک دوبارہ منظر عام پر نہیں آئی۔

یہ مکتب یہ اسکول یہ پاٹھ شالے
یہ تکئے یہ مندر یہ گرجے شوالے
یہ پنڈت یہ بنئے یہ ملّا یہ لالے
یہ سب پیٹ ہیں اور ہم تر نوالے
غریبوں کا دُنیا میں اللہ والی

وطن کیا ہے اک نوع سرمایہ داری
بڑے سیٹھ ہیں قوم کے یہ بھکاری
وہ دیکھو چلی آرہی ہے سواری
نئے جال لائے پرانے شکاری
غریبوں کا دُنیا میں اللہ والی

بانگ درا (صفحہ ۱۷۶) پر ایک قطعہ درج ہے جو شاید پہلی بار ماہنامہ "پنجاب ریویو" مرتبہ مولانا ظفر علی خاں کے شمارہ جولائی ۱۹۱۱ء میں بعنوان "ایک نا تمام نظم کے چند شعر" طبع ہوا تھا۔ دونوں کے موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک مصرع اس طرح مختلف ہے۔

پنجاب ریویو غضب ہیں یہ مرشدان خود بیں خدا تری قوم کو بچائے
مسافران حرم کو ظالم رہ کلیسا دکھا رہے ہیں

بانگ درا غضب ہیں یہ "مرشدان خود بیں" خدا تری قوم کو بچائے
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں

نیز پنجاب ریویو میں اس قطعہ کے چند مزید اشعار ہیں جو بانگِ درا میں شامل نہیں کیے گئے۔

بتائیں کیا زندگی گزرتی ہے ہند کے بتکدے میں کیسی
قتیلِ جور و جفا رہے ہیں شہیدِ ناز و ادا رہے ہیں
فریبِ تہذیبِ نو میں آکر جنھوں نے اپنا شعار چھوڑا
جہاں کی رہ گذر میں پامال صورتِ نقشِ پا رہے ہیں

"شکوہ" ماہنامہ "ادیب" مرتبہ ظفریاب خاں (حیدر آباد دکن) کے جون ۱۹۱۱ء کے شمارے میں اور "پنجاب ریویو" مرتبہ مولانا ظفر علی خاں (لاہور) کے مارچ و اپریل ۱۹۱۱ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس کا جب بانگِ درا سے مقابلہ کیا گیا تو مندرجہ ذیل فرق واضح ہوتا ہے:۔

قبل از ترمیم
تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
کبھی خشکی میں لڑتے، کبھی دریاؤں میں

بانگِ درا
تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں

قبل از ترمیم
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینے سے لگایا ہم نے

بانگِ درا
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

قبل از ترمیم
طعنِ اغیار ہے رسوائی و ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے

بانگ درا — طعن اغیار ہے، رسوائی ہے، ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے

قبل از ترمیم — اپنے پروانوں کو پھر ذوق خود افروزی دے
برق دیرینہ کو فرمان جگر سوزی دے

بانگ درا — پھر پتنگوں کو مذاق تپش اندوزی دے
برق دیرینہ کو فرمان جگر سوزی دے

بانگ درا (صفحہ ۱۸۸ - ۱۹۰) میں ایک نظم "رات اور شاعر" کے عنوان سے موجود ہے۔ یہی نظم "پنجاب ریویو" (مرتبہ مولانا ظفر علی خاں) کے ستمبر ۱۹۱۰ء کے شمارے میں "رات اور شاعر: ایک دلآویز مکالمہ" کے عنوان سے (صفحہ ۳۲) درج ہے۔ دونوں کے تقابل سے صرف ایک مصرع میں فرق معلوم ہوا جو درج ذیل ہے:

پنجاب ریویو — خاموش ہو گئے ہیں تار رباب ہستی
ہے میرے آئینے میں تصویر خواب ہستی

بانگ درا — خاموش ہو گیا ہے تار رباب ہستی
ہے میرے آئینے میں تصویر خواب ہستی

اقبال نے اکبر الہ آبادی کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ کہا جو درج ذیل ہے:

اقبال نے اکبر الہ آبادی کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ کہا جو درج

دریغا کہ رخت از جہاں بست اکبر
دریغا کہ رخت از جہاں بست اکبر
حیاتش بحق بود روشن دلیلے
حیاتش بحق بود روشن دلیلے
سر ذروہ طور معنے کلیمے
سر ذروہ طور معنے کلیمے
بہ بت خانہ دور حاضر خلیلے
بہ بت خانہ دور حاضر خلیلے

جناب خواجہ عبد الرشید منتظم اعلیٰ جناح سینٹرل ہسپتال کراچی بروایت جناب لفٹیننٹ جنرل محمد افضل فاروقی بیان کرتے ہیں کہ اقبال کی پہلی شادی خان بہادر ڈاکٹر شیخ عطا محمد وائس کونسل جدہ ساکن کٹڑہ شال بافاں گجرات کی دختر سے ہوئی تھی۔ اقبال شادی کے بعد اکثر وہاں جایا کرتے تھے۔ ایک موقع پر اقبال نے مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔ یہ شعر غالباً ۱۸۹۸ء کا ہے:

ہوگیا اقبال قیدی محفل گجرات کا
ہوگیا اقبال قیدی محفل گجرات کا
کام کرتے ہیں یہاں انسان بھی صیاد کا
کام کرتے ہیں یہاں انسان بھی صیاد کا

میاں نظام الدین مرحوم برادر میاں امیر الدین اکثر گرمیوں کے موسم میں اپنے باغ میں آم کھانے کی دعوت دیا کرتے تھے جہاں اقبال بھی مدعو ہوتے تھے۔ ایک دعوت میں ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی بھی موجود تھے۔ چنانچہ اقبال نے مندرجہ ذیل شعر پڑھا:

امبہ کہ نہ کردند دریں باغ نگہ
جائے او باد بہ شکم عبد اللہ

مندرجہ ذیل رائے اقبال نے ''لسان الغیب'' یعنی اردو شرح دیوان حافظ (۱۹۱۸ء) از سید ولی اللہ وکیل ایبٹ آباد پر دی تھی - چوتھی جلد میں دیگر اکابر کی آراء کے ساتھ اقبال کی رائے اس طرح دی گئی ہے -

جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم - اے، پی - ایچ - ڈی بیرسٹر ایٹ لا ، ایڈووکیٹ چیف کورٹ پنجاب -

کلام حافظ کے متعلق اپنی اس رائے کی تائید کرتے ہوئے جس کا اظہار انہوں نے مثنوی اسرار خودی میں کیا ہے ، فرماتے ہیں :

تاہم آپ کا کام ایک ادبی حیثیت رکھتا ہے - علاوہ اس کے جو ویو خواجہ حافظ کے کلام کا صوفیہ اور ان کے اثر سے جمہور مسلمین نے لیا ہے وہ ایک ایسا ویو ہے جس کے حق میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے — پھر یہ کہنے میں مجھے کیونکر تامل ہو سکتا ہے کہ آپ نے لسان الغیب نہایت جانفشانی اور عرقریزی سے لکھی ہے اور آپ کی تلاش ہر ادبیات سے دلچسپی رکھنے والے کے نزدیک قابل داد ہے - آپ کا اسلوب بیان سلیس اور دلکش ہے اور بوجہ اس عبور کے جو آپ کو فارسی اور عام لٹریچر پر حاصل ہے جو اشعار اور اساتذہ کے آپ نے جا بجا درج کئے ہیں ان سے کتاب کی دلچسپی اور اس کی ادبی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی ہے -

مندرجہ ذیل ۹ غیر مطبوعہ خطوط میں سے آٹھ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی مرحوم کے نام ہیں اور نواں ان کے ماہ نامہ "عبرت" کے منیجر محمد ادریس کے نام ہے۔ یہ خطوط مولانا اکبر شاہ کے داماد ایوب خان صاحب کے پاس محفوظ تھے اور ہمیں جناب عاشق بٹالوی صاحب کی وساطت سے حاصل ہوئے جن کے لئے اکیڈیمی ان کی شکرگزار ہے۔ یہ خطوط اس وقت حاصل ہوئے جب کتاب بالکل مکمل ہو چکی تھی لیکن ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کو شامل کرنا ضروری سمجھا گیا۔

مخدومی مولوی صاحب السلام علیکم

آپکا ملفوف پوسٹ کارڈ مل گیا ہے۔ یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ آپ کا قیام لاہور میں مستقل طور پر ہوگا۔ کبھی کبھی ضرور تشریف لایا کیجئے۔

محبت و الفت رسل و رسائل کی محتاج نہیں بلکہ زیارت ظاہری سے بھی آزاد ہے۔ اس کے لئے نگاہوں کا ایک نکتہ پر جمے رہنا کافی ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۵- جنوری ۱۹۱۸ء

مخدومی السلام علیکم

تالیف و اشاعت کی طرف انشاءاللہ خاص توجہ ہوگی اور آپ سے بھی ضرور کام لونگا۔ افسوس ہے آپ جب تشریف لائے میں مکان پر موجود نہ تھا۔

والسلام

مخلص محمد اقبال ۸- اپریل ۱۹۲۰

مسلمانان مرا حرفے است در دل
که روشن تر ز جان جبرئیل است
نهانش دارم از آذر نهادان
که این سرے ز اسرار خلیل است *

محمد اقبال لاہور

مخدومی۔ والانامہ ابھی ملا ۔ افسوس ہے کہ آپ کو انجمن حمایت اسلام کی کاہلی اور جمود کی وجہ سے پریشانی ہوئی۔ انشا'اللہ آپ کا خط حاجی شمس الدین صاحب کی خدمت میں بھیج دونگا۔ میں نے بوجہ خرابی صحت استعفا دیدیا ہے ، اب میرا کوئی تعلق انجمن سے نہیں ہے۔ درد نقرس کی وجہ سے دو ماہ صاحب فراش رہا اور اب بھی اس درد کے کچھ اثرات باقی ہیں۔ صحت پر اعتماد نہیں رہا ، مشاغل کم کر رہا ہوں۔ امید کہ آپکا مزاج بخیر ہوگا۔ ''عبرت'' بڑا مفید کام کر رہا ہے ۔ مسلمان بیدار ہو رہے ہیں۔ انشا'اللہ آپ کا پرچہ ضرور چمکے گا۔ آپ کی لڑکی کے انتقال سے افسوس ہوا ، خدا تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

محمد اقبال لاہور ۱۷- مئی ۱۹۲۲ء

مخدومی۔ السلام علیکم

آپکو جب فرصت ہو تشریف لائیے۔ میں کہیں باہر جانے والا نہیں۔ آپ کا خط پڑھ کر مجھے بہت تعجب ہوا۔ ''کفر توڑ'' وغیرہ کی اشاعت کا راز

---

* یہ خط جناب محمد ادریس صاحب منیجر رسالہ ''عبرت'' (نجیب آباد) کے نام تھا۔ رباعی ''عبرت'' میں قند پارسی کے عنوان سے طبع ہوئی۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی ''عبرت'' کے اڈیٹر تھے۔ ''پیام مشرق'' (ص ۲۲) میں اسی طرح موجود ہے۔ پوسٹ کارڈ پر ۱۲- جنوری ۱۹۲۲ء کی مہر ہے۔

اس بات میں ہے کہ عوام گالی گلوچ کو بہت پسند کرتے ہیں کہ یہ ان کی روزمرہ زندگی کا جزواعظم ہے - متین طرز تحریر صرف خواص کو پسند ہوتا ہے - والسلام

مخلص محمد اقبال ۱۲- اپریل ۱۹۲۵

مخدومی- السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے الحمداللہ کہ خیریت ہے -

آپ نے ٹھیک فرمایا ہے پیشہ ور مولویوں کا اثر سرسید احمد خان کی تحریک سے بہت کم ہو گیا تھا مگر خلافت کمیٹی نے اپنے پولیٹیکل فتووں کی خاطر ان کا اقتدار هندی مسلمانوں میں پھر قائم کردیا۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی جسکا احساس ابھی تک غالباً کسی کو نہیں ہوا۔ مجھ کو حال ھی میں اس کا تجربہ ہوا ہے - کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک انگریزی مضمون لکھا تھا جو یہاں ایک جلسے میں پڑھا گیا تھا۔ انشاءاللہ شائع بھی ہوگا - مگر بعض لوگوں نے مجھے کافر کہا۔ بہر حال اس تمام معاملے کے متعلق مفصل گفتگو ہوگی جب آپ لاہور تشریف لائینگے۔ ہندوستان میں بالخصوص آج کل بہت سمجھکر سوچ کر قدم اٹھانا ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

لاہور ۲۳- اپریل ۱۹۳۵ء

مخدومی جناب مولوی صاحب السلام علیکم۔ بڑی مدت کے بعد آپکی خیریت معلوم ہوئی اور کتاب بھی ملی- بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں ایک سال سے صاحب فراش ہوں تمام مشاغل ترک ہیں- تاہم میں نے آپ کی کتاب کی ورق گردانی کی اور اسے بہت مفید پایا۔ آپ کی تصانیف

اردو لٹریچر میں قابل قدر اضافہ ہیں جس سے تمام پڑھنے والوں کے نقطہ نگاہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور یہی اس ملک کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ میرے لئے بھی دعا فرمایئے۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

ڈیر مولانا۔ السلام علیکم۔ ایک مدت سے آپ کی خیر خیریت نہیں معلوم ہوئی۔ میں دو سال سے بیمار ہوں بہت کم لکھتا پڑھتا ہوں مگر آپکا مضمون جو اخبار ''احسان'' میں شائع ہوا اسے دیکھکر بے اختیار دل چاہا کہ آپ کو اس مضمون پر مبارکباد لکھوں۔ نہایت عمدہ مضمون ہے۔ مجھ سے بے شمار لوگوں نے اس کی تعریف کی ہے۔ اب آپ کے لئے ایک مضمون لکھنا باقی ہے یعنی مسئلہ جہاد کی تاریخ ہندوستان میں۔ اس کو صرف آپ ہی لکھ سکتے ہیں۔ میں نے سید نذیر نیازی مدیر ''طلوع اسلام'' (دہلی) سے کہا ہے کہ وہ آپ سے لکھنے کی درخواست کریں۔ مولوی چراغ علی مرحوم کی انگریزی کتاب، سرسید کی تصانیف ، مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف اور انکے علاوہ علما کے فتوے جو وقتاً فوقتاً شائع ہوئے اس مضمون کے لکھنے میں مدد دینگے۔ شاید ٹیپو سلطان کے زمانے سے جہاد کے مسائل کی نئی تفسیریں شروع ہوئی ہیں۔ آپکو مجھ سے بہتر یہ حالات معلوم ہونگے۔ چھپنے سے پہلے اگر میں اسے دیکھ سکوں تو شاید اور باتیں بھی عرض کر سکوں۔ امید کہ آپکا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور ۱۲۔ نومبر ۱۹۳۵ء

لاہور ۱۳۔ ستمبر ۱۹۳۶

جناب مولانا۔ اپ کا رسالہ ''اچھوت اقوام اور اسلام'' نہایت دلچسپ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ عام طور پر نہایت مفید ثابت ہوگا۔ اسی قسم کا ایک رسالہ اسلامی دستور حیات پر لکھنا چاہئے تا کہ غیر مسلم اقوام کو معلوم ہو کہ

روزمرہ کی زندگی میں اسلام یسر ہے عسر نہیں ہے۔ زمانہ حال میں لوگوں کو عقاید کی فلسفیانہ بحث کی نسبت دستور حیات میں زیادہ دلچسپی ہے۔ اس وقت یورپ میں بھی یہی بحث ہے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ میں ابھی تک علیل ہوں۔ والسلام

محمد اقبال

★ ★ ★

اشاریہ

ا

ابد ۲۶۳
ابراهیم حنیف، پیرزاده ۳۴۳
ابریشم ۱۲۸
"ابر گہربار" یا "فریاد امت" ۱۴۸ف
"ابطال ضرورت" ۲۸۶
ابعاد ۲۶۴
ابعادیت ۲۶۵
ابن اثیر ۲۷۴
ابن الندیم ۲۷۰
ابن تیمیہ، امام ۹۰-۹۰ف-۲۰۲
ابن حجر عسقلانی ۲۷۴-۲۷۵
ابن خلدون، علامہ ۱۴۴
ابن عربی، محی الدین ۴۸-۱۷۸-۲۵۰
ابن قیم، حافظ ۸۹-۹۰ف
ابن منین ۲۷۵-۲۷۶
ابن یمین ۲۵
ابو ہریرہ، حضرت ۲۰۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷
"اتحاد" نظم ۱۹۸
اتحاد اغراض، ہندوں اور مسلمانوں میں ۳۱
اتحاد کانفرنس ۲۸۱
اتحادی ۴۲-۴۳
آتش، خواجہ ۱۲-۳۸
اتصال ۲۶
آٹو گراف، مشاہیر عالم کے ۱۱
اجتہاد ۲۰۰-۲۴۵-۳۱۷
اجرام سماوی ۲۶۳
اجسام، کثیف ۲۹۲-۲۶۳
، لطیف ۲۶۱
، مادی ۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲
احادیث ۱۴۴-۲۷۲-۲۷۵
"احسان" (اخبار) ۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۳۱۸
احکام الٰہی ۲۱۸-۲۷۷
احمد دین، مولوی ۳۱ف-۳۲ف-۶۳-۶۳ف-۱۵۹-۲۰۰-۲۰۳ف-۲۰۳
احمد شجاع، حکیم ۲۱
احمد علی، مولانا ۹۳-۹۳ف
احمد یار خاں، نواب ۹۱-۹۲-۹۲ف-۹۳
احمدی ۱۴۸
احیائے اسلام ۲۱۶
"اخبار الصنادید" ۲۸۴
اخبار "کشمیری" = "کشمیری" اخبار
اخبار نویسی ۱۴۲
اختر شیرانی ۲۸۸

ادب ۲۵۱
، مغربی ۲۱
"ادیب" ماهنامه ۳۱۱
ادبی محاسن ، زبان اردو کے ۲۳
آرٹ ۳۵
زندگی اور ، ۳۴
اردو ۱۲-۲۱-۲۳۸
پر فارسی کا اثر ۲۹۷
رسم الخط ۲۹۶
زبان ۲۴۲-۲۸۴-۲۹۳-۲۹۶
"سوسائٹی" ۲۲۷-۲۳۲
"قاعده" ۱۴
گرامر ۲۹۳
، محققین ۱۲
لٹریچر ۲-۳۱۸
ارسطو ۲۶۵
ارشد گورگانی ، مرزا ۸۴
ارشمیدس ۲۵۳
ارکان اسلام ۲۷۹
"ارمغان حجاز" ۱۳۴ ف - ۲۲۲
آرنلڈ، ڈبلیو ۸۰-۸۲
آزاد ۸۵-۲۳۷
آزاد ، ابوالکلام ۲۳۲
آزادی ۴۳
، سیاسی ۲۷
اسپنسر، هربرٹ ۲
اسپینگلر ۲۵۲-۲۵۳-۲۵۵-۲۵۶
استعاره ۱۱۶
استعمال ، اضافت اور عطف کا ۱۲
آسٹریا ۱۰۱
اسدالله ، خواجه ۱۶۰-۱۶۳
اسدالله ، منشی = اسدالله ، خواجه
"اسرار خودی" ۶۵-۱۱۰-۱۵۶-
۱۷۳ف-۱۷۷-۱۷۸-۱۸۲-
۱۸۴-۱۹۸-۲۶۸-۲۷۸-۳۰۷
"اسرار و رموز" ۳۰۷-۳۰۸
"اسرار هستی" ۱۹۹
اسرائیل احمد ۲۴۷
اسرائیلی الاصل ۲۸۴
اسکول آف پولیٹیکل سائنس لندن
۸۲
اسلام ۴۷-۴۸-۱۶۷-۱۶۸-۱۹۸-
۲۴۵-۲۶۶-۲۱۷-۲۱۹-۲۲۱-
۲۲۳-۲۵۰-۳۱۹
، عربی ۶۶
میں تخیلات جوهریت
۲۴۹-۲۵۰
میں سیاست" مضمون ۲۷
"اسلامی تاریخ عهد افغانیه" ۲۰
اسلامی
تصوف ۲۱۷-۲۷۹
طب ۱۲۵
فرقے ۱۰۸
ناقدین ، منطق یونانی کے
۲۵۲
اسلامیات ۷۰
اسلامیه کالج لاهور ۴۹ف-۲۸۵-۲۹۹
اسماء الرجال ۲۵۶
اسمبلی ۲۱۴
آسن ، پروفیسر ۱۰۳

اشیاء، خارجی ۲۷۲
اصغر حسین ۲۸۶
آصف علی ۱۰۶-۱۰۶ ف
"اصل حیات" ۱۹۹
اصلاح
، اقبال کی ۹
، زبان کی ۹
سخن ۹-۱۰۹-۱۹۱-۱۹۲
اضافت ۱۱-۱۲-۱۱۵
اطاعت، خدا کی ۴۴
اظہر عباس ۱۶
اعتقادات ۱۴۸
اعجاز احمد، شیخ ۷۷-۷۷ ف
"اعجاز عشق" ۱۷-۱۸
"اعلام الموقعین" ۸۹-۸۹ ف
اعلان نون ۱۱۵
اغوا، ہندو بچوں کا ۲۰۹ ف
افاغنہ ۲-۳
افسانے ۲
افضل احمد، مرزا ۵۵-۵۶ ف
افغان ۱۹۲-۲۸۴
افغانستان ۱-۳-۷۱-۲۹۰
کا سفر ۲۹۱
افواج ہند ۵۶
"اقبال" کتاب ۳۱ ف-۳۶ ف ۲۰۳
اقبال
اور آل انڈیا مسلم
کانفرنس ۹۹ ف
" انجمن حمایت اسلام ۸۵
" اورینٹل کانفرنس لاہور
۲۴۷
" تیسری گول میز کانفرنس
۱۰۱ ف-۱۰۳ ف ۱۰۷ ف
، حیدرآباد دکن ۳-۳۱-
۳۲-۶۴-۱۱۸ تا ۱۲۰-۱۲۳-
۱۳۹-۱۵۵-۱۵۷-۲۲۸-۲۳۸
" کشمیر ۵۴ تا ۵۷-۷۷-۹۷-
۹۷ ف-۹۸ ف-۱۰۷ ف-
۱۵۱-۱۵۹-۱۶۳-۱۶۴-
۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳
" بحیثیت سیکریٹری انجمن
کشمیری مسلمانان لاہور
۵۶-۵۷-۵۹
" صدر مسلم لیگ ۹۵
" عربی پروفیسر لنڈن
یونیورسٹی ۴۵ ف
پر اعتراضات ۶۴-۶۷
کا ابتدائی و اصلاح شدہ کلام
۱۹-۱۹۸-۳۰۱-۳۰۴ تا ۳۰۷-
۳۰۸ تا ۳۱۱
" سلسلہ، ملازمت ۸۰
" سفر مدراس ۲۲۷ تا ۲۳۰
" ظریفانہ کلام ۳۰۶
" سفر ولایت ۸۱
" ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری
جامعہ عثمانیہ ۱۲۳
" ابتدائی زندگی ۷۹-۸۰
" انگلستان سے واپسی ۸۲

،، بصارت کی کیفیت ۱۲۱-
۲۱۴- ۲۱۵
،، پہلی شادی ۳۱۳
،، تاریخ پیدائش ۷۸- ۷۹
،، شاعری کا چرچا ۸۴
،، علالت ۱۱۹ تا ۱۳۹- ۱۵۷-
۱۶۶-۲۱۴-۲۲۳-۲۲۵-۲۴۶-
۳۱۶ تا ۳۱۸
،، کتابوں کی اشاعت ۱۷۱ تا ۱۷۳
،، قرارداد ۲۸۱
،، نظموں کی بلا اجازت
اشاعت ۳۱- ۶۳
کے اسلام پر چھ لیکچر
لندن میں ۸۲
،، ،، ،، مدراس میں
۲۲۷- ۲۲۸
،، بارے میں شبلی کی رائے
۸۵- ۲۳۷
،، تلامذہ ۹ تا ۱۱-۱۰۹ تا ۱۱۷
،، لسانی، لغوی اور ادبی
مباحث ۱۰-۱۱-۳۴ تا ۴۰-
۱۱۰ تا ۱۱۷- ۱۵۰ تا ۱۵۳-
۲۰۲- ۲۰۳
،، مذہبی، سیاسی اور
فلسفیانہ مباحث ۲۵ تا ۳۱-
۳۳-۳۴- ۴۰ تا ۴۹-۹۱-۹۲-
۹۴- ۹۵- ۱۰۰- ۱۴۴- ۱۴۸-
۱۶۶ تا ۱۷۰- ۱۷۶-۱۷۷ تا
۱۸۶-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۶-۲۱۷
۲۲۲ تا ۲۴۵- ۲۴۶- ۲۴۷
تا ۲۸۰

،، نثری مضامین ۱۴۶
،، والد کا انتقال ۹۴
اقبال ڈے ۱۳۴
اقبال شیدائی ۱۰۱- ۱۰۲- ۱۰۲ف- ۱۰۶
اقبال نامہ
حصہ اول ۱۷۵-۲۵۶ف
حصہ دوم ۲۲۴- ۲۲۸
اقتصادی کمزوری، مسلمانوں کی
۲۴۶
اقلیدس ۲۵۳- ۲۵۸- ۲۶۴
اقوام ۱۶۸
اقوام اسلامیہ ۱۸۱- ۱۹۲
اکبر الہ آبادی ۴۰- ۱۷۷- ۱۸۲-
۱۸۵-۱۸۶ف- ۱۹۷
اکبر حیدری، سر ۳۱- ۳۲- ۳۳- ۱۳۳-
۱۳۴-۱۳۶-۱۳۷-
۱۳۸-۱۳۹-۲۲۸
اکبر، شہنشاہ ۷
اکبر شاہ نجیب آبادی ۲۱۰-۲۱۶ف
اکبر علی، پیر ۹۲
آکسفورڈ یونیورسٹی ۲۵۸
آگرہ ۱۹
"الامان" دھلی روزنامہ ۱۰۶ف
آل انڈیا مسلم کانفرنس ۹۹ف
البم ۱۱
"البیان" ۲۰۰
البیرونی ۲۵۴
"الطرق الحکمیہ فی سیاسیۃ الشرعیہ"
۸۹

الفاظ ، فارسی یا عربی الاصل ۱۱
، فارسی کے صدھا ۱۲
، ھندی ۱۲
الف دین ، مولوی ۲۹۷
الف سالبه ۲۸۴
الف لیلی ۲۰۵
الفہرست ۲۷۰
المعلم ، رساله ۱۴
اله آباد ۹۵ ف - ۹۶ ف - ۱۹۷
آل انڈیا کشمیر کمیٹی ۲۱۲
آل انڈیا مسلم کانفرنس ۹۹ ف
"الناظر" رساله ۲
الھام ۴۶- ۴۸
الله ۲۶۰
الله دتا ، حافظ ۲۹۷
الله یار جوگی ۵۴- ۵۵ ف- ۵۶ ف
"الہیات اسلامیه" پر لیکچر ۱۰۷
الیگزانڈر ، پروفیسر ۲۶۵
"ام الکتاب" ۲۶۳
امام جامع مسجد ۱۰۷
امراء القیس ۳۶
امپیریل پرنٹنگ پریس دھلی ۲۹۴
امرتسر ۲۰۰ ف
امروھه ۲۲۵
امریکه ۲۷- ۱۹۴
امن عالم ۲۱۹
امیر ۲۳۷
امیر احمد شاہ رضوانی ، قاضی
۲۸۴
امیرالدین ، مولانا حافظ ۱۰۷
امین الحسینی ، مفتی فلسطین
۱۰۸ ف
امین الدین ، حکیم محمد ۲۹۶
امین صاحب ۱۵۴
امیال و عواطف ۲۱۸
انارکلی پوسٹ آفس ۱۱۶
اناکشی راماراؤ ۲۹۵
انباله ۷۶- ۸۳
"انجم" لفظ ۱۱۷
انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۲۲۸
انجمن ترقی اردو بنگلور ۲۲۷-
۲۳۶- ۲۳۹
انجمن حمایت اسلام لاھور ۸۵-
۸۹- ۱۰۸- ۲۹۶- ۳۱۶
انجمن خدام الدین لاھور ۹۳ ف
انجمن خواتین اسلام مدراس
۲۲۷- ۲۳۲
انجمن سخن لاھور ۵۶
انجمن کشمیری مسلمانان لاھور
۵۶ ف - ۵۷- ۵۸- ۵۹- ۸۶
"انحطاط مغرب" ۲۵۲
اندلس ۱۰۳ ف
"انصاری" اخبار ۱۶۹
انصاری ، ڈاکٹر ۱۲۰- ۲۱۰
انفصال ۲۶۰
"انقلاب" روزنامه ۷۵- ۸۸- ۹۱-
۹۲ ف - ۹۴- ۹۶- ۱۰۰-
۱۰۱- ۲۸۶
انکم ٹیکس ۹۰ ف

انگریزی ۸۰
راج ۲۴
گرامر ۲۹۳
انگلستان ۲۷- ۸۱- ۹۷- ۱۰۳ف -
۱۰۶ف- ۲۰۵- ۲۰۶
انور شاہ، مولوی سید ۲۵۵-۲۵۶ف
۲۵۷ف
انوری ۲۵
آواز ۱۳۲- ۱۹۰- ۲۰۵- ۲۱۴
"اودھ پنچ" لکھنؤ ۶۴- ۶۴ف -
۶۷- ۷۵
اورنٹیل کالج لاہور ۸۰- ۲۴۸
"اورنٹیل کالج میگزین" ۲۴۷
اورنٹیل کانفرنس ۲۴۷
اورنگ آباد ۲۳۸
اوطان ۱۶۷- ۱۶۸- ۱۷۰
اہل زبان ۲۸۳
آئیڈیل، لٹریری ۱۹۳
"ایجوکیشن" ۲
ایجوکیشنل پبلشرز لاہور ۲۴
ایران ۳۵- ۴۱- ۷۷- ۱۵۱- ۲۸۴-
۲۸۸- ۲۸۹- ۲۹۰
ایرانی ۲۷۶- ۲۸۴
ایرانی تخیل ۷
ایشیا ۱۲۵- ۱۶۷- ۱۶۸- ۱۹۲- ۱۹۷
ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جرنل،
رائل ۶۶
ایم۔ اے۔ او۔ کالج علیگڑھ ۳
ایم۔ ثناء اللہ ریلوے روڈ لاہور ۹۰
اینڈ ریوز، پروفیسر ۲۵۵
"آئینہ، عجم" ۲۵
"آئینہ، مشاعرہ" ۱۸- ۱۹
آئینی اصلاحات، ہندوستان
کی تاریخ میں ۹۲ف

ب

باجہ بجانا، مسجدوں کے پاس ۲۸۸
بادشاہی مسجد ۹۳ف
"بادیہ پیمائی" ۲۰۲
باطن ۲۷۶
باقیات اقبال ۳۰۸
بانگ درا ۳۱- ۳۲- ۶۳ف- ۱۴۴ف-
۱۴۹ف- ۱۵۰ف- ۱۷۱- ۳۰۹ تا ۳۱۲
بخارا ۱۵۷
بخاری ۲۷۶
بدرالدین احمد، حاجی ۲۴۲
بدری ۱۹۸
بدھ مت ۲۱۸- ۲۵۰
"بدیہہ گوئی" کتاب ۱۳
بڈ شاہ ۲۷ف
برطانیہ، حکومت ۱۰۰ف- ۱۰۷ف
، وزیر اعظم ۴۳
برطانوی حکومت ۹۲ف
برکات احمد، مولانا ۳۴
برکت علی محمڈن ہال ۹۴- ۹۵ف
برگسان ۳۳- ۱۹۹- ۲۳۷
برہم، حکیم ۶۷- ۶۷ف
بستی دانشمنداں جالندھر ۱۰۲ف
بشیر احمد، خواجہ ۲۰۲
بشیر احمد، میاں ۳
بشیر الدین محمود، مرزا ۲۱۱

بصیری، امام شرف الدین ۱۵۳-۱۵۴
بغداد کی تباهی ۲۱۸
بقا ۲۱۸
بلاغ ۲۰۰ ف
بلغم ۱۲۴ تا ۱۲۶- ۱۳۰ تا ۱۳۲
بمبئی ۴۲- ۸۳- ۱۰۰ تا ۱۰۲-
۲۰۹
بنگلور ۲۲۷- ۲۳۶- ۲۳۸- ۲۳۹
بنو امیه، زمانه، ۱۹۳
بوجهل ۲۲۱
بهادر شاه، ابوظفر ۱۵۷
بهادر یارجنگ، نواب ۲۱۲
بهارت سبها ۳
بهار، ٹیک چند ۴۷- ۲۸۶
بهار عجم ۴۷- ۱۱۳
بهاولپور ۲۹۶
، بیگم صاحبه ۶۱
بهوپال ۱۸- ۹۶- ۹۶ف- ۹۷- ۹۷ف-
۱۰۷ف- ۱۵۷- ۲۰۵- ۲۰۶
، نواب ۹۶ف- ۹۹ف-
۱۰۷ف- ۲۰۵
بیدار، عابد رضا ۱۷۵
بیدل ۳۸- ۱۱۵
بیکن، روجر ۲۰۲
بیماران لکهنو (مضمون) ۷۵
بیون، پروفیسر ۲۵۰
بیوی کی تعلیم، رساله ۳

(پ)

پارلیمنٹری بورڑ ۱۸۹- ۱۹۰
پاکستان ۲۰۰ف- ۱۴۷
پانی پت ۱۹۱
پانی کی تحلیل ۲۶۹
پٹھان هندو فساد ۲۰۹
پرانی میوه منڈی لاهور ۱۱۳
پرتاب سنگھ، مهاراجه سر ۱۶۳
پرویز، خون ۱۷۴
پریم چند، منشی ۲
"پس چه باید کرد" ۱۲۰
پشتو زبان ۲۸۴
پلوڈن، جج ۹۶ف
پنجاب ۱۷- ۳۰- ۵۷- ۶۷- ۷۷-
۸۵- ۱۵۲- ۱۹۱- ۱۹۲
اسمبلی ۹۵ف
پرووینشیل ایجو کیشنل
کانفرنس ۲۹۵
ٹیکسٹ بک کمیٹی ۲۱
ریویو (رساله) ۳۱۰ تا ۳۱۲
سائمن کمیٹی ۹۱
کونسل ۹۰ف- ۹۲ف
گورنمنٹ ۸۶
نیشنل بنک سری نگر ۱۰۹
پنجه، فولاد، اخبار ۵۱
پهانسی ۱۶۲- ۱۶۳
پیام غربت (کتاب) ۲۸۶- ۲۸۷
پیام مشرق ۲۷ف- ۱۵۰ف- ۱۵۱ف-
۱۷۱ف- ۱۷۳ف- ۱۷۵ف-
۱۹۵

پیرس ۴۳- ۱۰۲ف- ۱۰۶
پیسہ اخبار ۵۱- ۷۳
"پیشکش" ۱۷۳- ۱۷۳ف
پیشینگوئیاں ۲۷۴
پیغام محبت (نظم) ۱۴۴

(ت)

تاتاری ۴۱
تاثیر، ڈاکٹر محمد دین ۲۰۵
تارا چند ۴۵- ۵۵ف- ۵۶ف
تاج، تاج الدین ۴۲
تاج، تصدق حسین ۲۰۱
تاج (تبل) ۱۳
تاج کمپنی لاہور ۱۰۸ف
تاج (محل) ۳۴
تاخیر و تقدیم ۲۶۳
تاریخ ۲- ۳۴- ۸۰- ۲۱۱- ۲۸۵
، اسلام کی ثقافتی ۲۴۹
، اسلامی ۲۵۱
اقوام کشمیر ۵۱
القرآن ۱۸۷
، تنقیدی ۴۹
حریت اسلام (کتاب) ۶۹- ۶۹ف
، فرنگستانی ۲۵
مسئلہ، خودی کی ۲۱۷
، مشرق کی ثقافتی ۲۴۹
ہند" ۲۴
، ہندوستانی ۲۰

تبدیل مذہب ۲۸۱
تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ ۱۹۹
تجلی ذاتی ۱۷۹
تحریک
، آزادی کشمیر کی ۹۶ف
خلافت ۲۰۷
، قرمطی ۱۷۹
تحقیق الحق فی الوجود المطلق ۲۷۳
تحقیق لسان ۷۶
تحقیقات ۲۰۳
تخلص کا دستور، عربوں میں ۱۵۳
تخلیق مسلسل ۲۶۶
تذکرہ شعرائے کشمیر ۵۱
تذکرہ صوفیائے لاہور = یاد رفتگاں
تراجم ۱۵۶
ترجمہ ۲- ۷۳- ۷۵- ۸۲- ۹۰- ۹۶- ۱۱۶- ۱۴۵ف- ۱۵۶- ۱۸۷- ۱۸۸- ۱۹۴- ۱۹۵- ۲۰۱- ۲۲۴- ۲۴۷- ۲۵۴- ۲۵۵
ترغیب، رسالہ ۲۳۶
ترک ۴۱
ترکی
، سلطنت ۴۲- ۴۳
میں انقلاب ۲۷
تسلسل ۲۶۳
تشبیہ، شاہین کی ۲۱۹

تشکیل انسانیت (کتاب) ۲۵۲
تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ۲۲۷
"تشکیل جدید" کا چھٹا خطبہ ۲۸۵
تشنہ (تخلص) ۸۳
تصور کونی ۲۴۹، ۲۵۱
تصوف ۳۵- ۳۶- ۶۰ف- ۱۴۳- ۱۸۱- ۱۸۶ف- ۲۱۷- ۲۶۸- ۲۶۹- ۲۹۴
اسلامیہ کی تاریخ ۱۸۱
کی تاریخ ۱۴۳
تعلیم ۲۱۷
، ادبیات کی ۲۲
، انگریزی ۸۶
، صنعتی حرفتی تجارتی ۲۹۹
کی اشاعت ۲۸
، مذہبی ۴۱- ۸۴
، مسلمان طلباء کی دینی اور دنیوی ۳۰۰
، یورپ میں ۴۱
تعلیمی اغراض، مسلمانوں کے ۲۹۸
تعلیمی کمی، مسلمانوں کی ۲۹۸
تعلیمی مسائل، مسلمانوں کے ۲۹۵
تغیر و تبدل ۲۶۳
تفاعل کا تصور ۲۵۳- ۲۵۴
تفسیر قرآن ۲۰ف
تفسیر، مسئلہ فنا کی ۲۱۸
تقسیم و تکسیر ۲۶۳
تمکین کاظمی ۱۵۵
تنخواہ (لفظ) ۱۲
تنفس ۱۲۸- ۱۲۹- ۱۳۳- ۱۳۴- ۱۳۴
تنہائی (نظم) ۱۱۶ف
توحید ۲۶۹
توسیعی لیکچر، جامعہ ملیہ میں ۲۱۰
تھیوسوفیکل اسکول کانپور ۱۴۳ف
تیل کا اشتہار ۱۳

(ٹ)

ٹاکرس گارڈن ہوراس ۲۳۲
ٹربیون ۲۱۳
ٹرینڈ اساتذہ ۲۹۹
ٹریننگ کالج ۲۹۹
ٹریننگ کالج لاہور ۲۳
ٹکسٹ بک کمپنی ۲۸۴
ٹیک چند = بہار
ٹیک چند، دیوان ۷۶
ٹیپو، سلطان ۲۲۸

(ث)

ثاقب کانپوری ۵
ثقافت
اسلامیہ ۲۴۹ تا ۲۵۱- ۲۶۶
، قرون وسطیٰ کی ۲۵۰
، مغرب کی ۲۵۳
ثقافتیں ۲۵۵
، ایشیا کی ۲۵۱
، عہد عتیق کی ۲۵۱

(ج)

جارج ، لائڈ ۴۳
جالندھر ۱۷- ۱۰۲ف
جامع اللغات ۲۴۲
جامع مسجد دھلی ۱۰۷- ۱۹۶
جامعہ عثمانیہ ۱۱۸- ۱۳۳
جامعہ ملیہ دھلی ۲۱۰
جاوید ۹۹- ۱۰۰- ۱۰۱- ۱۲۱- ۱۲۲- ۱۲۵- ۱۳۲- ۱۳۷- ۱۳۹- ۲۰۵- ۲۰۶
جاوید نامہ ۵۷ف- ۲۰۶- ۲۴۶
"جدید اردو نصاب" ۲۱
جدید ریاضیات ۲۵۵
جدید طریق تحقیق ۲۵۲
جراح ۱۳
جرمن زبان ۲۰۱
جرمنی ۲۷- ۸۱- ۸۲- ۱۰۱- ۱۹۵
، علمائے ۱۸۷
جسم ۲۶۰- ۲۶۵
جگراؤں ۲۰۷
جلال اسیر ۱۱۵
جلال الدین ، مرزا ۲۹۸- ۳۰۰
جماعت علی شاہ ، حافظ ۶۰- ۶۰ف
جموں ۵۳- ۹۷- ۱۰۹- ۱۶۳
سینٹرل جیل ۹۸ف
جمیعت اقوام ۲۱۹
جناح لیگ ۲۷۰
جنگ ۲۱۸- ۲۱۹
جنگ عظیم ، پہلی ۴۲- ۴۴
جنید ، حضرت ۲۷۰- ۲۷۱- ۲۸۷

"جواب اقبال" (نظم) ۱۰
جوشاندہ ۱۲۸
جوع الارض ۲۱۸- ۲۱۹
جوہر ، محمد علی ۱۴۵- ۱۴۵ف
جہاد ۲۱۹- ۲۷۹
جہاں آرا بیگم ۱۴۶
جہلم ، دریائے ۹۵ف
جھنگ ۲۹۸

(چ)

"چاند" (نظم) ۳۰۹
چک جھمرہ لائلپور ۱۰۹
چنگیز ۲۲۱- ۲۲۲
چودہ اصول ۴۴
چھان بین ، مشرق کی ثقافتی تاریخ کی ۲۴۹
چھنڈوارہ ۱۴۵ف

(ح)

حاجی خلیفہ ۲۵۶- ۲۵۷ف
حافظ ، خواجہ ۲۰۲
حالات ، اہل اللہ کے ۵۲
حالی ۱۸- ۸۵- ۱۹۱- ۲۳۳- ۲۳۵- ۲۳۷
پبلشنگ ہاؤس دھلی ۱۶
حب تقویت صلب ۱۲۳- ۱۳۰
حبشہ ۲۱۸
حبیب اللہ ، سردار ۹۲
حبیبیہ ہال ۲۸۵
حج ۲۷۹
حجاج ۲۲۱

حجاز ۲
''حرف اقبال'' (کتاب) ۹۰ف
حرکت ۲۶۲
''حریت اسلام'' (کتاب) ۵۱- ۶۹-
۷۰ف
''حریت'' کراچی ، روزنامہ ۲۱۴
حسرت موہانی ۶۸
حسن اختر ، راجہ ۴۵
حسن‌الدین ، میر ۲۰۱
حسن بصری ، خواجہ ۲۷۲
حسن نظامی ، خواجہ ۳- ۶۲- ۱۳۰
۱۳۳- ۱۷۷ تا ۱۸۰-
۱۸۲ تا ۱۸۳- ۱۸۴-
۱۸۶- ۱۸۶ف- ۲۸۳
حسین (لفظ) ۱۲
حسین احمد مدنی ، مولانا
۱۶۶- ۱۶۸
حسین بن منصور ۲۷۴
حشو ۱۱۱
حضور ۴۹
سرور کائنات ۱۵۰
رسالت ماب ۲۱۶
حفیظ (جالندھری) ۲۹- ۳۰
حقوق سیاسی ۲۶- ۲۷- ۳۰
حقیقت مطلقہ ۲۶۵
حکایت شیخ و برھمن ، ''اسرار
خودی'' کی ۳۰۷
حکیم صاحب ، اے- ڈی ۱۶۱
حکیم نابینا ۱۱۸- ۱۲۰
حیدر آباد دکن ۱۴- ۳۱- ۳۲- ۶۳-
۱۱۸- ۱۱۹- ۱۲۰-
۱۳۳- ۱۳۹- ۱۵۵-
۱۵۷- ۲۲۸- ۲۳۸-
۳۱۱
حیدری = اکبر حیدری، سر

(خ)

خاقانی ۲۸۸
''خانہ داری کا پہلا حصہ'' یعنی
میاں بیوی کی تعلیم (کتاب) ۳
خدا ۲۶۵
خدا کی معرفت ۲۶۵
خرابئی جگر ۱۳۹
'خردہ' ۱۷۱- ۱۷۱ف
خط و کتابت ، مشاہیر سے ۱۱
خطوط
، شعراء کے ۱۱
، لٹریری اور پرائویٹ ۱۱
''خطیب'' (رسالہ) ۱۷۷- ۱۸۴-
۱۸۶ف
''خلافت اسلامیہ'' (مضمون) ۳۷ف
خلافت
، رضاکاران ۲۰۸ف
، روز نامہ ۲۰۸ف
ہاؤس ۲۰۷
خلیفۃالمسلمین ۳۴
خمیرہ گاؤزبان عنبری ۱۲۹
خواب ۲۱۶- ۲۱۶ف
خواجہ بانو ۵
خوبیاں ، کامیاب اشعار کی ۳۸

خودی ۱۱۱-۲۱۷-۲۱۸-۲۲۰-۲۲۱
، اقوام کی ۲۱۹
، فلسفہ، ۱۹۸
خورشید احمد ، میر ۱۴۷-۱۵۴

(د)

دارا شکوہ ۶۲ف
"دارالسرور" ۲۳۶
داغ ۳۶-۸۳-۲۳۷
دانت کا درد ۱۷۴-۲۰۳
دانتے ۱۰۳-۲۵۰
"دانش" طہران ، مجلہ ۲۸۸
دانش گاہ پنجاب ۲۸۸
"دبستان المذاہب" ۶۲ف
در ۱۵۲-۱۵۳
درثمین ۱۵۱
دریکتا ۱۵۱-۱۵۲
درد (خواجہ میر) ۳۸-۳۹
درد
گردہ ۱۲۱-۱۵۷
، پیٹھ کا ۱۲۳-۱۲۴-۱۳۶-۱۳۹
دستور کا خاکہ ، حکومت ھند
کے جدید ۱۰۷ف
"دعا" ۲۷۴-۲۷۵
دل محمد ، خواجہ ۲۹۷
دلی پرنٹنگ پریس دھلی ۴
دمڑی والا سبق ۴
دمہ ۱۲۹-۱۳۴-۱۳۵
دواءالمسک ۱۲۹
دوام ۲۶۳
دنیا ، اسلامی ۴۳
دوزخ ۷۴
دوعتبہ ۲۲۱
دھر ۲۵۵
اور عصر کا فرق ۳۴
دھریہ ۲۵۵
دھلی ۱۳-۸۳-۸۷-۹۹ف-۹۹-
۱۰۰-۱۴۹-۱۵۷-۲۰۷-۲۱۰-
۲۹۲-۲۹۴
دیال سنگھ کالج ۱۸۹
دیکارٹ ۲۵۲
دین محمد ۹۲-۹۳
، جسٹس شیخ ۳۰۵
دینا نگر ، پوسٹ ماسٹر ۱۹۶
دیو بند ۲۵۶ف-۲۵۷ف

(ڈ)

ڈار ، غلام محمد ۵۶
ڈیوائن کامیڈی اور اسلام ۱۰۳
ڈھاکہ ، نواب ۵۶
ڈیرہ غازی خان ۲۰۴-۲۲۲
ڈیڈیکیشن ۱۴۲
ڈی لٹ ۱۳۳

(ذ)

ذات باری تعالیٰ ۲۵۸
ذات واحد ۲۷۲
ذاکر حسین ، ڈاکٹر ۲۳۳
ذبیحہ گاؤ ۲۸۱
"ذخیرۃالملوک" ۵۷-۵۷ف

ذخیرہ پریس حیدر آباد ۱۴
ذریعہ، تعلیم ۲۹۶
ذکاءالدین ، خاں ۱۰۲-۱۰۲ ف
ذوالفقار علی ، نواب سر ۷۳
ذولنون مصری ، حضرت
۲۶۸- ۲۶۹
ذوق ، ادبی ۲۲
ذی علم رئیس ، ستبیا پور کے ۱۱

(ر)

"رات اور شاعر" نظم ۳۱۲
"راج ترنگی" ۷۲
رازی ۳۰۲
راس مسعود ، سر ۲۰۵-۲۲۸
راغب مراد آبادی ، حکیم ۲۲۳
رام پرشاد ، لالہ ۲۴
راولپنڈی ۱۴۷-۱۶۰
رائج ، شیخ محمد علی ۷۳
رب ارنی ۲۸۶
رب نواز خان ، سردار ۲۰۴
رباعی ۱۷۶-۲۲۲-۲۲۳
رجب علی ، سید ۲۰۷
رجحانات ، ارسطا طالیسی ۲۶۶
رحمان راہ ۱۶۲۵-۱۶۲-۱۶۳ف-۱۶۳-۱۶۴
رحیم بخش
، سر ۹۲
، سیشن جج ۲۱۱-۲۱۲
رسول ۸
رسول اللہ ۲۷۱
رشید احمد صدیقی ۲۰۲
رضائے الہی ۲۱۸
رمضان ۲۴۸
"رموز بے خودی" ۱۰۳
روایت و درایت استقراء ۴۹
روزہ ۲۷۹
روح ۲۶۰-۲۶۲-۲۶۵
انسانی ۲۱۷-۲۶۲
کل ۶۶۵
روح الذہب ۱۲۳-۱۳۱-۳۰۸-۳۰۹
جدید ۱۲۳-۱۳۰
قدیم ۱۳۰
روحانیت و مادیت ۳۱-۲۱۷
روف، بے ، غازی ۲۱۰
روم ۲۵۸
رومی ۲۳۷
رہبانیت ۲۶۹-۲۷۰
رہبر ، داؤد ۲۴۷
"رہبر دکن" ۱۱۹
"رہنمائے کشمیر" رسالہ ۵۱-۶۵
"ریاض الاخبار" ۶۷
ریاض ، حضرت ۶۷
ریاضی ۱۸۹-۲۴۷-۲۵۷-۲۵۸
، علوم ۲۴۹
ریاضیات ۲۵۳-۲۵۵-۲۶۷
ریاضیاتی فکر ، اسلام میں ۲۵۸
ریح ۱۲۹-۱۳۵
ریمانا ۲۵۸

(ز)

زاویہ قائمہ ۲۶۴

زبان اردو ۱۹۳
فارسی ۲۹۷
''زبور جدید'' ۲۸۵
''زبور عجم'' ۱۰۷- ۲۸۰- ۲۸۸-
۲۸۹- ۲۹۰
زکوۃ و صدقات ۲۷۹
زمام (لفظ) ۱۱۱- ۱۱۳
زمان ۲۶۱- ۲۶۲- ۲۶۳- ۲۶۵
الہی ۲۶۳- ۲۶۶
مسلسل ۲۶۶
- مکان ۲۶۶
و مکان ۳۳- ۲۴۸-۲۶۶-۲۶۹-
'' ، تصورات ۲۵۶- ۲۵۸
''زمانہ'' کانپور ۲۵- ۲۸۳
''زمیندار'' اخبار ۷۳- ۸۸- ۸۹-
۹۳ف-۱۵۴-۱۹۶-
۱۹۸- ۲۱۴
زمیندار ، پنجاب کے ۹۰
زین العابدین ، بادشاہ ۲۷ف

(س)

ساحر دھلوی ، پنڈت امرناتھ مدن
۲۹۴
سارٹن ۲۲۴
ساقی نامہ ۲۷ف-۱۵۱- ۱۵۱ف
سالک ۲۶۸- ۲۷۲
سالک
لاھوری ۲۸۶
، عبدالمجید ۸۸- ۹۴- ۹۷-
۱۰۲-۱۰۷-ف۲۸۶
، علم الدین ۲۱۱
یزدی ۲۸۶
سائل دھلوی ۱۵۰
سائمن کمیشن ۹۲ف- ۲۸۰
سائنس ۲۵۲- ۲۶۶- ۲۶۷
، جدید ۲۴۹
سائنسی شعبہ جات ۲۵۵
سپاس نامہ ۲۲۷- ۲۲۹
سپرو (ذات) ۲۶- ۷۷- ۷۹
''ستارہ صبح'' لاھور ۱۸۲-۱۸۳-
۱۸۵
سجاد مرزا ۱۴
سدا نند ۲۰۸ف
سراپا مبارک ۱۴
سراج الدین ، قاضی ۲۹۷
سراج دین ، منشی ۱۵۹
سر کائنات ۲۵۸
''سرگذشت الفاظ'' ۶۳ف- ۲۰۳
سرمایہ ۲۹
سرمہ ۱۲۵- ۱۲۷- ۱۳۲- ۱۳۳
سرور ۲۳۸
سرور شاہ گیلانی ، سید ۲۴۲
سرور قادری ۱۸
سری نگر ۹ف- ۹۷- ۱۵۹
سعدی ۲۵- ۱۵۱
سعیدالدین جعفری ، سید محمد ۲۸۵
سعید نفیسی ۲۵- ۱۵۱
سکاچ مشن کالج سیالکوٹ ۸۰
سکھوں کی حکومت ۷۰
سلاسل تصوف ۱۸۱- ۲۷۲

سلسلہ ادبیہ ۲۱- ۲۳
عالیہ قادریہ ۱۸۱
سلطنتیں ، عیسائی دشمن ۴۳
، مسمان ۴۳
سلیم ، ابوالمکارم محمد عبدالسلام ۱۵
سلیم اللہ ، نواب خواجہ محمد ۵۶
سیلمان پھلواروی ، شاہ ۱۷۷- ۱۸۲- ۱۸۴
سنت ۹۳
سند ، محاورات فارسی کی ۴۷
سنسکرت ۸۲- ۳۰۰
سود ۱۰۶- ۲۴۵
، بنک سے ۲۴۵
سوداوی جراثیم ، خون میں ۱۲۱
سودیشی تحریک ۲۵- ۲۶- ۲۸- ۳۰
سوراج ۴۱
"سوراجیہ" اخبار ۴۱
سورہ دھر ۳۴
سورہ عصر ۳۴
"سوزو گداز" = وجدانی نشتر
سوسائٹی ۲۴۵
"سوشیالوجیکل ریویو" ۲۷
"سول اینڈ ملٹری نیوز" ایڈیٹر ۶۸
"سول ملٹری گزٹ" ۲۱۴
سیاسیات ۴۲
سیاست ، فرنگی ۱۶۷- ۱۶۸
سیاست مدن ۸۰- ۸۱
"سیاست" لاھور ، روزنامہ ۹۳ف
سیاسی مسائل ، ھندو مسلم ۲۸۲
سیالکوٹ ۵۱- ۵۳ ۷۳- ۷۹- ۸۳- ۲۹۳
سیتاپور ۱۱
سید حبیب ۹۳- ۹۳ف

(ش)

"شاد اقبال" ۶۴
شاد ، کشن پرشاد ۱۸- ۲۲۸- ۳۰۷ ۳۰۸
شاطر مدراسی ، محمد عبدالرحمن ۱۷
شاعر ۳۶- ۳۷
شاعری
، اردو ۳۵
، عربی اور عجمی ۳۴- ۳۵
شاکر صدیقی ۱۰۹- ۱۱۴ف- ۱۱۵ف ۱۱۶ف
شاہ پور ۷۷
شاہ جہاں ۴۷- ۱۵۷
شاہ دین ، میاں محمد ۲۹۶- ۳۰۰
"شاہ نامہ اسلام" ۴۰
شاہ ھمدان ۵۷ف
شاھین (کی تمثیل) ۲۱۹- ۲۲۱
"شباب کشمیر" ۵۱- ۷۲
شبلی ۱۷- ۷۰- ۸۵- ۲۳۷
شجاع الدین ، خلیفہ ۹۵- ۹۵ف
شرائط ، سیاسی آزادی کی ۲۶
شرح دیوان حافظ ، اردو ۳۱۴
شریعت ۲۱۸- ۲۱۹- ۲۶۸- ۲۷۱- ۲۷۴- ۲۷۶

شعر
، خواجه عزیز کا ۸
، عربی ۱۰۴
کا مطلب (اقبال کے الفاظ) ۳۳
، کامیاب ۳۶
، ملحدانه ۶۲
، هندی شاعر کا ۸
"شعرالعجم" ۷۰
شعرائے
عرب ۱۹۳
متاخرین ۷
شعائر اسلام ۲۷۸- ۲۷۹
شعیب قریشی ۹۷- ۹۷ف- ۱۰۷ف
شفاعت الله خان، منیجر ۱۹۸
"شفاء العلیل فی مسائل القضاو القدر والحکمة والتحلیل" ۹۰ف
شفیع لیگ ۲۸۰
شکوک، فلسفیانه ۱۸۹
"شکوه" ۳۱۱
"شمع هستی" نظم ۳۰۱
شمله ۸۵- ۹۷- ۱۰۷- ۱۴۸- ۱۵۲- ۱۵۷
شوارڈس شلٹ، پروفیسر ۲۵۹
شوق سندیلوی، عبدالعلی ۹
شوق، مولوی عبدالروف ۱۴
شوکت تهانوی ۲۴۶
شوکت علی، مولانا ۲۰۸- ۲۰۸ف ۲۰۹- ۲۰۹ف ۲۹۵
شونرائن، پنڈت ۷۲
شهاب الدین سهروردی شهید ۲۵۲
"شهادت الفرقان علی جمع القران" ۱۸۷
شهرت، نثار علی ۲۹۷
شیخ اکبر = ابن عربی
شیخ زادگان امروهه ۲۲۵
شبیر شاه ۹
شیعه ۱۴۸

(ص)

صائب (تبریزی) ۱۱۵
صحابه ۲۷۲- ۲۷۳
صحافت ۱۹۲
صدر اعظم ۱۳۳
صدی ایڈیشن، مسدس حالی کا ۱۶
صدیقی، پروفیسر ۹۶ف
صفر مطلق ۲۶۱
صلح کانفرنس، پیرس کی ۴۳
صناعی ۲۰۱
صنعت و حرفت ۲۳
صور اسرافیل ۲۰۵
"صوفی" منڈی بهاوالدین، رساله ۶۶- ۲۴۷
صوفیا ۲۷۱
صوفیائے اسلام ۴۸- ۲۱۸- ۲۶۸
صوفیه ۳۱۴
وجودیه ۲۷۵ تا ۲۷۷
، هندی اور ایرانی ۲۱۸
"صهبائے راز" (مثنوی) ۱۹۹

(ض)

ضابطہ ادراج ۲۵۴
ضامن نقوی ۱۹۹
"ضرب کلیم" ۹۴ف- ۱۱۹- ۱۹۹
ضیاءالدین احمد، ڈاکٹر ۲۵۴
ضیاءالدین برنی ۱۴۰- ۱۴۱ف تا ۱۴۵ف

(ط)

طالب ۲۳۸
طالب آملی ۱۱۵
طاہر دین، منشی ۱۰۱
طالوت ۱۶۶- ۱۶۹
طبا طبائی، مولوی ۱۳
طبیہ کالج ۲۹۲
طبیعیات ۲۲- ۲۴۷- ۲۵۶- ۲۶۷
"طربیہ خداوندی" (کتاب) ۲۵۰
طریقت ۲۱۸
، رسالہ ۵۱- ۶۰ف-۶۲ف- ۶۶
طلبا ۲۲- ۲۳
"طلوع اسلام" ۵۴- ۹۴ف- ۱۱۹
طور، شیخ غلام محمد ۳
طوسی ۲۰۱- ۲۵۸- ۲۶۴
طہران ۲۸۸

(ظ)

ظاہر ۲۷۶
ظفر احمد صدیقی ۲۱۷
ظفر علی ۲۹۷
ظفر علی خان، مولانا ۶۳- ۹۳- ۱۸۰- ۱۸۶ ۳۱۰ تا ۳۱۲
ظفریاب خاں ۳۱۱
ظفریاب علی، حکیم ۲۹۲
ظہوری ۸

(ع)

عالم ثابت ۲۶۵
عالمگیر ۴۷
عائشہ بیگم ۲۹۵
عباس سیٹھ ۲۲۷
عباسی عہد ۱۹۳
عبدالحق، مولوی ۲۲۴
عبدالحکیم، خلیفہ ۲۱۳
عبدالحمید حسن، سیٹھ ۲۳۳
عبدالحمید خاں، سلطان ۴۷
عبدالحمید، شیخ ۲۳
عبدالرحیم، خواجہ ۲۴۵
عبدالرزاق ۳۱- ۳۲
عبدالرشید، میاں ۱۸۹
عبدالسلام، مولوی ۱۴۹
عبدالصمد ککرو، خواجہ ۳۰۰
عبدالعزیز ۹۸ف
عبدالعزیز خاں، منشی ۱۹
عبدالعزیز، شاہ ۲۴۵
عبدالعزیز، شیخ ۸۹
عبدالغنی ۲۹۹
عبدالغنی، سید ۱۹۶
عبدالقادر، شیخ ۵۳- ۶۸- ۲۹۷

عبدالقادر ، سید ۹۳- ۹۴ف
عبدالقادر ، مولوی ۸۹
عبدالکریم ، مولوی ۱۴۸
عبداللہ چغتائی ، ڈاکٹر ۲۲۸-۳۱۳
عبداللہ غزنوی ، مولوی ۱۷-۱۷ف
عبداللہ ھارون ، سیٹھ ۹۹ف
عبدالماجد دریا بادی ۱۴۴-۱۴۵ف
عبدالمجید پرویں رقم ۱۷۱ف- ۱۷۲
عبدالمجید ، خواجہ ۲۴۲
عبدالواحد معینی ، سید ۱۹۰
عبدالوحید ، خواجہ ۲۱۰
عبدالوھاب انصاری ، حکیم = حکیم نابینا
عبرانی ۲۸۴
عبیداللہ سندھی ، مولانا ۹۳ف
عبید زاکانی ۲۵
عتیق اللہ ، شیخ ۱۸۷- ۱۸۸
عثمانیہ
، سلطنت ۴۳
یونیورسٹی ۱۳۳- ۲۱۳- ۲۳۸
عجمی ۱۵۴
عجمیت ۱۹۲- ۱۹۳
عدد کا تصور ۲۵۲- ۲۵۳
عدم تعینت ، عدد کی ۲۵۳
عدم محض ۱۷۹
عراقی ۲۵۵- ۲۵۶- ۲۵۶ف- ۲۵۷- ۲۵۷ف- ۲۵۸- ۲۶۲ تا ۲۶۶
عرب ۱۳- ۳۴- ۸۳- ۱۰۸ف- ۱۵۴- ۱۹۲- ۲۰۸ف- ۲۵۲- ۲۵۳
عربی ۸۲- ۲۶۷- ۳۰۰
دانی ۲۶۶
کے علماء ۲۵۱- ۲۶۶
کے فضلاء ۲۵۲
عرض ۲۶۲
عرفی ۱۱۵
عروض ۱۱۵
عزیزالدین لکھنوی ، خواجہ ۵ تا ۷
عزیزی پریس ۱۹
عشرت حسین ، سید ۱۹۶
عشرت رحمانی ۱۷۵
عشق پیچہ (شاعر) ۳۷
عشق نبوی ۱۴
عطاءاللہ ، شیخ ۱۸۷
عطا محمد ، خان بہادر ڈاکٹر شیخ ۳۱۳
عطر چند کپور انارکلی لاھور ۲۵
عطیہ بیگم ۱۰۲- ۲۹۵
عقائد اسلامیہ ۱۸۱
عقل ۴۷
اور وحی ۴۷
علم ۴۸
"علم" (نظم) ۳۰۴
علم استقرائی ۴۸
علم اقلیدس ۲۵۸
"علم الاقتصاد" (کتاب) ۸۱
علم المثلث ۲۵۴
النفس ۱۸۱
"علم اور مذھبی مشاھدات" (لیکچر) ۲۱۷

علم باطن ٢٧٠ تا ٢٧٣
تصوف وجودی ٢٧٣
حساب ٢٥٣
حصول ٢٦٩
حضوری ٢٦٩
ظاہر ٢٦٨- ٢٦٩
کیمیا ٢٦٩
معارف ٢٦٩
ہندسہ ٢٥٣
علم و ادب ، سنسکرت کا ٢٣
، مسمانوں کا ٢٣
علم و معرفت ٢٧٠- ٢٧١
علوم اسلامی ٢٣٧
، تاریخی ٢٥٢
رسالت ٢٠٢- ٢٧٣- ٢٠٧
، مسلمانوں کے ٢٠٩
علوم ، مشرقی ٢٣٧
علوم ، مشرقیہ ٢٥٦
علی بخش ٩٨- ١٠١- ٢٠٦
علی حزین ، شیخ ١٨١
علی گڑھ ٢٥٣- ٢٨٣
مسلم یونیورسٹی ٢٢٨
"علی گڑھ منتھلی" (رسالہ) ٦٨
علی مرتضیٰ ١٣٨- ٢٧٢
علی ہمدانی ، امیر کبیر سید ٥٧ف
عمادالدین ، خلیفہ ٢٩٩- ٣٠٠
عمر بخش ، شیخ ٢٩٩
عناب ١٢٨
عیسائی ٢٧٠

(غ)

غالب ٣٨- ٨٣- ٢٣٧
"غایتہ الامکان فی درایتہ المکان" (کتاب) ٢٥٥
"غایتہ المکان فی معرفتہ الزمان و المکان" (کتاب) ٢٥٧ف
غدر (دہلی) ٢٣٦- ٢٨٣
غرناطہ ١٠٣
غزل ٧- ٩- ١٠- ١٣٣- ١٣٩
بغرض اصلاح ١١٦ف
غزالی ٢٠١- ٢٣٧- ٢٥٢
غزالی مشہدی ١١٥
غلام احمد قادیانی ، مرزا ١٣٣ف
غلام الحسنین ، خواجہ ٢
غلام مرشد مولانا ٩٣- ٩٣ف
غلام محمد خان ، شہزادہ ١٢٢
غلام محی الدین ، شیخ ٢٩٨
غلام محی الدین قصوری ، مولوی ١٠٨ف
غلام یسین ٩٢
غلام یسین ، شیخ ٢٩٨
غلامی ٣٦- ٢١٧
غوث الثقلین ، حضرت ٢٠٠
غیر مسلم اقوام ٢٩٨

(ف)

فارسی ٨٢- ١١٣- ٣١٣
ادب ، ہندوستان میں ١٦- ١٥١
ادبیات ٧
، جدید ٢٥

شاعر ۶
شعر کی تاریخ، کشمیر میں ۷۱
، قدیم ۲۸۴
کے شعراء ۵۰- ۱۸۱
، محاورات ۴۷- ۱۱۳
فارسیت ۱۰
فاصله ۲۶۲
فانی (بدایونی) ۳۹
فانی، محمد عبدالقوی ۱۵
"فتح الباری" ۲۷۴
"فتح قسطنطنیه" (کتاب) ۲۴۲
فتح محمد خاں جالندھری، مولوی ۲۸۳- ۲۸۴- ۲۹۳
"فتوحات مکیه" ۱۷۸- ۱۷۹
"فتوح الغیب" ۲۷۰
فرخی ۱۰۲
فرقه باطنیه ۲۷۶
فرقه بندی ۱۰۸
فرقه وارانه فسادات ۲۸۱
فیصله ۱۰۰ف
"فری پریس جرنل" ۲۰۸ف
فرید احمد ۲۲۵
فسادات، بمبئی کے ۲۰۹- ۲۷۴
، کشمیر میں ۲۱۱
"فصوص الحکم" ۱۷۸- ۱۷۹
فضل حسین، میاں ۳۲- ۳۰۰
"فغ" (لفظ) ۲۸۴
فقر، اسلامی ۲۱۹
فقہی علوم ۲۶۹
مسائل ۸۹- ۹۴ف

فکر زنده ۲۶۶
فلسطین ۸۸- ۱۰۸ف
فلسفه ۸۰- ۸۱- ۸۷- ۲۴۴- ۲۴۷- ۲۵۱
ایران ۸۱
زده سید زادے کے نام" ۱۹۹
عجم ۲۰۱
فلسفه و حکمت ۳۴
فلم سازی ۲۹۵
فن ۲۰۱
تعبیر ۲۱۶
تعمیر ۲۴۹
جراحی ۱۳
شاعری ۱۹۳
فنا ۲۱۸
فنون لطیفه ۲۴۹
فوق الدوام ۲۶۵
فوق المکان ۲۶۵
فوق، محمد دین ۴۱- ۵۰- ۵۱- ۵۳- ۵۵- ۵۶- ۵۹ تا ۶۱- ۶۲ف- ۶۳- ۶۵ تا ۶۷- ۶۹ تا ۷۱- ۷۳ تا ۷۵- ۷۸- ۲۷۸
فہرست کتب، حالی پبلشنگ ہاؤس کی ۱۶
فیروز الدین، خواجه ۲۰۳
فیروز خاں (نون)، ملک ۱۰۸
فیوض الرحمن، مولوی ۲۴۸

(ق)

قادیانی تحریک ۴۵

قانون ٢٧- ٨١
الٰہی ٢١٨- ٢١٩
مسعودی" ٢٥٤
قانی ٧- ١٥١
قائداعظم ١٠٦ف
قاہرہ ١٥٤
قرآن ٣٣- ٣٤- ٤٣- ٩٨ف- ١١٧-
١٨٤- ١٨٨- ١٩٨- ٢١٧-
٢١٩- ٢٥٩- ٢٦٣- ٢٦٩-
٢٧٧- ٢٨٢
آسان قاعدہ" (کتاب) ٢٨٣
تعلیم ١٠٨
قرب ٢٦٠
قربانی ٢٧٨
قرشی، حکیم ١٢٨- ١٢٩
قرطاس ابیض ١٠٧ف
قرطبہ ١٠٣
کی مسجد ٣٤
قرمطی ١٧٩
قسطنطنیہ ٤٤
قصائد
، خواجہ عزیز کے ٧
، عربی ١٥
، فارسی ١٥- ١٦
قصور ٨٩- ٢٩٨
قصیدہ ١٧
بردہ ١٥٣- ١٥٤
قلب کی کمزوری ١٣٥- ١٣٦
"قلزم ہستی" (نظم) ١٩١
قمرالدین، منشی ٦٣- ٦٣ف- ٦٥

"قواعد اردو" (کتاب)
٢٩٢- ٢٩٣
قوت نفس ٢١٧
قوم
افغان کی اصلیت ٢٨٤
، ایشیائی ٤١
قومیت ٢٠- ٢١- ٣٠- ١٦٨
، متحدہ ١٦٩
، ملکی ١٧٦
، نظریہ ١٦٦- ١٧٠
قومیں ١٦٧- ١٧٠
قیس ١٩- ٤٤

(ک)

کابل ٨٨-
کاسمو پولٹین فلم کمپنی ٢٩٥
"کامریڈ" (اخبار) ٣
کانپور ٣٤ف
کانٹ ٢٦٤
کانٹے وردی (اطالوی جہاز)
١٠١- ١٠٢
کانگریس ٨٩ف- ٩٢ف- ٢٠٨ف-
٢٢٣
کانگڑہ ٨٠
کائنات ٢٦٥
، نمو پزیر ٢٦٦
کتاب خانہ، طلوع اسلام ١١٩
"کتاب الطواسین" ٢٧٠
"کتاب المیثاق" ٢٧١
کتابیں، درسی ٢١- ٢٢- ٢٤- ٢٥
کتب خانہ ١١- ٢٠٧

کچنر، لارڈ ۵۶
کراچی ۲۲۳
کرم الہی صوفی، مولوی ۱۹
کریم بخش، سیٹھ ۱۵۹ تا ۱۶۱
کریمر، فان ۱۸۷
کریمی پریس ۱۷۱
کشامرہ ۶۵- ۱۵۲- ۱۸۲
کشتہ، طلاء ۱۲۲
یاقوت ۱۲۲
"کشف الظنون" ۲۵۷ف
کشمیر ۵۱- ۶۰- ۶۵- ۷۰ تا ۷۲- ۷۵
۷۷- ۹۷- ۹۶ف- ۹۸ف- ۱۰۷ف-
۱۵۱- ۱۵۹- ۱۶۳- ۱۶۴-
۲۱۱ تا ۲۱۳
آزادی، ۹۶ف
براہمہ، ۷۶
کا دور زریں ۷۲ف
کا لٹریچر ۷۰
کمیٹی ۲۱۱
(کی) تاریخ ۷۲
"کشمیری" (اخبار) ۵۱- ۶۱- ۶۱ف
۲۷۸
کشمیری ۶- ۵۶
پنڈت ۷۹
زبان ۷۶
زمیندار ۵۷- ۵۸
گوت ۵۴- ۷۶
مجلس ۵۹
مسلمان، زراعت پیشہ
۵۶ف- ۵۷- ۵۸
"کشمیری میگزین"، ماھانہ
۵۱- ۵۳- ۵۳ف- ۵۴- ۵۹- ۵۹ف-
۶۰ف- ۷۸
کفر ۴۶- ۱۹۴
"کفر عشق" (کتاب) ۲۹۴
کلام
اصلاح کے لئے ۹
الہی ۸
فوق" ۵۶ف
طور" ۳
کلکتہ ۲۴۲- ۲۸۱
کلمہ، توحید ۲۴۷- ۲۷۳
کل ہند کشمیر مسلم کانفرنس
۹۷ف
"کلیات اقبال" ۳۱- ۳۲
"کلید اخبار بینی" (کتاب)
۱۴۱ف- ۲۴۱ف
کم خوابی ۱۳۳
کوثر ۸
"کوہ نور" ۱۱۶ف
کھانسی ۱۲۶
کیسرا سنگھ، سردار ۱۰۹
کیمبرج یونیورسٹی ۲۶- ۸۱
کیمبل پور ۲۹۷
کیمیا ۲۶۷

(گ)

گاؤ زبان ۱۲۸
گاوس ۲۰۸
گجرات ۳۱۳
گجرانوالہ ۵۶- ۱۱۱ف- ۲۲۲

گرامر ۲۹۳
، اردو ۲۹۳
، انگریزی ۲۹۳
"گلزار عثمانی" (کتاب) ۱۵
گلاب چند کپور اینڈ سنز ۲۰
گلاب سنگھ اینڈ سنز ،
رائے صاحب منشی ۲۴
گلگت ایجنسی ۱۴۷
گنبد خضرا ۲۱۶ف
گوٹنگن یونیورسٹی ۲۵۴
گورکھپور ۶۷
گورنمنٹ
آف انڈیا ۱۶۴
کالج ، لاہور ۲۴
محمڈن کالج مدراس
۲۲۷- ۲۳۲
ہائی اسکول ڈیرہ
غازی خان ، سینئر
انگلش ماسٹر ۲۲۲
گول میز کانفرنس ، تیسری ۱۰۱ف
۱۰۳ف- ۱۰۷ف
، دوسری ۹۸ف
گوئٹے ۱۹۵- ۲۳۷
"گہرستان" (کتاب) ۲۴۶
"گیتا" ۱۹۸

(ل)

لاشے ۲۶۱
لامتناہی ۲۶۴
لاہور ۱۳- ۵۱- ۵۴- ۵۶ف- ۷۴-
۸۳- ۸۴- ۹۱- ۹۶ف- ۹۷-
۱۰۳ف- ۱۰۷ف- ۱۲۰- ۱۲۹-
۱۳۳- ۱۴۰- ۱۴۱ف- ۱۵۷-
۱۵۹- ۱۶۲- ۱۷۱- ۱۷۹- ۱۸۳-
۱۹۰- ۱۹۴- ۱۹۵- ۲۰۰-
۲۰۶- ۲۱۰- ۲۱۱- ۲۱۲-
۲۱۴ تا ۲۱۶- ۲۴۷- ۲۸۹-
۲۹۲- ۲۹۳
، پانی والا تالاب ۲۹
، فلیمنگ روڈ ۱۳
، مسلمانان ۴۳
، موچی دروازہ ۴۲
لاہوری جماعت احمدیہ ۲۱۱
لائبریری ، پنجاب پبلک ۶۶- ۷۲-
۱۹۵
، پنجاب یونیورسٹی ۶۶
لائلپور ۱۰۹
لب نیز ۳۳
لبید ۳۶
"لسان الغیب" (کتاب) ۲۱۴
لسانیات ۲۰۱
لطیف احمد شیروانی ۹۰ف
لفظ
"تنخواہ" کا مفہوم ۱۲
"حسین" ۱۲
، فارسی الاصل ۱۲
، "فغ" ۲۸۴
، "محرم" ۱۲
لکھنؤ ۶۴
یونیورسٹی ۱۵

للت ، مسٹر ۲۰۸- ۲۰۹
لندن ۷۲-۸۱-۸۲-۹۸ف-۱۰۰-۱۰۱ف
لوح و قلم ۸
لورینگ ہوٹل ۲۱۱- ۲۱۲
"لیڈر شپ کی نفسیات" (کتاب) ۱۴۵ف

(م)

مادہ ۲۶۲
مادیت ۴۲
"ماراں غوک خور" (نظم) ۳۰۶
ماضی ، حال ، مستقبل ۲۶۳
مال روڈ ۲۱۱
مالک بن انس ۲۶۹
مالکی ۲۶۹
مالگذاری ۹۰
مالوی ، پنڈت ۲۰۸
مایا ۲۷۲
مبارک علی ، شیخ ۱۷۱
مجلس
احرار ۲۱۱
علمی ڈابھیل سورت ۲۰۷ف
مرکزیہ اقبال لاہور ۲۴۵
"مجلہ عثمانیہ" ۱۱۹
مجدد الف ثانی ، حضرت ۱۷۹-۲۶۸
مجید ملک ۳۴
محاورہ کی درستی ۱۱۱
محرکات ، انسانی فطرت کے ۲۷
محرم آب رواں ۱۲
محروم ، تلوک چند ۲۲۶
محکمہ امور خارجہ ، حکومت ہند کا ۱۴۷
محکمہ، ترقیات کراچی ۲۲۳
محکمہ تعلیم ۲۹۹- ۳۰۰
محمد
ابراهیم ۲۲۲
احسن الہ آبادی ، مولوی ۲۸۴
احمد خان ، حاجی ۱۱
اسمعیل میرٹھی ،مولوی ۲۹۲
اعظم ۲۱۳
افضل فاروقی ، لفٹیننٹ جنرل ۳۱۴
اقبال ، پرفسور دکٹر ۲۸۸
امین شمس آبادی ، ملک ۹۲
بخش ، شیخ ۱۵۹
جمال ، سیٹھ ۲۲۷
حسن قرشی ، حکیم ۳۰۸
حسین، چودھری ۷۳- ۹۸ف- ۱۰۱ف- ۱۰۲- ۱۴۸- ۲۲۸- ۲۴۸
حسین شاہ ، سید ۹۲
دین صوفی ۶۶
دین ، مولوی ۲۹۶- ۲۹۹
رمضان ۲۲۲
سعید ، حافظ سید ۱۰۷
شفیع ، خان بہادر میاں ۲۹۶- ۲۹۸
شفیع ، سر ۲۴۶
صدیق ۲۹۶
عاشق ، جراح ۱۳

عربی ۴۸
عرفان خان ، مولانا ۲۰۷
فایق نظامی نیازی ، سید ۲۷۳
ہادی ، مرزا ۴۰
"محمل" (لفظ) ۱۱
محمود خان شیرانی ، پروفیسر ۲۸۸
محمود ، شیخ ۲۵۶
"مخبر دکن" (اخبار) ۶۳-۶۳ف
مختار ۱۰
"مخزن" رسالہ ۱۷-۱۹-۵۳-۶۸-۸۵-۱۰۹-۱۳۳-۲۲۶
مخمسات ، خواجہ عزیز کے ۷
مدراس ۱۷-۳۰-۸۹ف-۱۵۷-۲۲۷-۲۳۲-۲۳۶-۲۳۷
مسلم ایسوسی ایشن ۲۲۷
مدرسہ تعلیم المعلمین ۱۴
"مدنیت اسلام" (نظم) ۹۴ف
"مدینہ محمد اقبال" ۲۱۵
مذاہب ، دو عظیم سامی ۲۵۵
مذکر ۱۱
مذہب ۳۰-۳۱-۲۵۱
"مرقع رحمت" (نظم) ۱۴
"مرقع" لکھنؤ ، رسالہ ۱۷۳
مرکب افعال ۱۲
مرور (زماں) ۲۶۳
مستشرقین ۲۵۱
مسجد
شہید گنج ۲۰۶
، نیلا گنبد لاہور کی ۲۴۸
(ہفتہ وار اخبار) ۲۳۲
مسدس حالی ۱۰۶
مسلم ۱۹-۲۰
آؤٹ لک (اخبار) ۷۳-۹۴ف-۹۶ف
ایسوسی ایشن مدراس ۱۵۷
طلباء ، مستحق ۲۹۷
لائبریری ۲۲۷-۲۳۶-۲۳۸-۲۳۹
لیگ ۹۵ف-۹۶ف-۱۰۶-۲۸۰
مسلمان ۳۰-۲۰۶-۲۱۷-۲۱۹-۲۲۳-۲۵۰-۲۶۸-۲۷۰
، پنجاب کے ۹۲ف
مسلمانان
پنجاب ۲۹۶ تا ۲۹۹
کشمیر ۲۱۳
ہند ۲۱۳
مسلمانوں کی آبادی ۳۰۰
مسولینی ۲۱۸-۲۲۰
مسینا ۱۹۸
مسیح ۱۴۸
مشاہدہ، حقائق ۲۷۲
"مشاہیر کشمیر" (کتاب) ۶۱-۶۲
مشرق ۳۷ ۲۴۹
"مشرق" ہفتہ وار اخبار ۶۷
مشکوٰۃ ۲۰۳
"مصباح القواعد" (کتاب) ۲۸۳
مصر ۱۵۳-۲۵۷-۲۶۹
مصطفیٰ حسن ، سید ۲۰۷

مصنوعات ۲۸ تا ۳۱
مصوری ۲۴۹
مطبع انسٹیٹوٹ علیگڑھ ۲۸۳
مطبع ستارہ ھند کلکتہ ۲۴۲
مطبع نافع الاسلام مدراس ۱۵
مظفر الدین قریشی ، ڈاکٹر
۱۱۸ تا ۱۲۳-۱۲۵ تا ۱۲۸-
۱۳-۱۳۲ تا ۱۳۵-۱۳۷-
۱۳۸
مظہرالدین ، مولوی ۱۰۶ف
"معارف" رسالہ ۹۳
معاشرت ، انگریزوں کی ۲۷
معاھدے ، بین الاقوامی ۴۴
معراج ۸-۹۴-۲۴۹-۲۵۰
معرفت ۲۷۰-۲۷۱
معروف کرخی ، حضرت ۲۶۸-۲۶۹
"مغربی دیوان" (گوئٹے کا) ۱۹۵
مغل پورہ انجینرنگ کالج ۹۶ف
مغل پورہ کالج انکوائری ۹۶-۹۶ف
مفاھمت ، مسمانوں اور ھندؤں
کی ۴۲
مفتی اعظم فلسطین ۱۰۶-۱۰۸ف
مقامات ، تاریخی ۲۴
مقدار کا یونانی تصور ۲۰۳
مقدمہ ۲۶۴
تاریخ سائنس ۲۲۴
"مقدمۃالقرآن" ۲۰۵-۲۰۶
مقصد ، زندگی کا ۲۹
مکاتب ، دیسی ۳۰۰
مکاشفہ ۴۹
"مکافات عمل" (نظم) ۶۹

مکان
الٰہی ۲۶۲
، خدا کا ۲۶۰
، روشنی کا ۲۶۱-۲۶۲
- زماں ۲۶۵
، غیر مادی موجودات کا ۲۶۰
کا مسئلہ ۲۵۸-۲۶۱-۲۶۴
کا وجود ۲۵۹
کل ۲۶۴
کی قسمیں ۲۶۰
، مادی موجودات کا ۲۶۰
متعدد ۲۶۳
"مکتوبات اقبال" ۱۱۸
مکہ ۱۵۴
ملا شاہ بدخشی ۲۲ف
ملائکہ ۶۲
ملکیت ۲۴۵
مناظر فطرت ۲۳
مناظرہ ۱۳۸ف
منٹو ، لارڈ ۲۴
منصور ۸
حلاج ۲۷۱
حیدرآبادی ، محمد احمد
اللہ خان ۲۲۵
منطق
، اسلامی ۲۵۲
، یوروپی ۲۵۲
، یونانی ۲۵۲
منظور حسین ، کیپٹن ۲۸۶
منورالدین ۲۴۳
"منہاج تحقیق" (کتاب) ۲۵۲

منیرہ ۱۰۱- ۲۰۶
موتمر عالم اسلامی ۸۸
موتی لال نہرو، پنڈت ۱۰۰
موتیہ ۱۲۵
موجودات ۲۶۲
، غیر مادی ۲۶۲- ۲۶۳
موجود فی الخارج ۲۷۲
موچی دروازہ ۹۵ف
موسیٰ ۲۸۶
موسیقی ۲۴۹
موسیقیت، فارسی زبان کی ۷
موضوعہ، متوازی ۲۵۸- ۲۶۳
مونجیے ۲۰۸
مہاسبھائی ۲۰۸ف
مہدی و مسیح ۱۴۳
مہدی یار جنگ، نواب ۱۳۳
مہر، چودھری غلام رسول ۸۸ تا
۹۰- ۹۳ تا ۹۹- ۱۰۱ تا ۱۰۳-
۱۰۶ تا ۱۰۸- ۲۱۰
مہند ۱۱- ۱۲
میاں میر ۶۲ف
میڈرڈ ۱۰۳
میراکدل (پل) ۹۵ف
میر حسن، مولوی ۴۷- ۸۰- ۱۶۲ف
میر منشی وائسرائے ہند ۲۰۷
میسور ۲۲۷- ۲۳۹
ٹاؤن ہال ۲۴۰
یونیورسٹی ۲۲۷
میکڈانلڈ، پروفیسر ۲۴۹
میکش، مرتضیٰ احمد ۲۹۲
میسینان، پروفیسر ۲۷۰
میونک یونیورسٹی ۸۱

(ن)

نادم سیتاپوری ۳۲
نارتھ انڈیا مسلم سٹیٹ ۹۶- ۹۶ف
ناصر خسرو ۲۵
"نالۂ یتیم" (نظم) ۸۵
"نامہ بسوئے اقبال" (قصیدہ) ۱۵
نبوت ۳۵- ۳۶- ۴۷
نبی ۳۸- ۲۷۲ تا ۲۷۴
آخر الزماں ۴۳- ۴۴- ۴۶
کا منکر ۴۶
نثر ۷
نثر کے مضامین ۱۴۶
نجم الغنی رامپوری، مولوی ۲۸۳
"نذر اقبال" ۲۱۷- ۲۲۰
نذر محمد سیالکوٹی ۳
نذر محمد، ماسٹر ۱۱۱- ۱۱۱ف
نذیر نیازی ۴۵- ۱۱۸- ۱۱۹- ۱۳۵-
۲۲۴- ۳۰۸
نسواں، طبقہ ۲۳۵
نسیم ایجنسی دہلی ۳
نسیم (بھرتپوری) ۸۳
نشاط باغ کشمیر ۲۷ف
نصر اللہ خاں، رانا ۲۱۴
نصاب تعلیم ۲۹۷
نصاریٰ ۱۴۸
نصیرو الاعمان آباد ۲۱۳
"نظام" (رسالہ) ۵۱- ۶۶- ۶۹- ۶۹ف

نظام الدین ۵۷ف
نظام الدین اولیاء ۸۷
نظام الدین، خلیفہ ۱۱۸
نظام الدین، میاں ۲۹۸-۳۱۳
نظام حیدر آباد ۱۵-۶۶-۱۲۰-
۱۳۴-۱۳۵
نظامی ۲۵
نظریہ، جوہر، مسلمانوں کا ۲۴۹
نظم ۷
نظیر احمد ہاشمی، سید شاہ غازی
۱۹۴
نظیری نیشاپوری ۱۱۵
نقرس ۱۲۷-۱۴۶-۱۴۸-۱۹۲-۲۰۲
"نقش فرہنگ" ۱۷۵ف
نقطہ ۲۶۵
"نقیب" بدایوں ۱۷۴-۱۷۵
نماز ۲۷۸
نور الحق، مولوی ۹۳-۹۴ف
نور حسین ۲۱۵
"نہایہ" ۲۷۴
نہرو رپورٹ ۸۸
نیاز فتحپوری ۱۰۱
"نیا شوالہ" (نظم) ۸۶
نیٹشے ۲۳۷
نیرنگ، میر غلام بھیک ۱۸۳-
۱۸۴-۱۹۵-۲۳۸-۲۴۳
نیوٹن ۲۵۴

(و)

وادیء ایمن ۲۸۶
والس، جون ۲۵۸
وائسرائےکی کونسل ۵۶
واؤ عاطفہ ۱۲
واؤ عطف ۱۲
وٹیکر پرنسپل ۹۶ف
وجدان ۲۶۴
"وجدانی نشتر" (کتاب) ۵۱-۶۱-
۶۱ف-۶۲-۶۲ف
وحدت الوجود ۶۲-۱۷۷-۱۸۱-
۱۸۲-۱۸۴-۲۷۳
وحی ۳۶ تا ۴۸
محمدی ۴۸
وحید احمد ۱۷۴-۱۷۵
وصل بلگرامی ۱۷۲
وصی الدین، خواجہ ۶
وطن ۲۲-۲۳
کی محبت ۲۸
وطنیت ۲۳
، جدید نظریہ، ۱۶۹
وظائف، یوروپ جانے کے لئے ۲۶۷
وقت ۲۶۱
وکٹوریہ
، ملکہ ۸۶
وظائف ۲۹۸
"وکیل" امرتسر (اخبار) ۱۸۴-۲۶۸
ولایت ۳۶-۲۴۶
ولسن، پریزیڈنٹ ۴۳-۴۴
ولی ۴۸
ولی اللہ خوش نویس، میر ۱۰۷
ویدانت ۲۱۸-۲۹۴
وینس ۱۰۱ تا ۱۰۳

(ہ)

ہٹلر ۲۱۸-۲۲۰
ہجو، کشمیریوں کی ۱۵۱-۱۵۲
ہرنائی (بلوچستان) ۲۱۵
"ہرن منارہ" (نظم) ۱۱۵ف
ہری سنگھ، مہاراجہ ۹۶ف
ہسپانیہ ۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳ف
ہلاکو ۲۲۱-۲۲۲
"ہماری زبان" علیگڑھ ۳۲
"ہمایوں" رسالہ ۳-۱۵۳-۱۹۹
"ہمدرد" (اخبار) ۳
"ہمدم" (اخبار) ۱۰۶
ہند، برطانوی ۳۲
و عجم ۸۶
ہندوستان ۷-۱۳-۲۱-۲۳-۲۴-
۲۷-۲۸-۳۱-۸۲-۸۴-
۹۲-۹۴ف-۱۰۸ف-۱۲۵-
۱۶۹-۱۹۷-۲۰۷-۲۱۰-
۲۵۷-۲۵۷ف-۲۸۰-۲۸۹

ہندوستان
کے سیاسی حالات ۲۶
، شمالی ۹۶ف-۲۰۹
میں عربی اسلام ۶۶
غیر منقسم ۲۸۰

کی اسلامی تاریخ"
(کتاب) ۱۹
ہمارا" (نظم) ۸۶
ہندوستانی ۴۱-۲۸۰
اقوام ۲۸۰
یونیورسٹیاں ۲۶۷
ہوش بلگرامی، ناظرالحسن ۱۳

(ی)

"یاد رفتگاں" (کتاب) ۵۱-۵۲
یامین ہاشمی، ڈاکٹر سید ۱۹۱
یتیم خانہ اسلامیہ میسور ۲۲۷-۳۰۰
یزید بن معاویہ ۲۷۵
یعقوب بیگ، مرزا ۲۱۱
یورک ایسڈ ۱۲۷
یورپ ۴۱-۴۲-۴۳-۸۳-۸۷-۸۸-
۱۷۶-۱۸۷-۱۹۴-۲۵۰-
۲۵۲-۲۵۸

یونانی
دوا ۱۹۰
دواخانہ ۲۹۲
طب ۲۹۲
نظریے ۲۴۹
یونینسٹ پارٹی ۹۲ف
یہودی سرمایہ دار ۱۰۸ف

تصحیح:- اس کتاب میں نظم "شمع ہستی" (صفحہ ۳۰۱) ایک مغالطہ کی بناء پر اقبال کے نام سے درج ہو گئی ہے۔ اس نظم کے مصنف مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی ہیں۔